تذکرۃ الفقہاء

حصہ اول

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

مَن يُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیراً یُفَقِّھْہُ فِی الدِّین

تذکرۃ الفقہاء

حصہ اول

اس میں امام بویطی شافعی سے امام ابواسحاق اسفرائینی تک یعنی تیسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری کے آغاز تک کے چھبیس نامور فقہائے شافعیہ کے حالات اوران کے علمی وفقہی اوصاف ومحاسن کا ذکر کیا گیا ہے۔

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

دارالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ، یو۔پی (ہند)

سلسلہ دارالمصنّفین نمبر: ۱۷۶

نام کتاب	:	تذکرۃ الفقہاء (حصہ اول)
مصنف	:	محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی
صفحات	:	۲۴۳
طبع جدید	:	۲۰۱۱ء
ناشر	:	دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ (یو۔پی)
مطبع	:	معارف پریس شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ (یو۔پی)
قیمت	:	-/150 روپے
باہتمام	:	عبدالمنان ہلالی

ISBN: 978-93-80104-80-5

Darul Musannefin Shibli Academy

P.O. Box No. 19, Azamgarh

e-mail: shibliacademy@rediffmail.com

website: www.shibliacademy.org

فہرست

تذکرۃ الفقہاء (حصہ اول)

مضمون	صفحہ
دیباچہ	۱۰-۱۱
مقدمہ	۱۲-۱۶
۱- امام یوسف بن یحییٰ بویطی متوفی ۲۳۱ھ	**۱۷-۳۳**
نام ونسب	۱۷
امام شافعی سے تعلق	۱۹
امام شافعی کی یاد	۲۱
تقویٰ وریاضت	۲۲
فتنہ خلق قرآن	۲۳
وفات	۳۰
تلامذہ	۳۰
تالیفات	۳۱
چند اقوال	۳۲
۲- امام ابوثور متوفی ۲۴۰ھ	**۳۴-۴۴**
نام ونسب	۳۵
اساتذہ	۳۵
امام شافعی سے تعلق	۳۵
امام شافعی کی یاد	۳۸
فقہی شان	۳۸
کیا امام ابوثور مجتہد تھے	۴۰
وفات	۴۲
امام ابن حنبل کے ممدوح	۴۲
تلامذہ	۴۳
سرمایۂ معنوی	۴۳
بعض مسائل وفوائد	۴۳
۳- امام حرملہ بن یحییٰ تجیبی متوفی ۲۴۳ھ	**۴۵-۵۲**
نام ونسب	۴۵
سال پیدائش	۴۵
اساتذہ وشیوخ	۴۵
حدیث میں مرتبہ	۴۷
امام شافعی سے تعلق	۴۸
فقہ شافعی میں ان کا مقام	۴۸
انتقال	۴۹
تلامذہ	۵۰
اولاد	۵۰
کتابیں	۵۰
روایات	۵۰
۴- امام حسین بن علی ابوعلی کرابیسی متوفی ۲۴۸ھ	**۵۳-۶۲**
نام ونسب	۵۳
اساتذہ	۵۳

مضمون	صفحہ
نامور تلامذہ	۵۳
امام شافعی سے تعلق	۵۳
امام شافعی سے عقیدت	۵۵
مرتبہ ومقام	۵۵
فتنۂ خلق قرآن	۵۵
ایک واقعہ	۵۶
تصانیف	۵۹
وفات	۶۰
بعض اقوال	۶۱
۵- امام حسن بن محمد الوعلی زعفرانی متوفی ۲۶۰ھ ۶۳-۷۲	
نام ونسب	۶۳
اساتذہ وشیوخ	۶۴
امام شافعی	"
امام شافعی سے تعلق	۶۵
زبان دانی	"
جلالت علمی	۶۶
ذکر شافعی	۶۷
فتنۂ خلق قرآن	۶۷
چند روایات	۶۷
سند حدیث	۶۸
شعر وسخن کا ذوق	۶۹
وفات	۷۰
حسن صورت وسیرت	۷۱
تلامذہ	۷۱
۶- امام یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی متوفی ۲۶۴ھ ۷۳-۸۰	
نام ونسب	۷۳
اساتذہ وشیوخ	۷۳
تلامذہ ورواۃ	۷۴
جلالت شان	۷۴
تقویٰ ومتانت دین	۷۵
وفات	۸۰
اولاد	۸۰
۷- امام ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی متوفی ۲۶۴ھ ۸۱-۱۰۳	
نام ونسب	۸۱
پیدائش	۸۱
نشوونما	۸۲
مصر میں امام شافعی کی آمد	۸۳
امام شافعی	۸۴
قیام مکہ	۸۴
مصر کا سفر	۸۵
قیام مصر کی اہمیت	۸۶
اصحاب مصر	۸۶
مزنی کی امام شافعی سے ملاقات	۸۷
امام مزنی کا شعری ذوق	۹۱
مزنی سے التفات خاص	۹۲
استاد کے بارے میں مزنی کے تاثرات	۹۳
تقویٰ وعبادت	۹۴

مضمون	صفحہ
زہد، خلق نشینی، استغناء	۹۵
فتنہ خلق قرآن	۹۶
وفات	۹۸
تلامذہ	۱۰۰
تصانیف	۱۰۱
۸- امام ربیع بن سلیمان مرادی متوفی ۲۷۰ھ ۱۰۴-۱۲۰	
نام ونسب	۱۰۴
ابتدائی تعلیم	۱۰۵
امام شافعی سے تعلق	۱۰۶
درس وتدریس	۱۱۱
شعری ذوق	۱۱۴
وفات	۱۱۵
اولاد وتلامذہ	۱۱۶
تصانیف	۱۱۶
۹- امام عثمان بن سعید ابوالقاسم انماطی متوفی ۲۸۸ھ ۱۲۱-۱۲۳	
نام	۱۲۱
تلامذہ	۱۲۲
وفات	۱۲۳
۱۰- امام عبداللہ بن محمد ابومحمد مروزی متوفی ۲۹۳ھ ۱۲۴-۱۲۸	
نام	۱۲۴
پیدائش	۱۲۴
نشوونما	۱۲۵

مضمون	صفحہ
شیوخ اور اساتذہ	۱۲۵
مصر کا سفر	۱۲۵
امام مزنی وامام مرادی سے تعلق	۱۲۶
ابن یسار کی معذرت	۱۲۶
مرو میں قیام	۱۲۶
مرتبہ ومقام	۱۲۷
وفات	۱۲۷
کتابیں	۱۲۷
تلامذہ	۱۲۸
اقوال ومسائل	۱۲۸
۱۱- امام محمد بن نصر ابوعبداللہ مروزی متوفی ۲۹۴ھ ۱۲۹-۱۳۷	
نام وپیدائش	۱۲۹
اساتذہ وشیوخ	۱۲۹
فقہ شافعی سے وابستگی	۱۲۹
جلالت شان	۱۳۰
فقہ میں مرتبہ	۱۳۱
عمدہ قول	۱۳۱
حسن عمل	۱۳۲
فنا فی العلم	۱۳۲
جودوسخا	۱۳۲
غیب سے دست گیری	۱۳۳
ایک خواب	۱۳۴
انتقال	۱۳۴
اولادِ ظاہری	۱۳۵

مضمون	صفحہ
تلامذہ اور رواۃ	۱۳۵
اولاد معنوی	۱۳۵
چند اقوال و آراء	۱۳۶
۱۲- امام محمد بن احمد ابو جعفر ترمذی متوفی ۲۹۵ھ ۱۳۸-۱۴۱	
نام	۱۳۸
پیدائش	۱۳۸
تعلیم اور شیوخ	۱۳۸
فقہ شافعی سے تعلق	۱۳۸
زہد و ورع	۱۳۹
وفات	۱۴۰
۱۳- امام احمد بن عمر ابن سریج بغدادی متوفی ۳۰۶ھ ۱۴۲-۱۵۱	
نام و نسب	۱۴۲
اساتذہ و شیوخ	۱۴۲
تلامذہ	۱۴۳
شان و مرتبت	۱۴۴
عہدۂ قضا	۱۴۶
مجدد	۱۴۷
چند اقوال	۱۴۸
وفات	۱۴۹
اولاد	۱۴۹
تالیفات	۱۴۹
اقوال و آراء	۱۵۰

مضمون	صفحہ
۱۴- امام حسین بن صالح ابو علی خیران متوفی ۳۲۰ھ ۱۵۲-۱۵۵	
نام و نسب	۱۵۲
تقویٰ اور جلالت علمی	۱۵۲
ایک واقعہ	۱۵۳
امام سبکی کا جواب	۱۵۴
وفات	۱۵۴
تصنیفات، تلامذہ، مسائل	۱۵۴
۱۵- امام حسن بن احمد ابو سعید اصطخری متوفی ۳۲۸ھ ۱۵۶-۱۶۱	
نام و نسب	۱۵۶
سال پیدائش	۱۵۷
شیوخ و اساتذہ	۱۵۷
تلامذہ	۱۵۷
فضل و کمال	۱۵۷
تقویٰ اور پرہیزگاری	۱۵۸
عہدۂ قضا اور احتساب	۱۵۸
حاضر جوابی	۱۵۹
تصانیف	۱۶۰
اجتہادی شان	۱۶۰
وفات	۱۶۱
۱۶- امام احمد بن ابی احمد ابو العباس ابن القاص متوفی ۳۳۵ھ ۱۶۲-۱۶۶	
نام و نسب	۱۶۲
پیدائش	۱۶۳
تلامذہ	۱۶۳
جلالت علمی	۱۶۳

مضمون	صفحہ
وفات	۱۶۴
تصانیف	۱۶۴
۱۷- امام محمد بن احمد ابو بکر ابن الحداد مصری متوفی ۳۴۴ھ ۱۶۷-۱۷۲	
ولادت اور نام ونسب	۱۶۷
اساتذہ وشیوخ	۱۶۷
علم وفضل	۱۶۸
عبادت وریاضت وتقویٰ	۱۷۰
عہدۂ قضا	۱۷۰
خوش لباسی	۱۷۱
تلامذہ	۱۷۱
تصنیفات	۱۷۱
وفات	۱۷۲
۱۸- امام محمد بن سعید ابو احمد بن القاضی خوارزمی متوفی ۳۴۹ھ ۱۷۳-۱۷۶	
نام ونسب	۱۷۳
جلالت علمی	۱۷۵
سخاوت	۱۷۵
علمی ورثے	۱۷۵
وفات	۱۷۶
صاحبزادے	۱۷۶
۱۹- امام محمد بن علی ابو بکر قفال شاشی متوفی ۳۶۵ھ ۱۷۷-۱۸۶	
نام ونسب وپیدائش	۱۷۷
ابتدائی حالات، تعلیم واساتذہ	۱۷۹

مضمون	صفحہ
جلالت علمی	۱۷۹
صاحب شمشیر	۱۸۱
اعتزال کا شبہ	۱۸۳
تلامذہ	۱۸۳
صاحبزادے	۱۸۴
تصنیفات	۱۸۴
وفات	۱۸۵
اقوال	۱۸۵
۲۰- امام عبدالعزیز بن عبداللہ ابوالقاسم دارکی متوفی ۳۷۵ھ ۱۸۷-۱۹۰	
نام ونسب	۱۸۷
تعلیم وتربیت	۱۸۷
نیشاپور اور بغداد کا قیام	۱۸۸
علمی وفقہی شان	۱۸۹
اعتزال کا الزام	۱۸۹
وفات	۱۹۰
علمی ورثا	۱۹۰
۲۱- امام عبدالواحد بن الحسین ابوالقاسم صیمری متوفی ۳۸۶ھ ۱۹۱-۱۹۴	
نام	۱۹۱
بصرہ میں سکونت	۱۹۲
اساتذہ	۱۹۲
تلامذہ	۱۹۲
علوئے مرتبت	۱۹۲
تصانیف	۱۹۳

مضمون	صفحہ
وفات	۱۹۳
چند اقوال	۱۹۳
۲۲- امام احمد بن محمد ابو سلیمان خطابی بُستی متوفی ۳۸۸ھ	**۱۹۵-۲۰۳**
نام ونسب	۱۹۵
تلاش علم اور سفر	۱۹۶
جلالت علمی	۱۹۷
شاعری	۱۹۸
تلامذہ	۱۹۹
تصانیف	۱۹۹
بعض اقوال ومسائل	۲۰۲
ایک پر لطف حکایت	۲۰۳
وفات	۲۰۳
۲۳- امام اسماعیل بن احمد ابو سعید اسماعیلی جرجانی متوفی ۳۹۶ھ	**۲۰۴-۲۰۸**
نام ونسب	۲۰۴
خاندان	۲۰۵
اساتذہ وشیوخ	۲۰۵
تلامذہ	۲۰۶
جلالت علمی	۲۰۶
بغداد میں اعزاز	۲۰۷
وفات	۲۰۸
۲۴- امام احمد بن ابی طاہر ابو حامد اسفرائینی متوفی ۴۰۶ھ	**۲۰۹-۲۲۳**
نام ونسب	۲۰۹
ولادت اور تعلیم	۲۰۹
بغداد میں آمد	۲۰۹
حصول تعلیم	۲۱۰
اساتذہ	۲۱۰
جلالت شان	۲۱۱
تقویٰ اور خدا ترسی	۲۱۴
سخاوت	۲۱۵
ذکر وشکر	۲۱۶
بعض مروی احادیث	۲۱۶
تلامذہ ورواۃ	۲۱۷
شعر وشاعری	۲۱۹
ایک اہم واقعہ	۲۲۰
ایک وہم کا ازالہ	۲۲۰
وفات	۲۲۱
تصنیفات	۲۲۲
مسائل وفوائد	۲۲۳
۲۵- امام حسن بن علی ابو علی الادقاق متوفی ۴۰۶ھ	**۲۲۴-۲۳۱**
نام ونسب	۲۲۴
تعلیم	۲۲۴
تصوف	۲۲۵
جلالت شان	۲۲۶
اقوال واحوال	۲۲۷
وفات	۲۳۱

مضمون	صفحہ
۲۶-امام ابراہیم بن محمد ابواسحاق اسفرائینی متوفی ۴۱۸ھ ۲۳۲-۲۳۹	
نام ونسب	۲۳۲
تعلیم وتربیت	۲۳۳
نیشاپور میں قیام	۲۳۳
مدرسہ نیشاپور	۲۳۳
تلامذہ اور رواۃ	۲۳۴
منزلت علمی	۲۳۵
عبادت وتقویٰ	۲۳۶
سفارت	۲۳۷
تصنیفات	۲۳۷
مناظرے	۲۳۸
وفات	۲۳۸
مسائل	۲۳۹
کتابیات ۲۴۰-۲۴۳	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

دارالمصنّفین کی تاسیس کے وقت ہی سے جو علمی و تحقیقی کام اس کے پیشِ نظر تھے ان میں ایک ضروری اور مقدم کام اسلامی علوم وفنون کی تاریخ اور ہر ہر فن کے مشاہیر کے حالات لکھنا اور ان کے کارناموں پر تبصرہ کرنا بھی ہے، فقہ کو اسلامی علوم میں جو مرکزیت و اہمیت اور برتری حاصل ہے، اس کی بنا پر اس کی تاریخ مرتب کرنا، اس کے عہد بہ عہد کی ترقی کا حال دکھانا اور پھر ہر عہد کے نمایندہ، مشاہیر اور اصحاب تصانیف فقہاء کے حالات قلم بند کرنا اور ان کی خدمات پر تبصرہ کرنا بھی دارالمصنّفین کے منصوبے میں شامل تھا۔

فقہ اسلامی کی تاریخ وغیرہ کے سلسلے میں مولانا عبدالسلام ندوی کی کتابیں القضا فی الاسلام اسلامی قانون فوجداری اور علامہ خضری کی کتاب کا اردو ترجمہ تاریخ فقہ اسلامی شایع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں، ان میں سے بعض کتابیں اسلامی مدارس کے نصاب میں بھی داخل ہیں لیکن فقہا کے حالات اور کارناموں پر کوئی مستند کتاب ابھی تک اردو میں شایع نہیں ہوئی تھی۔

دارالمصنّفین نے یہ ضروری کام اپنے نوجوان رفیق حافظ مولوی عمیر الصدیق صاحب کو سپرد کیا تھا، جن کے زیر مطالعہ یہ موضوع عرصہ سے ہے، بعض وجوہ سے ان کی کتاب کی اشاعت میں تاخیر ہو گئی مگر اس کا یہ فائدہ بھی ہوا کہ موضوع پوری طرح ان کی

دست رس میں آ گیا اور ان کا قلم بھی پختہ ہو گیا جس کا اندازہ ان کے مفید مقدمہ سے بھی ہوتا ہے اور اس عرصہ میں بعض اصحاب علم ونظر کو ان کے مسودے پر نظر ڈالنے کا موقع بھی مل گیا اس طرح یہ 'دیر آید درست آید' کے مصداق ہے، اہل نظر کو خود بھی اندازہ ہوگا کہ مصنف نے محنت وتحقیق سے کتاب لکھی ہے اور علمی موضوع کی گراں باری کے باوجود زبان و بیان کی روانی وشگفتگی میں فرق نہیں آنے دیا ہے۔

یہ کتاب مسلمانوں کے صرف ایک فقہی اسکول کے اساطین کے تذکرے پر مشتمل ہے، جس میں تیسری صدی ہجری کے اوائل سے پانچویں صدی ہجری تک کے ممتاز شافعی فقہاء کے حالات اور کارناموں کا مرقع پیش کیا گیا ہے، ابھی یہ سلسلہ کئی حصوں میں مکمل ہوگا، دوسرا حصہ بھی ان شاء اللہ جلد مطبوع ہوگا۔

اس کتاب کی اشاعت سے دارالمصنّفین کے ایک اہم اور ضروری منصوبہ کی تکمیل کا سامان ہوا ہے، خدا سے دعا ہے کہ وہ اس سلسلہ کے دوسرے حصوں کو مکمل کرادے، آمین

ناچیز

ضیاء الدین اصلاحی

یکم اگست ۱۹۹۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ علیٰ سوابغ نعمہ و جلائل کرمہ، وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمد رسول ربہ و علی آلہ و ازواجہ و صحبہ و جمیع إتباعہ۔

زیرنظر کتاب تذکرۃ الفقہاء دراصل دارالمصنّفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کی ایک کڑی ہے، اردوزبان میں جدیدطرز پرعلوم اسلامیہ کی تاریخ کی تدوین وترتیب کا خاکہ سب سے پہلے علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے تیارکیاتھا، علم الکلام اورشعرالعجم کی تاریخ اسی کا ایک حصہ ہے، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف نے ان کواس سلسلہ کے دوسرے اجزا کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہیں دی، تاہم وہ برابراس کی تکمیل کا ذکرکرتے رہے، سیرۃ النعمان کی تالیف کے محرکات میں انھوں نے لکھاکہ ”علوم وفنون کے جداجدا خاندان قائم کیے جائیں اور جولوگ ان خاص خاص فنون میں اپنی نظیرنہیں رکھتے ان کواس سلسلہ کا ہیروقراردیاجائے۔“ لیکن اس کام کی وسعت کے پیش نظرانھوں نے لکھاکہ ”مگراتنابڑاکام میرے بس کا نہ تھا۔“ اس کے باوجودانھوں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سیرت کی شکل میں خشت اول رکھ دی، لکھاکہ ”چندروز کے لیے خاندان حکومت کوچھوڑکرعلمی سلسلہ کی طرف توجہ کرنی پڑی، فقہ، حدیث، ادب، منطق، فلسفہ، ریاضی مختلف خاندان سامنے تھے، بعض وجوہ سے فقہ کوترجیح دی۔“

خدا کا شکر ہے کہ ان کے قابل فخر اخلاف نے دار المصنّفین کی ابتدا ہی سے اس منصوبہ کی تکمیل پر توجہ کی، سیرت النبیؐ سے تبع تابعین اور پھر تذکرۂ محدثین و مفسرین کے ذریعہ علوم اسلامیہ کی تاریخ کی تدوین کا عمل جاری ہے۔

فقہ کے موضوع پر سب سے پہلے ایک جامع تاریخ کی ضرورت تھی، جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات بیان کی گئی ہوں، حسن اتفاق سے علامہ محمد الخضریؒ کی کتاب تاریخ التشریع الاسلامی چھپ کر آئی جو اس مقصد کے لحاظ سے بالکل مناسب تھی، اس لیے مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم نے اسے تاریخ فقہ اسلامی کے اردو قالب میں منتقل کر دیا لیکن فقہائے امت کے ایک مکمل تذکرہ کی کمی محسوس ہوتی رہی، اردو زبان گو ائمہ اربعہ اور بعض دوسرے نامور فقہاء کے سوانح سے محروم نہیں، تاہم مکاتب اربعہ اور دیگر سلسلہ ہائے فقہ کی مفصل تاریخ کی ضرورت دار المصنّفین کے پیش نظر رہی۔

میں جب دار المصنّفین کے بزرگوں کے زیر سایہ و تربیت آیا تو مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی مرحوم نے امام شافعیؒ کے تلمیذ اجل امام مزنیؒ پر مضمون لکھنے کی ہدایت کی، یہ معارف میں چھپا اور اس کے بعد اس سلسلہ کی تکمیل کا حکم بھی ملا، زیر نظر کاوش اسی سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، جس میں امام بویطی (م ۲۳۱ھ) سے امام ابواسحاق اسفرائینی (م ۴۱۸ھ) تک یعنی تیسری صدی سے پانچویں صدی ہجری کے آغاز تک کے ممتاز فقہائے شافعیہ کے حالات اور ان کی مہتم بالشان خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے، یہ دور تمدن کی وسعت، مختلف قوموں اور ملکوں میں اسلام کے فروغ، افکار و خیالات کے اختلاط، غیر عربی زبانوں کی کتابوں کے ترجموں اور نئے نئے فقہی مسائل کی کثرت کا زمانہ ہے، فطری طور پر اس عہد میں عقل و دانش کو نئے میدانوں میں حوصلہ افزائی کی راہ ملی، علم الکلام اس کی ایک مثال ہے، جس سے علم فقہ کو نئی جہت ملی، اجتہادی صلاحیتیں بروئے کار آئیں، بعض اصولِ حدیث میں علمی نزاع نے فن فقہ میں ایک مستقل بحث کا آغاز کیا، قیاس، استحسان، استصلاح اور استدلال جیسے اصول اسی نزاع کا نتیجہ ہیں، بحث و نزاع کی اس گرم بازاری نے اصول فقہ

کی تدوین اور فقہی اصطلاحات کی وضع کا راستہ ہموار کیا اور نتائج فکر کے فرق و اختلاف نے باقاعدہ متعدد مسلکوں کے قیام کی بنیاد رکھی، ائمہ اربعہ کے مسالک کو بوجوہ زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، ان ائمہ کے نامور تلامذہ نے درس و تدریس، قضاو افتا اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ اپنے اپنے مکتبِ فکر کے فروغ میں سرگرم حصہ لیا۔

امام شافعیؒ کی شخصیت کے متعلق عام تاثر ہے کہ وہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے علم اور بدوؤں کی فصاحت کا مجموعہ تھی، ان کے نمایاں اوصاف میں مناظرہ اور خوبیِ تحریر کا راز یہی ہے، یہی خوبیاں ان کے شاگردوں اور پھر ان کے سلسلۂ رواۃ کا بھی امتیاز قرار پائیں۔

اختلاف فقہاء کے ضمن میں اس حقیقت کا اعادہ ضروری ہے کہ تفقہ و اجتہاد کے ذریعہ دین میں کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں ہوا بلکہ نصوص یعنی وحی و نبوت کی روشنی و رہنمائی میں عقل و دانش کا استعمال ہی اجتہاد بلکہ علم فقہ کی اساس ہے اور اس باب میں اجتہادی قوتوں کے عمل و اثر کا تفاوت امر طبعی ہے، جس کے نتیجہ میں اختلاف فکر کا در وا ہوتا ہے، دین فطرت کے حقیقت بین اور رمز شناس اہل فکر و نظر نے سچ کہا کہ ان اختلافات کی بدولت اسلامی قانون اور اس کے دائرہ میں عظیم وسعت پیدا ہوگئی، تیسیر دین یا گنجائش کا امکان ان فقہی اختلافات کی ہی بدولت نظر آیا اور اسی لیے اس کو خیر عظیم تصور کیا گیا، یہ بھی حقیقت ہے کہ جو اختلافات بظاہر ائمہ مجتہدین کی طرف منسوب ہیں، ان کا بڑا حصہ دراصل صحابۂ کرامؓ ہی کے اختلافات پر مبنی ہے اور ان سے منتقل ہو کر تابعین و تبع تابعین اور مابعد طبقات تک پہنچا ہے، اس موقع پر حضرت عائشہؓ کے برادر زادہ اور مدینہ کے فقہائے سبعہ کے ایک نامور رکن حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر کا یہ قول ایک بار پھر غور کرنے کے لائق ہے کہ ”صحابۂ کرام کے اعمال میں جو اختلافات تھے، خدا نے اس سے یہ نفع پہنچایا کہ مسلمانوں میں سے جو کسی بھی صحابی کے طرزِ عمل کے مطابق عمل کرتا ہے وہ اپنے آپ کو گنجایش میں پاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس نے جو کام کیا ہے وہ ایسا کام ہے جسے اس سے زیادہ بہتر آدمی نے کیا تھا۔“

(الموافقات ج ۴ ص ۱۵۱) اسی حقیقت کی بازگشت بعد میں امام عبدالوہاب شعرانی شافعی کے اس قول میں ملتی ہے کہ ''تمام ائمہ سیدھی راہ پر ہیں اور ان بزرگوں میں سے کسی کی اہانت وہی کرسکتا ہے جو ان کے مسلک کی دلیل سے ناواقف ہے۔'' اس کے باوجود ظاہر بین اور نکتہ چیں ذہن ابتدا سے یہ سوال بھی اٹھاتا رہا کہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی رائے پر کیوں نہ جمع کر دیا جائے، اس کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام مالک کے اقوال ہر دور کے لیے سرمایۂ بصیرت ہیں کہ ''ہر ملک والے اسی پر عمل درآمد کریں جس پر ان کے فقہا نے اتفاق کیا ہو'' اور ''چھوڑ دیجیے ہر شہر کے لوگوں کو جو کچھ انھوں نے اپنے لیے اختیار کر لیا ہے۔''

شریعت اسلامیہ اور تاریخ تفقہ و اجتہاد کے اس پس منظر میں ائمہ اربعہ اور ان کے انداز فکر و استدلال پر غور کیا جائے تو ان کے سوانح اور کارنامے شفاف و مصفیٰ ہو کر عقل و نظر کے لیے اور جاذب و پرکشش بن جاتے ہیں، یہاں ایک جامع تبصرہ شاید برمحل ہو کہ ''ائمہ اربعہ پر مسلمانوں کے غیر معمولی اعتماد کی وجہ محض قدامت پرستی یا تقلید نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ ائمہ عظام، اجتہاد کے شرائط پر بدرجۂ کمال پورے اترتے ہیں، یہ ائمہ کتاب و سنت کے علم میں یکتائے روزگار تھے، زندگی کے معاملات و حالات کو سمجھنے میں بھی بے نظیر تھے اور کتاب و سنت پر عمل کرنے اور مشکل ترین حالات و امتحانات کے اندر استقامت کی خوبی میں بھی خیر القرون کے مسلمانوں کی مثال تھے، یہ اعتماد امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور مستحکم ہوتا گیا۔'' (اسلامی قانون کی تدوین'' از مولانا امین احسن اصلاحی)

بہر حال یہ موضوع تفصیل طلب ہے اور یہ صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے، لیکن اس اجمال سے دارالمصنفین کے مسلک و نیت کا اظہار ضرور ہوتا ہے، تذکرۃ الفقہاء کا آغاز حضرات شافعیہ سے کرنے کی کوئی شعوری نیت نہ تھی، دوسرے اور وجوہ کے علاوہ تاریخی حیثیت سے حق تھا کہ ابتدا فقہائے حنفیہ سے کی جائے، لیکن ایک مبتدی کو امام مزنی کا موضوع دیا گیا اور پھر یہی اس سلسلہ کا سرآغاز بن گیا، فقہائے شافعیہ کے سوانح و تراجم کی تالیف کا عمل پانچویں صدی ہجری سے شروع ہو گیا اور گیارہویں صدی ہجری تک تاریخ،

طبقات ورجال کی کتابوں کے علاوہ طبقات الشافعیہ کے عنوان سے قریباً تیس تذکرے تیار ہوگئے، ابوحفص مطوعی (م ۴۴۰ھ) سے صعلوکی، قاضی ابوالطیب طبری، ابوعاصم عبادی، ابواسحاق شیرازی، امام تاج الدین سبکیؒ اسنوی، ابن ملقن، ابن قاضی شہبہ اورابن ہدایۃ اللہ تک قریب پانچ صدیوں پر محیط ایک طویل سلسلہ ہے، ان میں امام سبکی کی طبقات زیادہ مفصل اور متداول ہے، اس کے تین حصوں کبریٰ، وسطیٰ اور صغریٰ میں صرف طبقات کبریٰ شایع ہوئی، اس میں قریب ساڑھے تیرہ سو فقہاء کا تذکرہ ہے، اسی طرح قاضی ابن شہبہ کی طبقات میں ۷۸۴ فقہاء کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ ان تمام فقہاء کا استقصاء متعدد ضخیم جلدوں کا متقاضی تھا، اس لیے تذکرۃ الفقہاء کے لیے انتخاب کا مرحلہ بھی دشوار گزار تھا، چنانچہ نہایت ممتاز ونمایاں، صاحب تصانیف واجتہاد یا درس وتدریس اور مسند قضا وافتا پر امتیازی شان سے فائز یا ورع وتقویٰ میں بلند مرتبہ ہستیوں کا انتخاب ضروری ہوا، ان اوصاف کی حامل بعض ایسی شخصیتیں بھی تھیں، جن کا ذکر نہایت مختصر تھا اس لیے ان کو قلم انداز کرنا پڑا اور سنہ وار ترتیب زیادہ مناسب معلوم ہوئی۔

اس کتاب کی اشاعت کے وقت مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی مرحوم اور جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم کی شفقت وعنایت کی یادیں تازہ ہوگئیں، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری مرحوم نے کتاب کے مسودہ پر نظر کی تھی، اللہ تعالیٰ ان مرحومین کے درجات بلند فرمائے، محترمی مولانا ضیاء الدین اصلاحی ناظم دارالمصنّفین (۱) اور جناب عبدالمنان ہلالی صاحب کی عنایت وتوجہ کا بھی شکر گزار ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاتمۂ نبوت کے ان ریزہ چیں فقہائے ملت کے تذکرہ کو ایمان کی قوت، دلوں کی حرارت اور فہم وعقل سلیم کا سبب بنائے۔ آمین

محمد عمیر الصدیق دریا آبادی ندوی
دارالمصنّفین، اعظم گڑھ

---

(۱) سابق ناظم دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

امام یوسف بن یحییٰ بویطی

امام شافعی کے نامور مصری تلامذہ میں امام یوسف بن یحییٰ بویطی مصری کا نام نمایاں ہے، ان کے متعلق اصحاب طبقات و تراجم کے متفقہ الفاظ یہ ہیں کہ وہ اکبر اصحاب الشافعیین المصریین ہیں یعنی مصر میں اصحاب شافعی میں سب سے بڑھ کر ہیں (۱) امام سبکی کے الفاظ میں وہ دین اور علوم دینیہ میں ایک کوہ سربلند کی طرح عظیم اور نمایاں ہیں۔ (۲)

نام و نسبت: امام بویطی کا اسم گرامی یوسف بن یحییٰ ہے، ابو یعقوب کنیت ہے، بویطی کی نسبت سے مشہور ہیں اور یہ نسبت بویط سے تعلق رکھتی ہے، جو مصر میں بوصیر کے قریب ہی ایک چھوٹی سی بستی ہے، اسی نام کا ایک گاؤں سیوط (امام سیوطی والا) کے بھی قریب ہے، یاقوت حموی نے ان دونوں بستیوں کا ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے یہ تعیین نہیں کی ہے کہ امام بویطی کا تعلق کس بویط سے ہے، انھوں نے صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ ینسب یوسف بن یحیی البویطی الی احدھما، یوسف بن یحییٰ بویطی ان دونوں بستیوں میں سے ایک سے نسبت رکھتے ہیں (۳)، تاریخ پیدائش کے بارے میں مورخین خاموش ہیں، اس دور کے اکثر

---

(۱) دیکھیے طبقات: سبکی شیرازی، ابن ہدایہ اور وفیات: ابن خلکان، تاریخ بغداد خطیب وغیرہ
(۲) طبقات کبریٰ سبکی ج اص ۲۷۰ (۳) معجم البلدان: یاقوت حموی ج اص ۳۱۲، انساب: السمعانی ج اص ۹۶ سمعانی نے ابوعبداللہ فقیہ بویطی کا بھی ذکر کیا ہے لیکن وہ بویط کے رہنے والے نہیں تھے بلکہ حموی کے خیال کے مطابق چوں کہ وہ امام بویطی کی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے، اس لیے بویطی کی نسبت سے معروف ہوئے معجم حوالہ مذکور

دوسرے علما کی طرح امام بویطی کے خاندان، نشو ونما اور تعلیم و تربیت کے باب میں بھی کوئی تفصیلی یا جزوی اطلاع نہیں ملتی لیکن امام شافعی کے دامن علم سے وابستہ ہونے سے قبل وہ جلیل القدر محدث وفقیہہ امام عبداللہ بن وہب کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے، امام ابن وہب، امام مالک اور امام لیث بن سعد کی طرح صف اول کے محدث وفقیہ تھے، یہ ابن وہب وہی ہیں جن کے بارہ میں ابن فرحون نے امام مالک کی یہ رائے نقل کی ہے کہ ان کے علاوہ امام مالک نے کسی کو فقیہ تسلیم نہیں کیا۔(۱)

مصر میں اس وقت علم حدیث سے اشتغال اور محدثانہ طرز فکر کا دور دورہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ عین اس وقت جب کہ دوسرے قریبی علاقوں مثلاً عراق، شام اور یمن وغیرہ میں فقہ حنفی اور فقہ شافعی قبولیت اور رواج عام کی منزلوں پر تھی، مصر ان دونوں مسلکوں سے سرد مہری برت رہا تھا، امام ابن وہب عام محدثین کے برخلاف علم فقہ میں بھی دست گاہ کامل رکھتے تھے، یقینی بات ہے کہ علم حدیث وفقہ کی جامعیت نے ان کی شخصیت کو ممتاز اور دوسروں کے لیے باعث کشش بنا دیا تھا، چنانچہ امام مزنی اور امام ربیع مرادی کی طرح امام بویطی کا ابن وہب کے سرچشمۂ علم سے سیراب ہونا محض اتفاقی واقعہ نہیں، بلکہ علم کلام سے بیزاری، علم حدیث سے گرویدگی اور علم فقہ کی دلکشی نے ابتدا سے ہی ان تینوں حضرات کو ایک مرکز پر جمع کر دیا تھا(۲)، امام سبکی کا بیان ہے کہ امام بویطی نے ابن وہب کے علاوہ دوسرے محدثین سے بھی اکتساب فیض کیا(۳)، روایت حدیث بھی کی، انھوں نے ان محدثین کے نام نہیں بیان کیے لیکن اس وقت مصر کی سرزمین امام مالک، امام لیث بن سعد، بشر بن بکر عبداللہ بن یوسف تینسی، شعیب بن لیث اور اسد بن موسیٰ اور بہت سے دوسرے نامور محدثین کی موجودگی سے رشک آسمان بنی ہوئی تھی (۴)، امام بویطی کا ان محدثین سے اکتساب ضوء قرین قیاس ہے، عین اسی زمانہ میں یعنی ۱۹۸-۱۹۹ھ میں امام شافعی عراق سے

---

(۱) حسن المحاضرہ: سیوطی ص ۱۲۱ (۲) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۳۸، ۲۷۶-۲۷۵ (۳) طبقات کبریٰ، ایضاً (۴) حسن المحاضرہ: سیوطی ج ۱ ص ۱۴۵

مصر تشریف لائے، جہاں بقول ان ہی کے، ان کی کامیابی اور اجل مقدر ہو چکی تھی، (۱) اس وقت امام شافعی کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا، مصر کا علمی ماحول ان کے طرز استدلال اور طریقۂ اجتہاد کے لیے نہایت سازگار تھا، حسب توقع مصر نے ان کی پذیرائی شایان شان کی اور جب ان کی خدمت میں ذہین، مخلص اور صالح نوجوانوں کا نذرانہ پیش کیا تو اس اسم بامسمیٰ یوسف علم کی متاع بے بہا بھی ان کو سونپ دی۔

عبداللہ بن وہب سے وابستگی کے بعد حدیث وفقہ کی ہم آہنگی نے جس شعور کی ساخت پرداخت کی تھی، اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اس کو جلاونموا امام شافعی کے فیض اثر سے ملے۔

امام شافعی سے تعلق: مصر میں امام شافعی کے قیام کی مدت چار برس ہے، اس عرصہ میں امام بویطی امام شافعی کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہے، امام سبکی کے بقول: اختص بصحبته، امام شافعی کی صحبت کے ہو کر رہ گئے اور اپنے استاد عالی مقام کی تعلیم وتربیت سے اس طرح فیض یاب ہوئے کہ جب امام شافعی کے سامنے ان کی جانشینی کا سوال سامنے آیا تو امام مزنی، امام ربیع مرادی اور ابن عبدالحکم کے سے نامور اور باصلاحیت شاگردوں کی موجودگی میں نظرِ انتخاب امام بویطی پر پڑی اور جب ان کا وقت وصال قریب آیا تو انھوں نے وصیت کی کہ ان کے حلقہ کی مسند نشینی اور قائم مقامی امام بویطی کریں گے (۲)، اس سے پہلے بھی ایک بار امام شافعی نے اپنی مجلس میں فرمایا تھا کہ میری جانشینی کا حقدار یوسف بن یحییٰ بویطی سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے (۳)، عملاً بھی امام شافعی اپنی حیات ہی میں ان کو اپنا جانشین مقرر کر چکے تھے اور وہ اس طرح کہ مسائل واستفتا کے جواب دینے میں امام بویطی پر کامل اعتماد رکھتے ہوئے ان سے فرماتے تھے کہ ان کے جواب تم دو، اکثر مسائل وہ امام بویطی کی جانب منتقل کر دیتے اور ان کے جوابات سے مطمئن ہو کر ان کی تصویب بھی فرمادیتے (۴)، اس طرح ایک بہترین معلم ومربی کی طرح امام شافعی کی جوہر شناسی امام

(۱) وفیات الاعیان: ابن خلکان ج ۲ ص ۲۱۶ (۲) تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۶۴
(۳) مرآۃ الجنان: یافعی ج ۲ ص ۱۰۲ (۴) وفیات: ابن خلکان ج ۳ ص ۴۱۵

بویطی میں کسی قسم کی کمی نہ رکھنا چاہتی تھی، کبھی کبھی امام بویطی کی اصابت رائے، معاملہ فہمی اور حسن استدلال سے متاثر ہوکر امام شافعی فرماتے کہ ابو یعقوب لسانی، ابو یعقوب (بویطی) میری زبان ہیں (۱)، امام بویطی کے تقوی و تقشف اور حلم و وقار کی وجہ سے بھی امام شافعی کی نگاہوں میں ان کا مقام بہت بلند تھا، امام ربیع جو امام بویطی کے ہم عصر و ہم درس تھے، کہتے ہیں کہ کان ابو یعقوب من الشافعی بمکان مکین، ابو یعقوب بویطی کا امام شافعی کے نزدیک اونچا درجہ و مرتبہ تھا۔ (۲)

امام شافعی کا انتقال ہوا تو ان کی مسند علم کی جانشینی امام بویطی کے نصیب میں آئی، قولاً و فعلاً وہ امام شافعی کے جانشین مقرر ہو چکے تھے، مگر امام شافعی کے انتقال کے بعد ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا جو خلاف توقع نہ تھا، ابوبکر بن خزیمہ کے حوالہ سے یہ واقعہ منقول ہے کہ جانشینی کے سوال پر امام بویطی اور ابن عبدالحکم کے درمیان کشمکش پیدا ہوگئی، ابن عبدالحکم مصر کے سربرآوردہ اور نامور مالکی عالم تھے، امام شافعی مصر تشریف لائے تو یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علوم فقہ کی تحصیل کی، امام شافعی کے انتقال کے بعد انھوں نے جانشینی کے استحقاق کا دعویٰ کیا، جواب میں امام بویطی نے اپنے حق کا اعادہ کیا حسنِ اتفاق سے اس وقت مصر میں امام شافعی کے قدیم مکی شاگرد و محدث امام حمیدی موجود تھے، انھوں نے فیصلہ امام بویطی کے حق میں دیا، امام حمیدی نے فرمایا کہ خود مجھ سے امام شافعی نے فرمایا تھا کہ میری مجلس کا حقدار امام بویطی سے بڑھ کر کوئی نہیں اور نہ میرے ساتھیوں میں کوئی ان سے زیادہ صاحب علم ہے، ابن عبدالحکم نے یہ سن کر امام حمیدی سے کہا، آپ نے غلط بات کہی، اس پر امام حمیدی نے کہا کذبت انت و ابوك و امك غلط بات تو تم نے اور تمہارے ماں باپ نے کہی، اس سخت جواب سے ابن عبدالحکم بہت ناراض ہوئے حتیٰ کہ اپنے شافعی مسلک کو خیرباد کہہ کر سابقہ فقہی مسلک کی ترویج و اشاعت میں لگ گئے۔ (۳)

ایک روایت کے مطابق یہ تنازعہ امام شافعی کی زندگی میں بھی پیش آیا اور جب

---

(۱) وفیات: ابن خلکان ج ۳ ص ۴۱۶ (۲) تاریخ بغداد: خطیب بغدادی ج ۱۴ ص ۳۰۱ (۳) ایضاً

امام شافعی کو اس کی خبر ملی تو انھوں نے فرمایا: الحلقة للبویطی مجلس بویطی کی ہے۔(۱) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن عبدالحکم امام شافعی کی وفات سے دو ماہ پیشتر ہی مالکی مسلک اختیار کر چکے تھے، ابن ہدایہ نے تو صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ چوں کہ امام شافعی نے امام بویطی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا، اس سے ناراض ہو کر ابن عبدالحکم نے اپنے والد کے مسلک یعنی مسلک مالکی کو دوبارہ اختیار کر لیا۔(۲)

امام شافعی کی یاد: امام شافعی اپنے شاگردوں سے جس شفقت و محبت، دل داری و دل نوازی اور اخلاص و الفت سے پیش آتے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے شاگرد ہمیشہ ان کے بارہ میں محبت و عقیدت کے جذبات سے سرشار رہتے تھے اور یہ نشہ ایسا چھاتا کہ تا عمر نہ اترتا، امام بویطی بھی محبوب و مربی استاد کی یادوں کو فراموش نہ کر سکے، ان کی خلوت و جلوت میں امام شافعی کا ذکر بار بار ہوتا، وہ اکثر کہا کرتے کہ میں نے بہتوں کو دیکھا لیکن بخدا کسی بھی صنف علم میں امام شافعی کے ہم پلہ تو کیا کچھ کم تر بھی نہ پایا، جو لوگ بھی ورع و تقویٰ میں حیثیت رکھتے ہیں، ان میں سب سے ممتاز میں نے امام شافعی کو پایا۔(۳)

وہ فرماتے کہ ہم نے امام شافعی کی صحیح قدر تو اس وقت جانی جب اہل عراق کو دیکھا کہ وہ امام صاحب کی خوبیوں کا ذکر اس کثرت اور عقیدت سے کرتے ہیں کہ ہم اس کا نصف بھی نہیں کرتے، اہل عراق (حنفی) اہل حدیث اور زبان داں بیک زبان کہتے تھے کہ انھوں نے امام شافعی کا سا اور کسی کو نہیں دیکھا(۴)، امام ربیع فرماتے ہیں کہ میں نے امام بویطی کو اکثر اس بات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ امام شافعی سے کما حقہ استفادہ نہ کر سکے، میں نے ایک بار عرض کیا کہ امام شافعی آپ سے محبت کا برتاؤ کرتے تھے، اپنے تمام ہم نشینوں پر ترجیح و اولیت دیتے تھے، پھر کون سا امر مانع تھا کہ آپ اپنی خواہش کے مطابق استفادہ نہ کر سکے، امام بویطی نے جواب دیا یقیناً میرے ساتھ ان کا معاملہ شفقت و

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۵ (۲) طبقات: ابن ہدایہ ص ۸ (۳) تہذیب الاسماء: نووی ج ۱ ص ۵۸ (۴) ایضاً

لینت کا تھا لیکن ان کی نرم گفتاری اور علمی خاکساری کے باوجود میرا یہ عالم تھا کہ ان کے جلالِ علم سے ہمیشہ لرزاں رہتا اور یہ کیفیت مجھ سے ہی خاص نہ تھی، میں نے امام شافعی کی بارگاہ میں باجبروت امراحتیٰ کہ سلاطین کو دیکھا کہ ان پر امام شافعی کی ہیبت علمی چھائی رہتی تھی، (۱) امام بویطی کا یہ انکسار اور کماحقہ سیرابی نہ ہونے پر اظہار افسوس ان کے فرط ادب اور درویشانہ طرزِ عمل کی نشانی ہے، ورنہ وہ علم وفضل اور تقویٰ وتقشّف میں بجا طور پر امام شافعی کے جانشین تھے۔

امام احمد بن حنبل امام بویطی کی اس جانشینی کے معترف تھے، ایک صاحب نے علم حدیث میں خاصی واقفیت بہم کر لینے کے بعد جب امام اوزاعی، امام ثوری اور امام مالک کے فقہی مسلکوں کی تحصیل کا ارادہ ظاہر کیا تو امام احمد بن حنبل نے ان کو فقہ شافعی حاصل کرنے کا مشورہ دیا اور اس کے لیے امام بویطی کی خدمت میں حاضر ہونے اور سماعت کرنے کی رائے دی۔ (۲)

تقویٰ وریاضت: امام بویطی اپنی علمی صلاحیت اور فقہی مہارت کے علاوہ خیر کے امور اور اعمال حسنہ میں بھی قابل رشک اور لایق تقلید تھے، وھو متبوع فی صنائع المعروف (۳)

دن میں ان کے اوقات کا بیشتر حصہ اذکار، تعلیم وتعلم کی مشغولیتوں میں گذرتا اور رات کا اکثر حصہ تلاوت قرآن مجید اور نوافل کی ادائی سے معمور رہتا، تلاوت پر خصوصی توجہ تھی، اس کثرت سے تلاوت کرتے کہ دن رات گزرنے بھی نہ پاتے اور وہ قرآن مجید ختم کر لیتے تھے۔ (۴)

تلاوت کی کثرت سے جذبات میں رقت، دل میں گداز اور لہجہ میں سوز پیدا ہو گیا تھا، امام سبکی کہتے ہیں کہ وہ بے حد رقیق القلب تھے، اس لیے اکثر آنسو رواں رہتے، کان سریع الدمعۃ (۵)

---

(۱) تہذیب الاسماء: نووی ص ۵۹ (۲) الانتقاء: ابن عبد البر ص ۷۶ (۳) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۶ (۴) تاریخ بغداد: خطیب ج ۱۴ ص ۳۰۲ (۵) طبقات الشافعیہ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۶

ابوالولید بن جارود کا بیان ہے کہ امام بویطی میرے پڑوسی تھے، رات میں جب جب میری آنکھ کھلتی میں ان کو تلاوت یا نماز میں مشغول پاتا۔(۱)

امام مرادی کا قول ہے کہ امام بویطی کے لب ہمیشہ خدا کے ذکر سے لبریز و متحرک رہتے۔

ابن ندیم کے الفاظ میں امام شافعی کے ساتھیوں میں امام مزنی سے زیادہ فقیہ اور امام بویطی سے زیادہ صالح کوئی نہیں تھا(۲)، یاقوت حموی کے الفاظ میں وہ امام ربانی تھے۔(۳)

احکام شریعت اور تقلید سنت میں بڑے سخت تھے، خطیب بغدادی نے نمایاں انداز میں ان کے تقشف کا ذکر کیا ہے(۴)، امام ربیع فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سے ہمہ نوعی حجت لینے میں امام بویطی سے زیادہ استحضار میں نے کسی میں نہ دیکھا(۵)، جامع عمرو بن العاص میں جہاں امام شافعی درس و تدریس کی مسند کو زینت بخشتے تھے، امام بویطی کا فیضان علم اسی رونق سے جاری رہا، دور دراز سے شائقین علم آتے اور امام بویطی کے ہاتھوں امام شافعی کی میراث کی دولت اپنے اپنے علاقوں میں لے جا کر عام کرتے، علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ امام بویطی شخصی طور سے سبک روح اور نرم خو تھے، پردیسیوں سے ان کا برتاؤ قربت و موانست کا رہتا، وہ بڑی خوبی سے ان کے سامنے امام شافعی اور ان کی کتابوں کی فضیلت و کمال کو واضح کرتے، ان کا یہ اسلوب اس قدر دلکش اور موثر ہوتا کہ طالبین و شائقین کی ایک کثیر جماعت ان کی خدمت میں حاضر رہتی۔(۶)

فتنۂ خلق قرآن: امام بویطی سالہا سال امام شافعی کی مسند افتا و تدریس کی رونق بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ ۲۲۷ھ میں وہ فتنۂ خلق قرآن میں شدائد و مصائب کا نشانہ بنے

(۱) طبقات: شیرازی ص ۸۰ (۲) فہرست ابن ندیم: ص ۲۹۵ (۳) معجم البلدان: یاقوت حموی ج ۱ ص ۳۱۲ (۴) تاریخ بغداد: خطیب ج ۱۴ ص ۳۰۲ (۵) طبقات: شیرازی ص ۸۰ (۶) الانتقاء: ابن عبدالبر ص ۱۰۹-۱۱۰

اوراس طرح انھوں نے دنیاوالوں کے سامنے ہمت وعزیمت کا درس اعلیٰ بھی پیش کیا۔(۱)

اسلام کی تاریخ عزیمت میں فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کے بعد امام بویطی ہی کی شخصیت ہے جو صبر وثبات اور قید و بند میں بھی حریت فکر وعقیدہ کے اظہار میں سرخروئی اور کامیابی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

واثق باللہ (۲)، معتصم کے انتقال کے بعد ۲۲۷ھ میں تخت نشین ہوا اور اسی کے دور میں امام بویطی کو پابند زنجیر وسلاسل کیا گیا، یہاں تک کہ چار برس کے بعد اسی قفس آہنی سے ان کا طائر روح پرواز کر گیا۔(۳)

فتنۂ خلق قرآن میں امام بویطی کی آزمائش کے اسباب ومحرکات کیا ہیں؟ جب کہ وہ اس فتنہ کے خاص مرکز دارالخلافہ بغداد سے دور مصر میں تھے، مصر کے دوسرے علما جن میں کثرت سے شوافع بھی تھے، اس فتنہ سے دامن کش، خاموش اور بظاہر بے تعلق سے تھے، حالاں کہ بغداد میں امام احمد بن حنبل اور ان کے متبعین اس فتنۂ ضالہ کے ازالہ اور کلمۂ حق کے اعلان اور اس کی پاداش میں اذیت وتعذیب کا شکار تھے، اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہی کہی جاسکتی ہے کہ امام بویطی کی علمی جلالت شان، ان کا تفقہ اور اس سے بڑھ کر ان کا تقویٰ وتقشف جو دین کے امور میں کسی مداہنت کو برداشت نہ کرسکتا تھا، علم کلام اور اہل کلام سے ان کی بیزاری جو ان کو امام شافعی سے ورثہ میں ملی تھی (۴) اور خود امام احمد بن حنبل سے

(۱) تہذیب الاسماء: نووی ص ۵۸ (۲) یہ وہی واثق باللہ ہے جس نے بہت سے محدثین اور علماء حق کو قید و بند اور قتل کی سزائیں دیں، مشہور صاحب عزیمت بزرگ احمد بن نصر خزاعی کو تختہ دار پر چڑھایا، امام احمد کو جلاوطن کیا، امام احمد بن حنبل اس کے زمانۂ خلافت میں روپوش رہے، جمعہ و جماعت کے لیے بھی باہر نہیں نکلتے تھے، البدایہ والنہایہ: ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۳۵ (۳) تہذیب الاسماء: نووی ص ۵۸ (۴) امام شافعی علم کلام اور متکلمین کے بارے میں بہت سخت تھے، ان کا قول تھا کہ اہل کلام کو زدوکوب کیا جائے اور اونٹوں پر بیٹھا کر بستیوں اور قبیلوں میں ان کو رسوا کیا جائے اور پکار پکار کر کہا جائے کہ یہ سزا کتاب وسنت کے ترک کی پاداش میں ہے، معجم المصنفین ص ۲۷۷

509

قلبی تعلق ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے وہ اپنے بعض ہم عصر و ہم درس رفقا کے برخلاف اپنے ضمیر کی آواز کو دبا نہیں سکے اور انجام کار مصائب و محن کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

دوسرے یہ بھی حقیقت ہے کہ مرجعیت و قبولیت کی نعمتوں کے حصول کے بعد شخصیتیں محسود ہو جاتی ہیں، غلط طینت، بے صلاحیت اور زمانہ ساز ذہنوں میں ایسی شخصیتوں کے بارہ میں طبعی طور پر رشک و حسد کے سفلی جذبات در آتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ امام بویطی کے ساتھ یہی المیہ پیش آیا ہو جیسا کہ امام سبکی نے لکھا ہے کہ معاندوں نے زور صرف کیا حاسدوں نے مکر و فریب کیا اور واثق باللہ کے وزیر اور مشہور قائل خلق قرآن قاضی احمد بن ابی دواد کے پاس امام بویطی کی شکایت لکھ بھیجی، قاضی ابن ابی دواد نے والیِ مصر کے پاس خط لکھ کر حکم دیا کہ امام بویطی سے پرسش کی جائے، حسن اتفاق سے والیِ مصر امام بویطی کے بارہ میں خود اچھی رائے رکھتا تھا، اس نے امام بویطی سے کچھ گفتگو کے بعد اپنے اطمینان کا اظہار کیا لیکن بات یہیں آئی گئی نہ ہوئی اور آخر کار حاسدوں کو اپنی مہم میں اس وقت کامیابی نصیب ہوئی جب امام بویطی کو پابجولاں چالیس رطل فولادی بیڑیوں میں جکڑ کر بغداد لے جایا گیا۔(۱)

یہ حاسدین کون تھے؟ اس کا بالتعیین جواب دینا مشکل ہے اور یہ یقیناً پردۂ خفا میں ہے۔

ابن ہدایہ جو مصنف کے لقب سے معروف اور اپنی کتاب طبقات کی وجہ سے مشہور ہیں اور گیارہویں صدی ہجری کے ایک نامور شافعی عالم گذرے ہیں، لکھتے ہیں کہ قاضی ابن ابی اللیث حنفی، امام بویطی سے حسد رکھتے تھے، انھوں نے امام بویطی کو والیِ مصر کے سامنے حاضر کرایا کہ ان سے خلق قرآن کے اثبات میں بیان لیا جائے لیکن امام بویطی کے انکار کے بعد ان کو ایک جماعت کے ساتھ جس میں دوسرے شافعی علما بھی شامل تھے، روانہ کر دیا گیا۔(۲)

(۱) تاریخ بغداد: خطیب ج ۱۴ ص ۳۰۲ (۲) طبقات: ابن ہدایہ ص ۴

علامہ ابن عبدالبر قرطبی جو پانچویں صدی ہجری میں گذرے ہیں، ان کا قول بھی اسی قسم کا ہے، ان کے مطابق قاضی ابن ابی اللیث حنفی نے حسد میں امام بویطی کو اس آزمائش میں ڈالا، جب کہ دوسرے شافعی ائمہ بھی تھے مگر ان سے تعرض نہ کیا لیکن ابن عبدالبر کا یہ بیان خود ان کی کتاب الانتقاء میں موجود نہیں ہے، ابن خلکان نے اس بیان کو نقل کیا ہے۔(۱)

ایک اور معتبر راوی ابوعمر کندی متوفی ۳۵۰ھ ہیں وہ اتنا اشارہ ضرور کرتے ہیں کہ معتصم نے ہارون بن عبداللہ قاضی مصر سے خلق قرآن کے مخالفین کی فہرست مانگی لیکن وہ دامن بچا گئے، اس کے بعد قاضی ابن ابی دواد نے قاضی محمد بن ابی اللیث سے یہ فہرست مانگی، انھوں نے سربرآوردہ مخالفین کے نام ان کو دے دیئے، ان ناموں میں امام بویطی کے علاوہ نعیم بن حماد اور خشنام محدث بھی شامل تھے۔(۲)

مگر خطیب بغدادی م ۴۶۳ھ اور ابواسحاق شیرازی م ۴۶۷ھ جو زمانی لحاظ سے دوسرے مؤلفین و مورخین کی بہ نسبت زیادہ قدیم ہیں اس باب میں خاموش ہیں اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ امام سبکی م ۷۷۱ھ جن کی طبقات کبریٰ، تقریباً طبقات شافعیہ میں سب سے مکمل و مفصل کتاب ہے اور جس میں بیشتر وہ تفصیلات ملتی ہیں جو طبقات کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتیں، قاضی ابن ابی اللیث حنفی کے اس حسد و انتقام کے افسانہ کو یکسر نظرانداز کر جاتے ہیں اور ایک انتہائی ناقابل یقین روایت کو جس کے ضعف کی جانب وہ خود بھی اشارہ کرتے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ امام بویطی کے خلاف سازش میں ان کے ہم درس اور ان ہی کی طرح ممتاز ترین فقیہ امام مزنی، امام حرملہ اور خود امام شافعی کے صاحبزادہ شامل تھے، امام سبکی کے الفاظ یہ ہیں:

وقیل کان المزنی و حرملہ و	کہا جاتا ہے کہ مزنی و حرملہ اور ابن
ابن الشافعی ممن سعی	شافعی ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے

(۱) وفیات: ابن خلکان ج ۳ ص ۴۱۵-۴۱۶ (۲) کتاب الولاۃ والقضاۃ: ابوعمر کندی

بالبویطی (۱) امام بویطی کے خلاف چغل خوری کی۔

ابوجعفر ترمذی کا بیان ہے کہ مجھ سے ایک ثقہ شخصیت نے امام بویطی کے اس قول کو نقل کیا ہے کہ میرے خون سے سارے لوگ بری ہیں سوائے تین لوگوں کے اور وہ ہیں حرملہ، مزنی اور ایک صاحب اور امام سبکی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر یہ حکایت و روایت درست ہے تو تیسرے شخص کو مجہول و مبہم رکھنے میں شاید یہ نکتہ ہے کہ امام بویطی نے اپنے استاد امام شافعی کی رعایت سے ان کے صاحبزادے کا نام صراحت سے نہیں لیا، اس روایت کے ناقابل قبول ہونے میں یقیناً کسی تامل کی گنجایش نہیں کہ امام مزنی، امام حرملہ اور صاحبزادۂ شافعی کے دینی و علمی مقام سے یہ فروتر ہے، خصوصاً امام مزنی تو صاحبان ہمت و عزیمت کے مداح تھے اور اسی فتنۂ خلق قرآن میں حکومت وقت کے سب سے بڑے نشانہ بننے والے امام احمد بن حنبل کے بارہ میں ان کا یہ قول بہت مشہور ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ، مرتدین کے بارے میں فیصلہ کے دن، حضرت عمرؓ سقیفہ کے دن، حضرت عثمانؓ شہادت کے دن، حضرت علیؓ جنگ صفین کے دن اور احمد بن حنبل فتنۂ خلق قرآن کے سبب، آزمائش کے دن سرخرو ہوئے۔ (۲)

اب بات قاضی ابن ابی اللیث کی رہ جاتی ہے، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ قاضی ابن ابی اللیث حنفی پر عائد کردہ یہ جرم بعد کے حضرات کی اپنی اپج ہے، تاہم چھٹی صدی سے گیارہویں صدی ہجری تک مختلف فقہی گروہوں کے درمیان سخت تعصب اور تحزب کی جو فضا قایم تھی، اس میں اس قسم کی گھڑی ہوئی روایتوں کا چل نکلنا بعید از قیاس نہیں ہے، جن کو اس دور کے مؤلفین نے نادانستہ مستند سمجھ کر اپنی کتابوں میں جگہ دے دی، حقیقت حال کا علم تو صرف علام الغیوب کو ہے۔

بہر حال امام بویطی نے اپنی زندگی کے آخری چار برس قید خانہ میں گزارے لیکن وہاں بھی ان کی زبان اعلاءِ کلمۂ حق کے لیے آزاد رہی، امام ربیع ان سے ملنے گئے وہاں

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۶ (۲) ایضاً ص ۲۰۰

انھیں اس حال میں دیکھا کہ وہ خچر پر سوار ہیں، گردن میں بھاری بوجھ لٹکا ہوا ہے، دونوں پیروں میں بیڑیاں ہیں اور خچر اور پیروں کے درمیان آہنی زنجیریں ہیں (۱)، اس عالم میں جب امام ربیع سے گفتگو ہوئی تو نہ حکومت کا شکوہ زبان پر آیا، نہ ان بیڑیوں اور زنجیروں کا گلہ بلکہ اس وقت بھی وہ اپنی دلیل پر قائم رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو لفظ کن سے پیدا فرمایا، اگر یہ لفظ کن بھی مخلوق ہوتا تو دوسری مخلوقات کے ساتھ ہی خلق میں آتا، ان نئے فلسفیوں اور متکلموں کی یہ موشگافیاں کیسے تسلیم کی جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو مخلوق سے پیدا کیا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ فنائے خلق کے بعد فرماتا ہے، لمن الملك اليوم، آج کس کی بادشاہی ہے، اس وقت نہ کوئی داعی ہوتا ہے اور نہ کوئی مجیب، چنانچہ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے، للّٰه الواحد القهار بادشاہی صرف خدائے یکتا وقہار کے لیے زیبا ہے تو اگر یہ کلام خدا مخلوق ہوتا تو دوسری مخلوقات کے ساتھ ہی فنا نہ ہو جاتا۔ (۲)

وہ اس بات میں اس درجہ متشدد تھے کہ فرماتے جو کلام اللہ کو مخلوق کہے وہ کافر ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں خلیفہ واثق باللہ کے روبرو پیش کیا جاؤں گا تو اپنی اسی بات پر قائم رہوں گا اور بہ بانگ دہل اسی عقیدہ کا اعلان واقرار کروں گا (۳)، وہ جذبۂ حق سے ایسے سرشار تھے کہ رجز یہ فرماتے: میں ان زنجیروں ہی میں مروں گا حتیٰ کہ لوگ آئیں گے اور تب جانیں گے کہ بویطی نے اس شان سے اپنی جان دی کہ گویا ایک قوم تھی جو بیڑیوں میں جکڑی تھی اور اسی عالم میں وہ آزاد ہوئی۔

بہر حال خلق قرآن کا یہ خالص علمی وکلامی مسئلہ جو موشگافیوں اور فلسفہ وکلام کے غیر ضروری مباحث ومسائل میں الجھنے کا شاخسانہ اور چند جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی ذہنی تگ و دو کی آماج گاہ تھا، جس طرح ایک سیاسی فتنہ بنا اور جس طرح اس فتنہ میں صدہا علمائے حق کی ابتلا وآزمائش ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے اور امام احمد بن حنبل اور امام بویطی نے جس صبر وثابت قدمی کی مثال پیش کی، وہ بھی اپنی نظیر آپ ہے۔

---

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۶ (۲) ایضاً (۳) ایضاً

امام سبکی فرماتے ہیں کہ امام بویطی پر اللہ تعالیٰ رحمتوں کی بارش کرے یقیناً وہ مقام صدیقیت پر فائز تھے۔(۱)

امام ساجی فرماتے ہیں کہ امام بویطی بیڑیوں ہی میں ہر جمعہ کو غسل فرماتے خوشبو لگاتے، اپنے کپڑوں کو دھوتے اور جب اذان کی آواز سنتے تو پابجولاں، باب زنداں تک بے قرار آتے لیکن جیل کے نگراں ان کو واپس کر دیتے اور عین اس وقت امام بویطی دردو شوق سے کہتے کہ اے اللہ! تو سن اور گواہ رہ کہ تیرے پکارنے والے کی آواز میں نے سنی اس پر لبیک کہا، مگر یہ لوگ مجھے تیرے حضور نہیں آنے دیتے (۲)، ابوعمرو مستملی کا بیان ہے کہ ایک بار محمد بن یحییٰ ذہلی کی مجلس میں امام بویطی کا ایک زنداں نامہ پڑھا گیا، جس میں انھوں نے امام ذہلی سے مخاطب ہوکر لکھا تھا کہ میرے حال سے میرے بھائیوں کو باخبر کردیجیے کہ شاید ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ مجھے رہائی عطا کرے اور رہائی کی تمنا صرف اس لیے ہے کہ میں بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں اور طہارت ونماز جیسے فرائض کی ادائی سے عاجز ہوں، مجلس کے حاضرین اس خط کو سن کر بے اختیار رو پڑے۔(۳)

امام ربیع کے نام ایک خط میں لکھا کہ اب تو یہ حال ہے کہ اکثر یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ میرے جسم پر زنجیروں اور بیڑیوں کا بوجھ ہے(۴)، ایسے ہی ایک خط میں لکھا کہ پردیسیوں اور اجنبیوں کے ساتھ صبر وضبط کا معاملہ کرنا، اپنے حلقہ کے لوگوں کے لیے حسن اخلاق کا بہتر سے بہتر نمونہ پیش کرنا، کیوں کہ میں نے امام شافعی کو اکثر یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا ہے:

اهين لهم نفسي لكي يكرمونها ولن تكرم النفس التي لاتهينها(۵)

لوگوں کے لیے میں اپنے نفس کو حقیر رکھتا ہوں، تاکہ لوگ اس کی عزت کریں جس نفس کو تم متواضع نہ بناؤ گے وہ کبھی معزز نہ ہوگا۔

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۶ (۲) تاریخ بغداد: خطیب ج ۱۴ ص ۳۰۲ (۳) طبقات کبریٰ سبکی ج ۱ ص ۲۷۶ (۴) وفیات: ابن خلکان ج ۳ ص ۴۱۶ (۵) تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۰۲ وطبقات کبریٰ وغیرہ

آخر کار مسلسل چار برس قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے اسی عالم میں وہ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، جمعہ کے روز، نماز سے قبل ماہ رجب ۲۳۱ھ میں قید خانہ بغداد میں ان کا وقت رہائی آن پہنچا۔ (۱)

ابن ہدایہ نے سال وفات ۲۳۲ھ اور ابن فرات نے انتقال کا دن سہ شنبہ لکھا ہے (۲) لیکن صحیح روایت اول الذکر ہے، کیوں کہ امام سبکی، ابن خلکان، امام یافعی، علامہ سیوطی، خطیب بغدادی اور ابن ندیم نے اسی کی تائید کی ہے، خطیب بغدادی نے اس رائے کو موسیٰ بن ہارون کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا کہ یہ اس لیے اور بھی معتبر ہے کہ موسیٰ بن ہارون خود جنازہ میں شریک تھے، اس طرح گویا ابو یعقوب یوسف کے نام اور مصر کی نسبت سے انھوں نے سنت یوسفی کا ایک بار پھر احیاء کیا اور امام شافعی کی اس پیش گوئی کے حرف بحرف مصداق ہوئے، جس کو برسوں پہلے امام شافعی نے ظاہر کیا تھا اور شاید علم کلام کی روز افزوں گرم بازاری اور امام بویطی کی حق پسند اور تقشفانہ رجحان طبع کے پیش نظر امام شافعی کی مومنانہ فراست سے کہلایا گیا تھا کہ:

اما انت یا یعقوب فتموت فی حدیدك (۳)	اور تم اے بویطی اپنی بیڑیوں میں جان دو گے۔

تلامذہ: امام بویطی کے ورثہ میں کسی اولاد حقیقی کا ذکر نہیں ملتا لیکن ان کی اولاد معنوی کی فہرست میں کئی نام بہت مشہور ہیں، ابراہیم بن اسحاق حربی، محمد بن اسماعیل ترمذی، ابو حاتم احمد بن ابراہیم، قاسم بن ہاشم، قاسم بن مغیرہ، احمد بن منصور رمادی، موسیٰ بن ابی الجارود اور امام الائمہ ابن خزیمہ کے سے نامور محدثین اور فقہا، ان کے شاگرد ہیں۔ (۴)

موسیٰ بن ابی الجارود، ابراہیم بن اسحاق حربی، ابو حاتم اور ابن خزیمہ کا شمار تو ائمہ کبار میں ہوتا ہے، ان کے علاوہ ان کے رفیق درس اور امام شافعی کے سب سے بڑے راوی

(۱) تاریخ بغداد و طبقات کبریٰ وغیرہ (۲) طبقات: ابن ہدایہ ص ۶، حسن المحاضرہ: سیوطی ص ۱۲۲
(۳) تاریخ بغداد: خطیب ج ۱۴ ص ۳۰۲ (۴) مرآۃ الجنان: یافعی ج ۲ ص ۱۰۲

امام ربیع مرادی نے بھی ان سے روایت کی ہے۔

تالیفات: ان شاگردوں کے علاوہ کتاب کی صورت میں ان کی علمی یادگار مختصر البویطی ہے، مختصر المزنی کی طرح امام بویطی کی المختصر بھی مشہور و متداول ہوئی (۱)، یہ دراصل امام شافعی کے کلام کا منتخب خلاصہ ہے اور کتاب المبسوط کے ابواب پر غایت درجہ عمدہ کتاب ہے (۲)، امام سبکی کے زمانہ تک یہ کتاب دستیاب تھی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں اس کتاب سے واقف ہوں، علماوفقہا کے یہاں اس کی شہرت ہے (۳)، اسی کتاب کے بارے میں مشہور شافعی عالم ابوالعباس اصم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: امام بویطی کی کتاب ہمیشہ اپنے پاس رکھو، یہ ساری کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے (۴)، اس کتاب کے علاوہ ابن ندیم نے دو اور کتابوں کے نام گنائے ہیں: ۱- کتاب المختصر الکبیر، ۲- کتاب الفرائض لیکن یہ دونوں کتابیں اب کہیں موجود نہیں شاید یہی وجہ ہے کہ صاحب کشف الظنون نے مختصر البویطی کا تو ذکر کیا ہے لیکن اس کے بارے میں کسی قسم کا تشریحی نوٹ نہیں لکھا ہے (۵)، کتاب الفرائض کے بارے میں بھی علامہ چلپی خاموش ہیں، حالاں کہ انھوں نے ابوثور کرابیسی اور امام ربیع کی کتاب الفرائض کا ذکر کیا ہے (۶)، امام شافعی کی شہرۂ آفاق کتاب کتاب الام کے جامع درحقیقت امام بویطی ہیں لیکن بحیثیت جامع ان کے نام کا ذکر نہیں ہے، کتاب الام کی تبویب امام ربیع مرادی نے کی تھی، چنانچہ وہ ان ہی سے منسوب ہوئی لیکن امام غزالی کا قول یہی ہے کہ اس کتاب کے اصل مرتب امام بویطی ہیں، گو انھوں نے اپنے نام کا کہیں ذکر نہیں کیا اور نہ خود سے منسوب کیا، علامہ عسقلانی کا بھی یہی خیال ہے (۷)، لیکن زمانہ حال کے ایک محقق کا یہ تبصرہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الام میں امام شافعی کے اقوال کو اولاً امام بویطی نے

---

(۱) تاریخ التشریع الاسلامی: محمد خضری ص ۲۳۶ (۲) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۶ (۳) ایضاً

(۴) وفیات: ابن خلکان ج ۳ ص ۴۱۵ (۵) کشف الظنون: چلپی ج ۲ ص ۱۶۲۵ (۶) ایضاً

(۷) معجم المصنفین: ٹونکی ج ۲ ص ۱۶۲۵ تا ۳۰۷

جمع کرنا شروع کیا تھا لیکن اس کی تکمیل امام ربیع کے ہاتھوں ہوئی (۱)، اس سلسلہ میں امام ربیع کے ذکر میں قدرے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

چند اقوال: امام سبکی نے امام بویطی سے منقول بعض دقیق و غریب مسائل کا استخراج کیا ہے، اسی طرح امام نووی نے بھی مختصر البویطی کی کتاب العتق، کتاب الولاء، کتاب الطلاق، کتاب البینۃ کے بعض دقیق مسائل کا استخراج کیا ہے، جن سے امام بویطی کی صلاحیت استقراء اور اخذ و استدلال میں دقیقہ سنجی کا اندازہ ہوتا ہے لیکن ان مسائل کو شرح و بسط کے ساتھ ان اوراق میں پیش کرنا باعث طوالت ہوگا، البتہ امام بویطی سے منقول امام شافعی کے چند دلچسپ اقوال پیش ہیں، امام بویطی نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شرافت و نجابت میں سے یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنی عمر بیان کرتا پھرے، فرمایا کہ امام شافعی سے دریافت کیا گیا کہ احکام یا علم فقہ کے اصول کتنے ہیں، فرمایا: پانچ سو، امام مالک کے پاس ان سے پینتیس اصول کم ہیں، جب کہ سفیان بن عیینہ کے نزدیک صرف پانچ اصول کم ہیں، ایک اور دل چسپ قول امام بویطی یہ نقل کرتے ہیں کہ ثرید کو پلیٹ کے درمیان سے کھانا، دو پھلوں کو ایک ساتھ کھانا اور رات کے وقت پردیس سے گھر آنا حرام ہے، وہ یہ مسئلہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اگر کتا کسی برتن میں منھ ڈال دے تو اسے سات بار دھویا جائے گا اور پہلی و آخری مرتبہ اسے مٹی سے دھویا جائے گا، ورنہ وہ پاک نہ ہوگا، خنزیر کو وہ اسی پر قیاس کرتے ہیں، وہ یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ اہل حدیث کی صحبت و اقوال کو اختیار کرو کہ دوسروں کے بہ نسبت یہ زیادہ قریب صواب ہوتے ہیں۔ (۲)

بہر حال امام بویطی کی اس جلالت شان و مرتبت علمی کے باوجود علامہ ابن حجر عسقلانی نے ان دس ائمہ کبار میں، جن سے مسلک شافعی کی ترویج و اشاعت ہوئی امام بویطی کا ذکر نہیں کیا ہے اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ امام بویطی کی زندگی کا وہ حصہ جو امام شافعی کے بعد ان کی فقہ کی اشاعت میں زیادہ مفید و معاون ہوتا، امام بویطی کے فتنہ خلق قرآن

---

(۱) اختلاف الفقہاء للطحاوی، معصومی ص ۱۲ (۲) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۷۷-۲۷۸

کی ابتلا و آزمائش کی وجہ سے اور افادۂ عام کے نقطۂ نظر سے زیادہ سرگرم عمل نہ رہ سکا، ورنہ کبار اصحاب شافعی میں ان کا شمار چند اولین ناموں میں ہوتا ہے، جیسا کہ خود امام عسقلانی نے ان کو ایک جگہ امام مشہور اور مرتبت کے لحاظ سے سب سے فائق کے الفاظ سے یاد کیا ہے(۱) اور علامہ سیوطی نے تو ان کو مصر کے علمائے مجتہدین میں شمار کیا ہے(۲) لیکن حقیقت یہی ہے کہ امام بویطی کا ذکر ان کے کارناموں کے شایانِ شان اس تفصیل سے نہیں ہوا، جس کے وہ مستحق تھے خطیب بغدادی کا احساس بھی یہی تھا کہ 'وقد کتب عنه شيء يسير' یعنی ان کے بارہ میں بہت تھوڑا لکھا گیا۔(۳)

---

(۱) معجم المصنفین: ص ۲۶۱ (۲) حسن المحاضرہ: سیوطی ج ۱ ص ۱۲۳ (۳) تاریخ بغداد: خطیب ج ۱۴ ص ۳۰۴

امام ابوثور

امام شافعی کے مصری شاگردوں اور جدید فقہ شافعی میں چار نمایاں ترین حضرات یعنی امام مزنی، امام مرادی، امام بویطی اور امام صدفی کے اسمائے گرامی شامل ہیں، موجودہ فقہ شافعی کا دارومدار انہی حضرات کی روایات پر ہے، تاہم فقہ شافعی کی ترویج واشاعت میں امام شافعی کے بغدادی شاگردوں اور قدیم فقہ شافعی کے چار اور راویوں اور ناقلوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، یہ چار حضرات امام احمد بن حنبل (۱)، امام زعفرانی، امام کرابیسی اور امام ابوثور رہیں، ان بزرگوں کی اہمیت یوں اور زیادہ ہو جاتی ہے کہ یہ فقہ حنفی کے سب سے بڑے مرکز میں امام شافعی کے مکتب فکر کے شارح اور مبلغ ثابت ہوئے۔

امام شافعی پہلی بار ۱۹۵ھ میں بغداد تشریف لائے اور تقریباً دو سال یہاں قیام کیا، یہیں انھوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کی فرمائش پر اصول فقہ میں غالباً سب سے پہلی کتاب کتاب الرسالہ کو مدون کیا اور یہیں ان کی مجلسوں میں علوم حدیث وفقہ کی گرم بازاری رہی، بغداد کے دینی وعلمی حلقوں کے بہترین افراد ان مجلسوں کی زینت رہے، امام احمد بن حنبل، امام زعفرانی، امام کرابیسی، قاسم بن سلام، ابوعبدالرحمٰن احمد بن محمد اشعری اور ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم کے سے نامور اہل علم وفقہ، ان علمی محفلوں کے مستقل حاضر باش تھے درحقیقت فقہ شافعی کو اصل اہمیت یہیں ملی اور فقہ حنفی کے بعد اس کے دوسرے اہم مکتب فکر ہونے کی بنیاد بھی یہیں پڑی، امام زعفرانی کے حالات میں اس پر روشنی ڈالی جاچکی ہے، ان کے بعد دوسری اہم شخصیت امام ابوثور کی ہے، ان کا ذکر گو طبقات وتراجم کی کتابوں میں

(۱) امام احمد بن حنبل گو بعد میں ایک جدا مکتبِ فکر کے بانی ہوئے لیکن فقہ شافعی کے قدیم رواۃ میں بہرحال ان کا شمار ہوتا ہے۔

نہایت شاندار الفاظ میں آتا ہے، مثلاً وہ فقہ، علم، ورع، فضل اور خیر میں ائمہ کی صف میں شمار ہوتے ہیں(۱)، وہ الامام الجلیل ہیں(۲) لیکن افسوس ہے کہ ان کے حالات کی کما حقہ تفصیلات سے ان کتب کے صفحات کا دامن تنگ نظر آتا ہے، ان کی علمی وفقہی خدمات کا ذکر جس تفصیل سے ملنا چاہیے وہ نہیں ملتا اور اس طرح یہ آئینہ عدم توجہ اور امتداد زمانہ کے غبار سے دھندلا ہو کر رہ گیا ہے، تاہم ان کی شخصیت سے متعلق جس قدر معلومات فراہم ہوسکی ہیں وہ سطور ذیل میں پیش ہیں:

نام ونسب: نام ابراہیم بن خالد بن یمان کلبی ہے، ابوعبداللہ کنیت اور لقب ابوثور ہے اور اسی لقب نے شہرت دوام حاصل کی، تاریخ ومقام پیدائش کے بارہ میں تذکرہ نگار خاموش ہیں لیکن چوں کہ ۲۴۰ھ میں وفات کے وقت ان کی عمر ستر برس کی تھی، اس لیے سال پیدائش ۱۷۰ھ کہا جاسکتا ہے، بغداد میں مستقل قیام وسکونت کی وجہ سے ظن غالب یہ ہے کہ بغداد ہی ان کی جائے پیدائش ہے۔

اساتذہ: امام ابوثور نے جن حضرات سے کسب فیض کیا، ان میں ابوسفیان بن عیینہ، ابن علیہ، عبید بن حمید، ابومعاویہ، وکیع، معاذ بن معاذ، عبدالرحمٰن بن مہدی اور یزید بن ہارون جیسے ائمہ کبار شامل ہیں(۳)، اکتساب فیض کے لیے ایسے اساتذہ کا انتخاب امام ابوثور کے حسنِ ذوق اور ابتدا سے ان کی خوب سے خوب تر کی تلاش وجستجو کا ثبوت ہے۔

امام شافعی سے تعلق: عراق اور خصوصاً بغداد میں فقہ حنفی کو رواج عام حاصل تھا، اس لیے امام زعفرانی کی طرح امام ابوثور نے بھی ابتدا میں علم فقہ کی تحصیل احناف کے طرز پر کی، ان کا مسلک بھی حنفی تھا(۴) اور جس وقت بغداد میں امام شافعی تشریف لائے اس وقت امام ابوثور بغداد میں امام محمد کے حلقۂ فکر اور مجلسِ درس کے مستقل حاضر باشوں میں تھے، امام شافعی کی آمد کی خبر عام ہوئی تو امام ابوثور ایک دن امام کرابیسی کے ساتھ امام شافعی کی خدمت

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج۱ص۲۲۸ (۲) تہذیب الاسماء: نووی ج۲ص۲۰۰ (۳) تاریخ بغداد: خطیب بغدادی ج۶ص۶۶ (۴) الانتقاء: ابن عبدالبرص۱۰۷

میں حاضر ہوئے، ابتدا میں وہ امام شافعی سے محض ملاقات کی غرض سے حاضر ہوئے بلکہ امام کرابیسی نے تو ان سے یہ کہا کہ امام شافعی آئے ہوئے ہیں، حدیث کے ساتھ ان کو فقہ میں بھی دسترس حاصل ہے، ان کے پاس چلیں، کچھ تفریح ہی رہے گی، فـقـم بـنـا نسـخـر بـه (۱) خود امام ابوثور فرماتے ہیں کہ روا روی میں امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا (۲) لیکن پہلی ملاقات میں ہی یہ احساس ہوا کہ امام شافعی کی ساری گفتگو میں صرف قال اللہ اور قال الرسول کی تکرار جمیل ہے، یہ نشست رات گئے دیر تک جاری رہی اور اس درجہ موثر ثابت ہوئی کہ ان دونوں حضرات کے تبدیل مسلک کا سبب بن گئی (۳)، ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ امام شافعی سے جس مسئلہ پر ان کی اولین گفتگو ہوئی وہ ہر دور کا معروف اختلافی مسئلہ یعنی مسئلہ رفع یدین تھا، اس مسئلہ پر امام شافعی کے دلائل ان کو دلنشین معلوم ہوئے، رفتہ رفتہ امام شافعی سے تعلق میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ امام محمد نے ان کی اس تبدیلی کو محسوس کیا اور کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ حجازی (امام شافعی) میرے مقابلہ میں تم پر غالب آ رہے ہیں، امام ابوثور نے بغیر کسی اعتذار کے کہا کہ ہاں یہ سچ ہے اور یہ اس لیے بھی کہ وہ حق پر ہیں اور اس کے بعد امام شافعی سے مسئلہ رفع یدین پر جو گفتگو ہوئی تھی، اس کو دہرا دیا (۴)، تذکرہ نگاروں نے اس کے بعد امام محمد کے جواب یا ردعمل کا ذکر نہیں کیا، ورنہ بات اور واضح اور دلچسپ ہو جاتی لیکن اتنا ضرور ہے کہ امام شافعی سے ان کی اس اثر پذیری میں امام شافعی کی پرکشش شخصیت کے ساتھ خود ان کا فطری ذوق بھی معاون ثابت ہوا، ان کی طبیعت کا رجحان علم حدیث کی جانب تھا، ان کے اساتذہ کی فہرست سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ ان میں اکثریت نامور محدثین کی ہے، وہ خود اعلیٰ پایہ کے محدث تھے، علم حدیث میں ان کی شان کا اندازہ امام احمد بن حنبل کے اس قول سے ہوتا ہے کہ هـو عـنـدی کسفیان الثوری یعنی میرے نزدیک وہ سفیان ثوری کی طرح (مرتبہ و منزلت میں) ہیں (۵)، امام احمد بن حنبل

---

(۱) تاریخ بغداد: خطیب ج۶ ص ۶۸ (۲) طبقات: شیرازی ص ۸۳ (۳) تاریخ بغداد: خطیب ج۶ ص ۶۸ (۴) طبقات: شیرازی ص ۸۳ (۵) طبقات: ابن ہدایہ ص ۶

نے ایک بار یہ بھی فرمایا کہ ابوثور کو حدیث وسنت سے جو تعلق ہے اس کو میں تقریباً چالیس سال سے جانتا ہوں (۱)، علم حدیث سے ان کے اس تعلق اور شغف کو دیکھنے کے بعد یہ بات کچھ زیادہ عجیب نہیں معلوم ہوتی کہ وہ امام محمد کے درسِ فقہ میں عرصۂ دراز تک شامل رہنے کے باوجود اچانک امام شافعی سے پہلی ہی ملاقات میں کیوں اس قدر متاثر ہوئے کہ فقہ حنفی کو بدعت قرار دے دیا، ان کا ایک قول ہے کہ:

فترکنا بدعتنا و اتبعناہ (۲) ہم نے اپنا مسلک بدعت ترک کردیا اور ان (امام شافعی) کے پیرو ہو گئے۔

اور بقول خطیب بغدادی رجع عن الرای الی الحدیث یعنی مسلک اہل رائے سے اہل حدیث کے مسلک کی طرف رجوع کیا، اس کے ساتھ ہی امام شافعی کی ذات جو علم و فضل اور حدیث وفقہ کی جامع تھی، وہ بھی ایک بڑا سبب بنی، امام شافعی کے حسن طریق اور حسن جمع کو دیکھ کر وہ شدت سے متاثر ہوئے (۳) اور ان سے ایسا تعلق قائم کیا کہ امام شافعی کے نامور ترین اصحاب میں ان کا شمار ہوا، امام ابوثور کے دوسرے اساتذہ بھی اساطین علم تھے، اس دور میں ایسی ہستیاں بھی موجود تھیں جو اسلام کی تاریخ علم وفضل کا سرمایہ ہیں، لیکن امام ابوثور نے ان سب کی موجودگی میں امام شافعی کی ذات کو نہایت عمدہ طریقہ پر یہ کہہ کر خراج عقیدت پیش کیا کہ امام شافعی کا نظیر ومثیل ہم نے تو کیا خود انھوں نے بھی نہیں دیکھا (۴)، یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ امام شافعی کے ان عراقی شاگردوں یعنی امام زعفرانی، امام کرابیسی اور امام ابوثور نے اپنے استاد کی جس قدر شاندار، طاقت ور اور والہانہ انداز میں مدح وتوصیف کی ہے، وہ امام شافعی کے مصری شاگردوں کے تعریفی کلمات سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام ربیع مرادی مصری نے ایک بار کہا کہ ہم لوگوں (اصحاب مصر) نے امام شافعی کی صحیح قدر نہ جانی تھی، یہاں تک کہ ہم نے اہل عراق کو دیکھا کہ وہ ان

---

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج۱ص ۲۲۸ (۲) تاریخ بغداد: خطیب ج۶ص ۶۸ (۳) تہذیب الاسماء: نووی ج۲ص ۲۰۱ (۴) ایضاً ص ۶۲

کا ایسا ذکر اور ایسا وصف بیان کرتے ہیں کہ ہم اتنی خوبی سے بیان نہیں کر سکتے۔(۱)

امام شافعی کی یاد: امام شافعی کے ساتھ گذری، اگلی صحبتوں کی یادوں کو وہ لطف لے کر بیان کرتے، فرماتے کہ جب امام شافعی کو یقین ہو گیا کہ میں واقعی ان کا شاگرد بن چکا ہوں تو ایک روز فرمایا کہ اے ابوثور اب اس سوال کا جواب سن لو، جس کے بارہ میں میں خاموش ہو گیا تھا، کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ تم سے لغزش ہو جاتی ہے لانك كنت متعنتا(۲) ایک بار ایک مجلس میں بہت سے لوگ موجود تھے، اس میں امام ابوثور نے ایک مسئلہ کے بارہ میں استفسار کیا تو امام شافعی نے فرمایا: یا ابا ثور الانیاس قبل الاسناس، ابوثور اس جملہ کا مطلب نہیں سمجھ سکے، امام شافعی نے فرمایا کہ انیاس اونٹنی کے تھن کو ہاتھوں سے صاف کرنے کو کہتے ہیں اور اسناس اس کے بعد اس سے دودھ دوہنے کو کہتے ہیں، اس کے بعد اسناس سے پہلے انیاس کا مطلب واضح ہو گیا۔(۳)

فقہی شان: حدیث کے فطری ذوق اور اس کی جانب میلان طبع کے باوجود وہ ایک باکمال فقیہ تھے، ان کی فقہی شان کم درجہ کی نہ تھی، درحقیقت وہ حدیث اور فقہ دونوں کے جامع تھے، ابتدا میں امام محمد سے کسب فیض اور فقہائے حنفیہ کے طرز استدلال سے واقفیت اور اس مکتب فکر سے ایک طویل تعلق کی بنا پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان پر فقہ کا رنگ زیادہ گہرا تھا، چنانچہ امام احمد بن حنبل سے ایک مرتبہ جب کسی مسئلہ کے متعلق استفسار کیا گیا تو انھوں نے سائل سے کہا کہ یہ مسئلہ میرے علاوہ کسی اور سے پوچھو، فقہا سے پوچھو، ابوثور سے دریافت کرو(۴)، امام نسائی فرماتے ہیں کہ امام ابوثور غلطیوں سے محفوظ اور ثقہ فقیہ ہیں(۵)، ابوعبداللہ حاکم کا قول ہے کہ امام ابوثور اپنے زمانہ میں اہل بغداد کے واحد مفتی و فقیہ تھے، ساتھ ہی ائمہ حدیث میں ان کا شمار ہوتا تھا(۶)، امام ابوزکریا محی الدین نووی نے امام ابوثور کو حدیث و فقہ کے علوم کا جامع قرار دیا ہے، انھوں نے یہ بھی کہا کہ امام ابوثور کی

(۱) تہذیب الاسماء: نووی ج۲ص۶۲ (۲) طبقات: شیرازی ص۸۳ (۳) الانتقاء: ابن عبدالبر ص۹۳ (۴) طبقات کبریٰ: سبکی ج۱ص۲۸۳ (۵) ایضاً (۶) ایضاً

امامت، جلالت، ثقاہت اور براعت پر سب بیک زبان متفق ہیں (۱)، سلیمان شاذکونی کہا کرتے تھے کہ امام شافعی کی رائے کو لکھ لو (قبول کرو) اور ابوثور کے پاس جاؤ، مسائل میں ان سے بھی رجوع کرو، اس لیے کہ ان کا مسلک وہی ہے جس کو ہم سب جانتے ہیں یعنی فقہ شافعی پر عمل اور اس کا تتبع (۲)۔

امام تقی الدین سبکی نے ایک ایسی مجلس میں ان کی ذہانت، قوت حفظ اور قوت استدلال کے واقعہ کو بیان کیا ہے جس میں یحییٰ بن معین، ابوخیثمہ اور خلف بن سالم جیسے نامور محدثین موجود تھے اور ایک خاتون کے استفسار کے جواب میں خاموش اور متردد تھے، امام ابوثور نے آتے ہی خوبی کے ساتھ مسئلہ کو حل کردیا اور ساری مجلس کی داد تحسین حاصل کی۔ (۳)

امام ابوثور کی فقہی و اجتہادی شان میں ان کے ماضی کا عکس صاف نظر آتا ہے، قیاس اور مسائل کے استنباط میں حنفی طرز فکر کا پرتو بہر حال ان پر اثر انداز ہوتا رہا، شاید اسی لیے ابوحاتم نے سخت الفاظ میں کہا ہے کہ وہ ایسے شخص ہیں جو قیاس سے کام لیتے ہیں، چنانچہ خطا وصواب دونوں ان سے سرزد ہوتے ہیں اور وہ متعنت (تنگی میں ڈالنے والے) ہیں، ان کا وہ مقام نہیں جو مسمعین حدیث کا ہے، ولیس محلہ محل المسمعین فی الحدیث (۴) امام سبکی نے حسب عادت ابوحاتم کے اس قول کو نقل کرنے کے معاً بعد اس پر گرفت کی اور صریح الفاظ میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ

(۱) تہذیب الاسماء: نووی ج۲ ص۲۰۰-۲۰۱ (۲) تاریخ بغداد: خطیب ج۶ ص۸۹ (۳) طبقات کبریٰ: سبکی ج۱ ص۲۸۳ (۴) امام سبکی کے خیال میں اصل عبارت میں مسمعین کے بجائے متسعین فی الحدیث یعنی مکثرین فی الحدیث ہے، کیوں کہ ابوثور کا شمار مکثرین فی الحدیث میں نہیں تھا، جب کہ ان کے زمانہ میں اور دوسرے حفاظ حدیث کی کثرت تھی، امام ذہبی نے المتسعین فی الحدیث کے الفاظ نقل کیے ہیں، انھوں نے بھی ابوحاتم کے اس قول کو غلو پر محمول کیا ہے، میزان الاعتدال ج۱ ص۱۵

ابن ابی حاتم (ابوحاتم) کا غلو ہے، مطلقاً قیاس پر یقین رکھنا یا عمل کرنا باعث ردوقدح نہیں ہے اور اس لیے ابوحاتم کا یہ قول ناقابل التفات ہے، امام ابوثور قطعاً اس کے محتاج نہیں کہ ان کی توثیق ابوحاتم کے ذریعہ ہو(۱)، جب کہ امام احمد بن حنبل نے ان کی جلالت شان اور علوئے مرتبت کی توثیق کی ہے(۲)، امام سبکی کی یہ صراحت بجا اور برحق ہے، امام احمد بن حنبل نے کئی بار یہ فرمایا کہ ابوثور کے بارے میں تو مجھے صرف خیر کا علم ہے، تاہم امام احمد بن حنبل یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھے ابوثور کی چند باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں (۳)، امام ابن عبدالبر کا قول ہے کہ ابوثور کی فکر ونظر صحیح اور خوب تھی، بجز چند شاذ مسائل کے جن میں وہ جمہور سے مختلف تھے۔(۴)

کیا امام ابوثور مجتہد تھے: یہ صحیح ہے کہ امام ابوثور نے صراحت کے ساتھ مسلک حنفی کو ترک کرنے اور امام شافعی کے مسلک کو قبول کرنے کی بات کہی ہے اور ان کا شمار ائمہ فقہاء شافعیہ میں کیا جاتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ کامل طور پر امام شافعی کی تقلید نہیں کرتے، کئی ایسے مسائل ہیں، جہاں ان کو کوئی زیادہ قوی دلیل ملتی ہے تو وہ امام شافعی کی رائے کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں، امام سبکی نے ان کے ذکر میں اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے، صرف ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ مسلک شافعی کے قائل اور آخر تک اس پر عامل رہے مگر ایک دوسرے اہم تذکرہ نگار امام یافعی مالکی نے قطعیت کے ساتھ کہا کہ ولم یقلد احدا (انھوں نے کسی کی تقلید نہیں کی)(۵) یہ بھی کہا گیا کہ ولہ مذھب مستقل ان کا خود ایک

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج۱ص۲۸۴ (۲) ایضاً (۳) امام احمد بن حنبل کو جو باتیں پسند نہیں آئیں، ان میں سے ایک کی وجہ فتنہ خلق قرآن بھی ہے، جس کے متعلق امام ابوثور کا نقطۂ نظر امام ابن حنبل سے قدرے مختلف تھا، یہی وجہ ہے کہ ابوثور عین آزمائشوں کے زمانہ شباب وشدت میں ابتلاء سے گویا کنارہ کش ہی رہے۔(۴) یہ چند شاذ مسائل بھی علم حدیث سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ فقہ سے حدیث میں ان شذوذ کے باوجود ان پر کسی نے مجروح ہونے کا الزام نہیں لگایا۔(۵) مرآۃ الجنان یافعی ج۲ص۱۲۹

جدا مسلک تھا، امام نووی نے بھی لکھ دیا کہ ابوثور صاحب مسلک مستقل تھے(۱)، ابن ندیم کا بھی یہی خیال ہے کہ ان کا اپنا ایک الگ مسلک تھا، گو اس مسلک کا بنیادی تعلق مسلک شافعی سے ہی تھا، اکثر آذربائیجانی اور آرمینی ان کے مسلک پر کاربند تھے(۲)، مگر بعد میں یہ مسلک اور اس کی پیروی ختم ہوگئی(۳)، انصاف کی بات یہ ہے کہ وہ مسلک شافعی کے ہی متبع تھے مگر ایک غیر معمولی علمی شان کے فطری تقاضہ کے زیر اثر ان میں اجتہادی شان بھی تھی، اس لیے جن مسائل میں وہ اپنے دلائل کو زیادہ قوی سمجھتے تھے، ان میں وہ امام شافعی سے اختلاف کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے، ان کے ان ہی تفردات کی وجہ سے یہ شبہ عام ہوا کہ وہ خود ایک صاحب مسلک فقیہ تھے لیکن ظاہر ہے یہ شبہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اصحاب شافعی اور کبار فقہا شافعیہ میں امام مزنی، امام بویطی، امام زعفرانی اور بعد میں ابوالقاسم انماطی، ابن سریج اور امام الحرمین وغیرہ بھی اپنے تفردات اور اختلافی رایوں کی وجہ سے ممتاز ہوئے مگر اس بنیاد پر ان کو مسلک شافعی سے منحرف قرار نہیں دیا گیا، یہ بات اور ہے کہ انماطی اور ابن سریج وغیرہ کے تفردات کو فقہ شافعی میں اعتماد اور اعتبار کا درجہ حاصل ہے، جب کہ امام ابوثور کے تفردات کو یہ اعتبار حاصل نہیں ہوسکا۔(۴)

ابن منذر، ابن جریر اور ساجی کا یہی خیال ہے، اعتبار اور اعتماد حاصل نہ ہوسکنے کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں، امام ابوثور کے تفردات، دلائل کے اعتبار سے کمزور نہیں ہیں بلکہ امام نووی کے الفاظ میں تو اکثر تفردات ایسے ہیں جن میں ان کا مسلک، مسلک شافعی سے زیادہ قوی نظر آتا ہے(۵)، بعض متشدد شافعیوں نے امام ابوثور کے مقابلہ میں دوسرے ایسے اصحاب کو زیادہ اہمیت دی ہے جو علم و فضل میں ان سے کہیں کمتر تھے، امام نووی نے اس رجحان پر سخت گرفت کی اور کہا کہ امام ابوثور حدیث و فقہ کے جامع اور چند ائمہ مجتہدین میں

---

(۱) تہذیب الاسماء: نووی ج۲ص۲۰۰-۲۰۱ (۲) فہرست ابن ندیم ص۲۹۷ (۳) تاریخ التشریع الاسلامی خضری ص۲۵۷ (۴) تہذیب الاسماء: نووی ج۲ص۲۰۰-۲۰۱ (۵) تہذیب الاسماء: نووی ج۲ص۲۰۰-۲۰۱

سے ہیں، ان کے احوال جمیل اوران کے مناقب جلیل ہیں اور محاسن بے شمار ہیں، وہ اس سے بے نیاز ہیں کہ اب ان کو شہرت کے سہارے دیے جائیں (۱)، بہر حال اس بحث میں سب سے عمدہ رائے یہ ہے کہ وہ صاحب اختیار فقیہ تھے، و له اختيار (۲)

وفات: سنہ وفات کے بارہ میں دو مختلف رائیں ہیں، ابن خلکان نے ان کا سن وفات ۲۴۶ھ ذکر کیا ہے جب کہ دوسرے تمام تذکرہ نگاروں نے ۲۴۰ھ کا ذکر کیا ہے، عبید بن محمد البز از جو امام ابوثور کے خاص شاگرد اور صاحب ابی ثور کہلاتے ہیں، ان کا قول ہے کہ امام ابوثور کا انتقال صفر ۲۴۰ھ میں ہوا، ستر برس عمر پائی، بغداد کے مقبرہ باب الکناس میں تدفین ہوئی، عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں ابوثور کے جنازہ سے واپس آیا تو مجھ سے والد صاحب نے دریافت کیا کہ کہاں سے آرہے ہو، میں نے کہا: ابوثور کے جنازہ سے، یہ سن کر امام احمد بن حنبل نے کہا کہ اللہ ان پر رحم کرے وہ واقعی فقیہ تھے (۳) ممکن ہے کہ امام احمد بن حنبل اپنے ضعف اور کبرسنی کی وجہ سے نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے ہوں کیوں کہ چند مہینوں کے بعد وہ بھی اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔

امام احمد بن حنبل کے ممدوح: امام احمد بن حنبل ان کا نہایت احترام کرتے تھے، ان کی تعظیم کو آتے تھے اور ان کا یہ جملہ تو بہت مشہور ہوا کہ میں ابوثور کو چالیس پچاس برس سے جانتا ہوں اور ان کے بارہ میں صرف خیر کا علم رکھتا ہوں، وہ میرے نزدیک سفیان ثوری جیسے ہیں، امام احمد بن حنبل کی یہ مدح شاید اس لیے بھی تھی کہ گو مسئلہ خلق قرآن میں امام ابوثور ان کے مکمل ہمنوا نہیں تھے، تاہم وہ اس فتنۂ خارزار میں اپنے دامن کو کمال احتیاط سے کانٹوں سے بچائے رکھنے میں کامیاب ہوئے، جب کہ ان کے دوسرے رفیق امام کرابیسی ان کانٹوں میں الجھ گئے، اسی بنا پر ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کلام کیا تو وہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہوئے، جب کہ امام ابوثور کا مقام پہلے سے بلند ہو گیا۔ (۴)

---

(۱) تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۲۰۰-۲۰۱ (۲) توالی التاسیس: عسقلانی ص ۳۹ (۳) تاریخ بغداد: خطیب بغدادی ج ۶ ص ۶۹ (۴) تاریخ التشریع الاسلامی: خضری ص ۲۵۹

تلامذہ: امام ابوثور کے اساتذہ کی طرح ان کے تلامذہ کی فہرست بھی ایک سلسلۂ زریں ہے، ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں امام مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، ابوحاتم رازی، ابوالقاسم لغوی، قاسم بن زکریا مطرز، محمد بن اسحاق السراج، ادریس بن عبدالکریم، ابن جنید اور عبید بن محمد البزاز صاحب ابی ثور جیسے نامور ائمہ فن ہیں اور یہ سب اپنے استاذ کی جلالت وثقاہت پر متفق ہیں۔

سرمایۂ معنوی: نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج امام ابوثور کی کسی تالیف یا رسالہ تک ہماری رسائی نہیں، صرف مراجع میں یہ ذکر ملتا ہے کہ ان کی علم الاحکام میں کئی مصنفات ہیں جن میں حدیث اور فقہ کی جامعیت عمدہ طریقہ پر موجود ہے(۱)، انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں، احادیث پر محنت کی (۲)، ان کی کئی کتابیں ہیں (۳)، جن میں انھوں نے اختلافی مسائل کا ذکر کر کے اپنے مختار قول کے حق میں دلائل پیش کیے ہیں، ان کی ایک کتاب امام مالک وشافعی کے اختلاف کے باب میں ہے، اس میں وہ اپنے مسلک کی بھی جابجا وضاحت کرتے جاتے ہیں، اس کتاب میں اور دیگر کتابوں میں اکثر جگہوں پر ان کا میلان امام شافعی کی جانب ہے (۴)، ابن ندیم نے لکھا ہے کہ امام شافعی کی کتاب المبسوط کی ترتیب پر ان کی بھی ایک مبسوط ہے، مگر افسوس کہ اب ان میں سے ایک بھی محفوظ موجود نہیں ہے۔(۵)

بعض مسائل وفوائد: امام ابوثور کے متعلق عبدری نے لکھا ہے کہ وہ دَین (قرض) پر وصیت کو مقدم سمجھتے تھے، جب کہ اجماع اس پر ہے کہ قرض مقدم ہے، گویا ان کی یہ رائے اجماع کے خلاف ہے اور یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے، اس لیے شارحین نے اس کی تاویلیں پیش کیں کہ یا تو ابوثور کو اجماع کا علم نہیں تھا یا پھر وہ اس اجماع کو خلاف اصل سمجھتے تھے یا پھر عبدری سے مروی یہ روایت ہی صحیح نہ ہو، کیوں کہ ابن منذر نے ابوثور سے ایک مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنے غلام کے بارے میں یہ وصیت کی کہ اگر یہ غلام اس

---

(۱) وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۵، صاحب کشف الظنون کو بھی ان میں سے کسی رسالہ کی خبر نہیں، (۲) تاریخ بغداد: خطیب ج ۶ ص ۶۹ (۳) طبقات: ابن ہدایہ ص ۶ (۴) الانتقاء: ابن عبدالبر ص ۱۰۷ (۵) الفہرست: ابن ندیم ص ۲۸۷

کے بیٹے سے جدا نہ ہو تو اسے آزاد کر دیا جائے اور وصیت کنندہ پر اتنا قرض ہے جو اس کے کل مال سے زیادہ ہے تو اس صورت میں یہ وصیت باطل ہو جائے گی اور اس غلام کو قرض کی ادائی کے لیے فروخت کر دیا جائے گا اور اگر ورثا اسے آزاد بھی کر دیں تو یہ آزادی جائز نہیں ہوگی، ظاہر ہے یہ قول عبدری کے منقول قول کے خلاف اور قول جمہور کے موافق ہے، اس لیے عبدری کے قول کا صحیح نہ ہونا ہی زیادہ قرین عقل معلوم ہوتا ہے، ایک مسئلہ نورانی نے نقل کیا ہے کہ ابوثور نے فرمایا کہ پانچ درہم سے کم کی چوری میں قطع ید کی سزا جاری نہ ہوگی، ان کا یہ قول ان کے اس دوسرے قول کے مشابہ ہے کہ مہر کی مقدار کم سے کم پانچ درہم ہے، ایک اور مسئلہ بیع وشرا کے باب میں وہ کہتے ہیں کہ عیب کی بنا پر رد کا اختیار صرف رضا سے نہ ہوگا، بلکہ اس کے لیے رضا بالکلام ضروری ہے اور گویا زبان سے فعلا اس کا اظہار شرط ہے، جمہور شوافع کا مسلک یہ ہے کہ رد بالعیب کا اختیار صرف علی الفور ہوگا، ابوثور سے یہ مسئلہ بھی منقول ہے کہ اگر دو آدمیوں نے سمت قبلہ میں اپنے اپنے ظن غالب سے کام لیا اور ایک نے دوسرے کی مخالف سمت رخ کیا تو اس صورت میں اپنی اپنی سمت پر قائم رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی اقتدا کر سکتا ہے جیسا کہ کعبہ کے گرد نماز پڑھتے ہوئے ہوتا ہے کہ ایک کی سمت دوسرے کے معارض ہوتی ہے، پھر بھی وہ اس کی اقتدا کرتا ہے، ایک اور مسئلہ میں امام ابوثور نے تیل اور گھی کو پانی کے حکم پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح دو قلے (قلہ: ایک پیمانہ) پانی میں نجاست خفیفہ غیر مغیرہ (یعنی اس قدر ہلکی نجاست جس سے رنگ، مزہ اور بو نہ بدلے) کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، اسی طرح تیل یا گھی اگر دو قلے ہو اور ان میں نجاست خفیفہ غیر مغیرہ گر جائے تو وہ بھی ناپاک نہیں ہوگا، حالاں کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ پانی کی حیثیت دوسری سیال چیزوں سے جدا ہے، دوسری سیال چیزیں دو قلے کیا کئی قلے ہوں تو بھی نجاست کے گر جانے سے وہ ناپاک ہو جائیں گی، کیوں کہ عام طور پر دوسری سیال چیزوں کو محفوظ رکھنا ممکن ہے جب کہ عادۃ پانی کے بارے میں ایسا نہیں ہے۔(۱)

امام ابوثور کے یہ تفردات ان کی ذہانت اور قوت استدلال کا مظہر ہیں۔

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۸۲

امام حرملہ بن یحییٰ تجیبی

نام ونسب: پورا نام ونسب اس طرح ہے، حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ بن حرملہ بن عمران بن قراد تجیبی زمیلی مصری ، صاحب اللباب نے حرملہ بن عمران کے بجائے حرملہ بن عمرو لکھا ہے(۱)، کنیت ابوعبداللہ اور ابوحفص ہے، تجیبی کی نسبت سے مشہور ہیں یہ نسبت قبیلہ تجیب سے ہے جو یمن میں عرب کا مشہور قبیلہ تھا، اس قبیلہ کے افراد جب مصر آئے تو ایک محلّہ ان کے نام سے آباد ہوگیا(۲)، سمعانی نے بجائے تجیبی کے نجیبی کی نسبت سے ان کا ذکر کیا ہے(۳) لیکن وہ تنہا ہیں جو اس روایت کو نقل کرتے ہیں ورنہ عام تذکرہ نگاروں نے تجیبی کی نسبت سے ہی ان کا ذکر کیا ہے، چنانچہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ تجیب ایک عورت کا نام تھا جس سے اس کی اولاد منسوب ہوئی، زمیل اسی عورت کا بیٹا تھا۔(۴)

امام حرملہ کے جدامجد حرملہ بن عمران کی کنیت بھی ابوحفص تھی ، ان کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے، یہ جلیل القدر محدث تھے، صاحب تہذیب التہذیب کے الفاظ میں یہ اولوالالباب (دانشوروں) میں سے تھے(۵)، ان سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن مبارک اور عبداللہ بن وہب، لیث اور خود ان کے بیٹے اور امام حرملہ کے دادا عبداللہ بھی تھے، اس طرح امام حرملہ نے ایسے خاندان میں نشو ونما پائی جو علم وفضل میں ممتاز تھا۔

سال پیدائش: امام حرملہ ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔(۶)

اساتذہ وشیوخ: امام شافعی کے علاوہ انھوں نے اپنے والد یحییٰ بن عبداللہ اور سوید رملی

---

(۱) اللباب ج ا ص ۱۶۹ (۲) تہذیب الاسماء، نووی ج ا ص ۱۵۶ (۳) ایضاً (۴) وفیات: ابن خلکان ج ا ص ۲۲۷ (۵) تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۲۹ (۶) طبقات کبریٰ، ج ۲ ص ۱۲۷

بشر بن بکر، موصل بن اسماعیل، ابوصالح عبدالغفار بن داؤد الحرانی، سعید بن مریم اور عبداللہ بن وہب وغیرہ سے روایت حدیث کی امام عبداللہ بن وہب قرشی مالکی جیسے جلیل القدر محدث سے روایت کرنے والوں میں وہ سب سے آگے ہیں، ابوعمرو کندی کے الفاظ میں وہ ابن وہب سے کتابت حدیث کرنے والوں محدثین میں سب سے برتر ہیں (۱)، ابن یونس صدفی کا قول ہے کہ وہ ابن وہب کی حدیثوں کے سب سے بڑے عالم تھے (۲)، محمد بن موسیٰ حضرمی کہتے ہیں کہ امام حرملہ کے پاس ابن وہب کی ساری حدیثیں موجود تھیں، صرف دو حدیثیں ان کے پاس نہیں تھیں، احمد بن صالح مصری کا بیان ہے کہ ابن وہب نے ایک لاکھ بیس ہزار حدیثوں کی جمع وتدوین کی ان میں سے نصف میرے پاس ہیں اور امام حرملہ کے پاس وہ سارا ذخیرہ موجود ہے (۳)، ایک دوسری روایت سے بھی اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ امام حرملہ کے پاس تقریباً ایک لاکھ احادیث کا مجموعہ تھا (۴)، اس طرح امام دوری کا قول تذکرہ نگاروں کی نگاہ میں مستند ہے کہ امام حرملہ ابن وہب کی حدیثوں کے سب سے بڑے حافظ وراوی تھے (۵)، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ وہ عبداللہ بن وہب کی عنایت خاص سے سرفراز تھے، ایک مرتبہ مصر کے عہدۂ قضا کو قبول کرنے کے لیے ابن وہب پر زور دیا گیا، وہ اس عہدہ کو پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ حکومت اور عوام دونوں کے اصرار سے بچنے کی خاطر وہ ڈیڑھ سال تک روپوش رہے اور روپوشی کا یہ پورا عرصہ انھوں نے امام حرملہ کے گھر پر گذارا، اسی لیے امام حرملہ کو ان سے حدیثوں کی سماعت روایت اور کتابت کا عمدہ موقع مل گیا، ابن وہب ان کو اپنے عزیز قریب کی طرح مانتے تھے، ایک بار امام حرملہ آشوب چشم میں مبتلا ہوئے، ابن وہب عیادت کے لیے تشریف لائے تو فرمایا: اے ابوحفص آشوب چشم کے مریض کی عیادت نہیں کی جاتی مگر میرے لیے تم گھر والوں کی ہی طرح ہو (۶)، اسی شفقت وعنایت کی وجہ سے ابن وہب نے امام حرملہ کو اپنی ساری حدیثوں کی

---

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۲ ص ۱۲۸ (۲) تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۰ (۳) طبقات: ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۱ (۴) تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۰ (۵) ایضاً (۶) طبقات کبریٰ، ج ۲ ص ۱۲۸

روایت کی اجازت دے دی تھی، جب کہ ان کے دوسرے شاگرد احمد بن صالح کو اس پورے مجموعہ سے صرف نصف حصہ کی روایت کی اجازت تھی، احمد بن صالح کو اس بات کا ہمیشہ احساس رہا، چنانچہ مصر میں جب کوئی طالب حدیث آتا اور پہلے امام حرملہ کے پاس جاتا تو پھر بعد میں احمد بن صالح اس کو اپنے حلقۂ رواۃ میں شامل نہیں کرتے تھے۔(۱)

حدیث میں ان کا مرتبہ: رجال حدیث کے بعض علما نے ان کے بارہ میں کلام کیا ہے، ابوحاتم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ حرملہ لایق حجت نہیں (۲)، لیکن ان کا یہ قول بے دلیل نقل کیا جاتا ہے، انصاف یہ ہے کہ جرح وتعدیل کے اصولوں پر وہ صحیح ہیں، چنانچہ امام ابن عدی نے کہا کہ میں نے حرملہ کی روایتوں میں نہایت غوروخوض سے کام لیا تو ان کی حدیثوں میں ایسا کوئی سقم یا عیب نہیں پایا جس کی وجہ سے ان کو ضعیف قرار دیا جائے، واقعہ یہ ہے کہ عبداللہ بن وہب جب ان کے گھر میں تقریباً ڈیڑھ برس روپوشی کی حالت میں مقیم رہے تو ان کی ساری حدیثوں کو روایت کرنے کا بہترین موقع امام حرملہ کو ملا، اس لیے دوسروں کو اگر بعض حدیثوں پر لاعلمی کی وجہ سے کوئی شبہ ہوتا ہے تو اس سے امام حرملہ کی صحت وثقاہت مجروح یا متاثر نہیں ہوسکتی، امام سبکی نے ابن عدی کے اس قول کو پسند کیا اور کہا کہ حق بات یہی ہے اور امام حرملہ ثقہ اور عادل ہیں (۳)، یہاں ابن عدی کا یہ بیان بھی پیشِ نظر رہے کہ میں نے عبداللہ فرہاذانی سے خواہش ظاہر کی کہ وہ امام حرملہ کی حدیثیں املا کرادیں تو انھوں نے کہا کہ بیٹے تم حرملہ کی حدیثوں سے کیسے عہدہ برآ ہوگے، حرملہ کا معاملہ بہت دشوار ہے یعنی ان کی اتنی کثرت سے حدیثیں ہیں کہ ان کو آسانی سے املا نہیں کرایا جاسکتا (۴)، ظاہر ہے کہ جب وہ ایک لاکھ سے زیادہ حدیثوں کے حافظ وراوی تھے تو ان میں بعض حدیثیں ایسی ہوسکتی ہیں جن کے بارہ میں کلام کیا جاسکتا ہے مگر صرف اس وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لایق حجت نہیں تھے، چنانچہ امام عسقلانی نے بھی امام سبکی کی

---

(۱) تہذیب: عسقلانی ج ۲ ص ۲۳۰ (۲) طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۲۸ (۳) ایضاً (۴) تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۰

طرح ان کو ثقہ اور عادل کے ساتھ صدوق قرار دیا ہے۔(۱)

امام شافعی سے تعلق: امام حرملہ کے علم حدیث سے خاص تعلق کی وجہ سے یہ بات عین قرین یقین ہے کہ جب امام شافعی مصر تشریف لائے تو وہ امام شافعی کے دامن علم وفضل سے وابستہ ہو گئے، امام حرملہ کے خاندان کی علمی وجاہت وشہرت کی وجہ سے یہ بھی قابل ذکر ہے کہ امام شافعی جب مصر تشریف لائے تو امام حرملہ کے مکان پر ہی قیام کیا۔(۲)

فقہ شافعی میں ان کا مقام: امام حرملہ کا شمار طبقۂ محدثین میں ہوتا ہے، وہ حافظ حدیث ہیں، ان کی جلالت شان کے لیے یہی بات کافی ہے کہ امام مسلم نے ان سے کثرت سے احادیث روایت کی ہیں (۳)، مگر امام شافعی سے تعلق اور فقہ میں ان سے استفادہ کی وجہ سے تذکرہ نگاروں نے ان کا فقہائے شافعیہ میں اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے، امام نووی کے الفاظ میں وہ فقہائے شافعیہ میں صاحب وجہ ہیں (۴)، انھوں نے فقہ شافعی میں بعض ایسے مسائل اور مباحث نقل کیے ہیں، جن کو امام ربیع مرادی نے بھی بیان نہیں کیا ہے، بعض رسالے ایسے ہیں جن کی امام شافعی سے سماعت میں وہ اور امام ربیع مرادی شریک ہیں مگر روایت میں امام حرملہ منفرد ہیں (۵)، اسی لیے ان کا ذکر اکابر فقہاء شافعیہ میں ناگزیر ہے، امام سبکی نے ان کو امام اور جلیل الشان کے الفاظ سے یاد کیا ہے (۶)، یہ صحیح ہے کہ بعض حضرات نے ان کی شخصیت کو امام شافعی کے اصحاب میں سب سے زیادہ مختلف فیہ قرار دیا ہے، لیکن انہی لوگوں کا یہ بھی اقرار ہے کہ ان کے اقوال سے اقتباسات بھی سب سے زیادہ لیے جاتے ہیں (۷)، ان کی شخصیت کے مختلف فیہ ہونے کے سلسلہ میں سب سے عمدہ رائے امام نووی کی ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ امام حرملہ کی زیادہ تر رائیں اور اجتہادات امام شافعی سے ہی منقول ہیں، بعض موقعوں پر وہ شوافع کے بنیادی اصولوں سے ہٹ کر اپنی

---

(۱) تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۰ (۲) الانتقاء: ابن عبدالبر ص ۱۰۹ (۳) تہذیب الاسماء: نووی (۴) ایضاً (۵) طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۳۱-۱۲۹ (۶) ایضاً (۷) وفات ج ۱ ص ۲۲۶، مرأۃ الجنان: یافعی ج ۲ ص ۱۴۳

رائے دیتے ہیں مگر اس سے وہ متنازعہ فیہ نہیں بنتے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے امام مزنی نے بعض موقعوں پر اپنی رائے اور اپنے اجتہاد کا اظہار کیا ہے، پھر بھی فقہ شافعی میں ان کی قدر و منزلت میں کوئی تنازعہ نہیں ہے۔(۱)

البتہ یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ فقہ شافعی میں متقدمین فقہائے شافعیہ کے نزدیک جو اعتبار امام مزنی اور امام ربیع مرادی کی روایتوں اور اقوال کو حاصل ہے، وہ امام حرملہ اور ربیع جیزی کی روایات کو حاصل نہیں ہے(۲) لیکن اس سے ان کی علمی شان میں کوئی کمی نہیں آتی اور تذکرہ نگار اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ جدید فقہ شافعی کے اکابر میں ان کا شمار ہوتا ہے، اس کی وجہ بھی صاف ہے کہ انھوں نے امام شافعی سے فقہ میں اسی طرح استفادہ کیا جس طرح حدیث میں امام عبداللہ بن وہب سے کیا۔

امام شافعی کے انتقال کے بعد جب عبدالعزیز بن عمران مصری امام حرملہ کے پاس گئے تو انھوں نے ان کے پاس امام شافعی کی ساری کتابیں دیکھیں جو تعداد میں ستر کے قریب تھیں، ان میں سے بعض رسالے ایسے بھی تھے جو امام شافعی کے اقوال پر مشتمل نہیں تھے لیکن وہ ان کے آراء وافکار کے مطابق تھے مثلاً حفص القرد کی کتاب الفرق بین السحر والنبوۃ وغیرہ، امام حرملہ نے ان کتابوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہی میرا سرمایہ ہیں، ان میں سے کچھ کتابوں کی تو میں نے خود سماعت کی ہے اور بعض کو اور طرح سے حاصل کیا ہے۔(۳)

انتقال: ان کا انتقال پنج شنبہ کے دن ۲۴ رشوال ۲۴۳ھ میں مصر میں ہوا، انتقال کے وقت عمر ۷۹ برس کی تھی، امام شافعی کے ساتھیوں میں وہ سب سے زیادہ معمر تھے(۴)، اس طرح سرزمین مصر نے اپنے سینہ میں حدیث وفقہ اور زہد وتقویٰ کی ایک اور بڑی ہستی کو سمولیا،

---

(۱) طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۳۱ (۲) تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۱۵۶ (۳) تہذیب: عسقلانی ج ۲ ص ۲۳۰ (۴) لیکن علامہ ابن عبدالبر نے سال وفات ۲۶۶ھ لکھا ہے، ایک روایت کے مطابق ۲۴۴ھ میں انتقال ہوا۔

مشہور مالکی عالم ابوعمرو اشہب بن عبدالعزیز نے ایک بار امام حرملہ کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ مسجد والوں میں سب سے بہتر ہیں۔(۱)

تلامذہ: ان سے کسبِ فیض کرنے والوں کا ایک زریں سلسلہ ہے، جس میں امام مسلم، امام ابن ماجہ، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، حسن بن سفیان جیسے عظیم الشان نام شامل ہیں امام نسائی نے بھی احمد بن ہیثم طرسوسی کے واسطہ سے ان کی روایتوں کو نقل کیا ہے۔

ان کے علاوہ ابودجانہ احمد بن ابراہیم، بقی بن مخلد، ابراہیم بن جنید وغیرہ کے نام بھی رواۃ کی فہرست میں ملتے ہیں۔

اولاد: میں کسی کا ذکر نہیں ملتا، نہ ہی خاندان کے دوسرے عزیز واقارب کے حالات سے کوئی سراغ ملتا ہے۔

کتابیں: ان کی مرتب کی ہوئی دو کتابوں کا ذکر اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، ان میں سے ایک کتاب المبسوط ہے اور دوسری کتاب المختصر ہے(۲)، ان کے علاوہ حرملہ نام سے بھی شاید ایک کتاب مشہور تھی جس میں انھوں نے امام شافعی کے آرا وافکار کو نقل کیا تھا، مہذب اور وسیط وغیرہ میں قال فی حرملہ اور نص فی حرملہ کے الفاظ اسی طرح نقل کیے گئے ہیں جیسے قال فی البخاری و جاء فی المسلم کے الفاظ ادا کیے جاتے ہیں(۳)، اسی طرح انھوں نے امام شافعی سے جو کتابیں یا رسالے روایت کیے ان میں کتاب الشروط تین اجزا میں، کتاب السنن ۱۰ حصوں میں اور کتاب الابل والغنم اور کتاب الشجاج وغیرہ ہیں، ان میں انھوں نے ایسے مباحث نقل کیے ہیں جن کو امام مزادی نے بھی نقل نہیں کیا تھا، افسوس یہ ہے کہ آج ہم کو صرف ان کتابوں کے ناموں کا علم ہے، کتابوں کے ضیاع کا جو المیہ ہماری تاریخ میں ہے اس میں مذکورہ کتابیں بھی شامل ہیں۔

روایات: البتہ امام سبکی نے ان کی چند باتوں کو نقل کیا ہے، ہم یہاں صرف ان کو ہی

(۱) طبقات: قاضی ابن شہبہ ج۱ص۱۱ (۲) وفیات الاعیان ج۱ص۲۲۷ (۳) تہذیب الاسماء واللغات: نووی ج۱ص۱۵۶

پیش کر سکتے ہیں۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ امام حرملہ نے امام شافعی سے بطریق امام مالک دو ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جو موطا امام مالک میں نہیں ہیں، ایک تو حدیث یہ ہے الحمی فیح جھنم فاطفؤھا بالماء اور دوسری حدیث یہ ہے: العجماء جرحھا جبار، و البئر جبار و المعدن جبار، ان کے علاوہ انھوں نے امام شافعی سے چند اقوال نقل کیے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سچ اور جھوٹ دونوں صورتوں میں میں نے کبھی خدا کی قسم نہیں کھائی، ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ائمہ عدل ہیں۔

ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے بعد قربت الٰہی کا سب سے اچھا ذریعہ طلب علم ہے۔

ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ امام شافعی فرماتے تھے کہ کسی کے لیے یہ کہنا مناسب نہیں کہ ماشاء اللّٰہ و شئت کہ اس میں دونوں فاعلوں کو جمع کر دیا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ماشاء اللّٰہ ثم شئت۔

ایک بار انھوں نے کہا کہ میں نے ابن عیینہ سے حدیث لیس منا من لم یتغن بالقرآن کی تشریح میں لم یتغن کے معنی یستغنی بہ کے سنے ہیں، اس پر امام شافعی نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو یتغانا کا لفظ استعمال ہوتا، یتغن کے معنی یتحزن و یترنم بہ (غم آگیں طرز کے ساتھ پڑھنا) کے ہوں گے، امام رافعی نے امام حرملہ سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی مشرک مسلمانوں کے امیر یا حاکم کو کوئی ہدیہ دے اور حالت حرب قائم ہو تو یہ ہدیہ مال غنیمت کے حکم میں ہوگا، اس کے برخلاف اگر وہ مشرک دارالاسلام سے چلے جانے کے پیشتر یہ ہدیہ پیش کرتا ہے تو وہ اسی کا ہوگا جس کو پیش کیا گیا ہے، یہاں یہ خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ بہر صورت وہ ہدیہ اسی شخص کا ہوگا جس کو وہ پیش کیا گیا ہے۔

امام حرملہ نے امام شافعی سے یہ دلچسپ قول بھی نقل کیا ہے کہ انبیاء کے سوا اہل عدالت میں سے جو یہ دعویٰ کرے کہ اس نے جن کو دیکھا ہے، ہم اس کی شہادت کو باطل قرار دیں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّہٗ یَرَاکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَاتَرَوْنَھُمْ۔	بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تم کو ایسے دیکھتا ہے جیسا تم ان کو نہیں دیکھتے۔

ایک مسئلہ میں امام حرملہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے کسی کے پاس کوئی ایسی چیز رہن رکھی جو اس شخص کے پاس ودیعت یا امانت کی شکل میں پہلے سے موجود تھی تو ایسی صورت میں قبضہ کی شرط کے اتمام کے لیے کسی مدت کے گزرنے کی شرط نہیں لگائی جا سکتی اور یہ عقد رہن لازم و نافذ ہو جائے گا۔

اسی طرح ان سے ایک مسئلہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص ماء طاہر اور ماء نجس پاتا ہے اور اسے طہارت کی ضرورت ہے تو وہ ماء طاہر سے وضو کرے گا اور ماء نجس کو پینے کے استعمال میں لائے گا، امام شاشی نے اس قول پر نکیر کی ہے، ان کا قول ہے کہ وہ پاک پانی کو تو پیے اور طہارت کے لیے تیمّم کرے۔

☆☆☆

امام کرابیسی

نام ونسبت: حسین بن علی بن یزید نام اور ابوعلی کنیت ہے، کرابیسی یا کرابسی کی نسبت اس لیے ہے کہ ایک خاص قسم کے کپڑے کرابیس کی وہ تجارت کرتے تھے۔(۱)

سنہ ولادت اور مقام پیدائش کا صراحت کے ساتھ کسی تذکرہ نگار نے ذکر نہیں کیا ہے لیکن نام کے ساتھ بغدادی نسبت معروف ہے(۲)، اس لیے یہ قرینِ قیاس ہے کہ پیدائش بغداد ہی میں ہوئی ہو۔

اساتذہ: خاندان اور ابتدائی تعلیم وتربیت کے بارہ میں بھی مورخین خاموش ہیں لیکن سماع حدیث میں جن حضرات سے استفادہ کیا ان میں شبابہ بن سوار، عمرو بن ہیثم، معن بن عیسیٰ، اسحاق بن یوسف، عبید طنافسی کے صاحبزادوں یعلیٰ ومحمد کے علاوہ یزید بن ہارون اور یعقوب بن ابراہیم جیسے ائمہ کبار شامل ہیں، مؤخرالذکر دونوں حضرات کے شاگردوں میں احمد بن حنبل، علی بن مدینی، ابوخیثمہ ابن ابی شیبہ، زعفرانی، یحییٰ بن معین اور محمد بن اسحاق صاغانی جیسی عظیم المرتبت ہستیوں کے نام موجود ہیں۔(۳)

نامور تلامذہ: امام کرابیسی کے شاگردوں اور راویوں میں عبید بن محمد خلف البزاز اور محمد بن علی فستقہ زیادہ نامور ہوئے۔

امام شافعی سے تعلق: امام کرابیسی ابتداءً حنفی تھے، بغداد کی سکونت اور وہاں حنفی مسلک کی مقبولیت کی وجہ سے انھوں نے فقہ حنفی میں جاذبیت محسوس کی اور وہ اس مسلک کے ایک بڑے فقیہ کی حیثیت سے نمایاں بھی ہوئے(۴) لیکن جب امام شافعی بغداد تشریف لائے

(۱) وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۲۵۸ (۲) ایضاً (۳) تاریخ بغداد ج ۱ ص ۶۴ (۴) ضحی الاسلام احمد امین ج ۲ ص ۲۲۲

اور انھوں نے ایک ایسے مکتب فقہ سے روشناس کیا جس میں حنفی اور مالکی مکاتب فقہ کا اک گونہ امتزاج تھا تو امام کرابیسی نے اس میں کشش محسوس کی، چنانچہ باقاعدہ امام شافعی کے درس میں شریک ہوئے۔

تفقه اولا علی مذهب اهل الرای ثم تفقه للشافعی (۱)	پہلے اہل رائے (احناف) کے مسلک کے مطابق علم فقہ کی تحصیل کی، اس کے بعد امام شافعی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

امام شافعی سے ان کا یہ ربط مضبوط ہوتا گیا، وہ کثرت سے ان کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے، یہاں تک کہ ان کی مجلسوں میں بار بار آنے کے لیے انھوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔

اشهرهم بانتیاب مجلسه (۲)	امام شافعی کی مجلس میں بار بار آنے والوں میں وہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

امام شافعی سے اس خاص تعلق کی وجہ سے ان کا رتبہ پہلے سے دو چند ہو گیا (۳) اور بغداد میں فقہ شافعی کے چار ممتاز ترین علماء میں ان کا شمار امام زعفرانی، امام احمد بن حنبل اور امام ابو ثور کے ساتھ ہونے لگا۔ (۴)

انھوں نے امام زعفرانی سے بھی امام شافعی کی بعض کتابوں کی اجازت لی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ انھوں نے امام شافعی سے عرض کیا کہ میں آپ کے سامنے کتابوں کی قرأت کروں گا، چوں کہ اس کام کے لیے امام زعفرانی پہلے سے مقرر تھے، اس لیے امام شافعی نے اس کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ زعفرانی کی کتابیں دیکھ لو میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں (۵) لیکن اس سے امام کرابیسی کی قدر و منزلت میں فرق نہیں آتا بلکہ

(۱) طبقات سبکی ج ۲ ص ۱۱۷، طبع جدید مطبعہ عیسیٰ العالی حلبی (۲) وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۲۵۸، تہذیب الاسماء میں اشہرھم باثبات مجلسہ کے الفاظ ہیں (۳) الانتقاء: ابن عبد البر ص ۱۰۶ (۴) ایضاً (۵) طبقات سبکی: ج ۲ ص ۱۱۸

ابوعاصم عبادی کے الفاظ تو یہ ہیں کہ عراق میں امام شافعی کے حلقۂ فیض سے امام کرابیسی سے بڑھ کر یا ان کے جیسا کوئی اور نہ نکلا۔(۱)

امام شافعی سے عقیدت: امام شافعی سے ان کو جو عقیدت تھی اس کی وجہ سے وہ ان کے بارہ میں کسی سہل انکاری یا غفلت اور بے احتیاطی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، ابوعبید نے فقہ میں ایک کتاب لکھی، امام کرابیسی نے کتاب کے کچھ حصوں کو دیکھا تو یہ محسوس کیا کہ ابوعبید نے امام شافعی کے دلائل اور اقوال کو اپنی جانب منسوب کر دیا اور امام شافعی کا کہیں ذکر تک نہیں کیا، اس بات سے امام کرابیسی سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ تم اپنی کتاب میں قال فلان قال محمد بن الحسن وغیرہ تو کہتے ہو اور امام شافعی کا ذکر نظر انداز کرتے ہو، حالاں کہ ان کی کتابوں سے ان کے دلائل تم نے سرقہ کیے، تم خود اچھے فقیہ بھی نہیں ہو، صرف ان کے راوی ہو، تم نے یہ کتاب کیسے لکھ دی۔(۲)

مرتبہ ومقام: سارے تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ وہ ایک جلیل القدر امام، فقہ وحدیث کے جامع، متکلم اہل سنت، نہایت ذی علم وفہم اور فقہ واصول فقہ، حدیث اور علم رجال میں ایک متبحر عالم تھے، نہایت محتاط، ثقہ، حافظ اور صدوق تھے۔(۳)

فتنۂ خلق قرآن: اپنی اس جلالت علمی کے باوجود وہ مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں اپنی ذاتی رائے کی شدت کی وجہ سے طعن وتعریض اور تنقید اور اعتراضات کا نشانہ بن گئے، ان کے بارہ میں یہ بھی کہا گیا کہ وہ غیر ثقہ ہیں، ان کے قول سے رجوع نہ کیا جائے گا، ان کی حدیث گراں گذرتی ہے، ان کا مسلک مسلک لفظیہ ہے وغیرہ (۴)۔

مسئلہ خلق قرآن کے فتنہ میں ایک طرف بہت سے علما ابتلا اور آزمائش سے دوچار ہوئے تو بعض علما اس مسئلہ میں خاموش رہے لیکن امام کرابیسی نے اس معاملہ میں جس

(۱) طبقات الشافعیہ: ابن شبہ ج۱ص۱۴ (۲) تہذیب التہذیب: عسقلانی ج۲ص۳۶۲
(۳) وفیات الاعیان، طبقات: سبکی، ابن شبہ، شیرازی، ابن ہدایہ وغیرہ (۴) لسان المیزان: ج۲ص۳۰۴

رائے کا اظہار کیا وہ امام احمد بن حنبل کے مسلک سے مختلف تھی اور اسی وجہ سے مخالفین نے ان پر سخت اعتراضات کیے، امام احمد بن حنبل سے ان کے تعلقات شروع میں خوشگوار تھے، لیکن بعد میں ہر دو جانب سے شکایتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔

ایک واقعہ: ایک بار امام کرابیسی سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کی رائے اس مسئلہ (خلق) قرآن میں کیا ہے، انھوں نے کہا کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے، پوچھنے والے نے پھر سوال کیا کہ قرآن کے جو الفاظ میری زبان سے ادا ہو رہے ہیں یہ کیا ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ تمہارا ان الفاظ کو ادا کرنا مخلوق ہے، اس کے بعد وہ شخص امام احمد بن حنبل کے پاس گیا اور اس واقعہ کو دہرایا، انھوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے، وہ شخص امام کرابیسی کے پاس دوبارہ آیا، اس وقت انھوں نے کہا کہ تمہارا قرآن کو اپنے الفاظ سے ادا کرنا غیر مخلوق ہے، گویا اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا، امام احمد کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ بھی بدعت ہے۔

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد امام سبکی لکھتے ہیں کہ امام احمد کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اس مسئلہ میں زیادہ غور و خوض کرنا اور بے ضرورت سوالات کرنا دراصل بدعت جیسا فعل شنیع ہے۔(۱)

امام سبکی نے تو اپنی رائے کا اظہار کر دیا لیکن خطیب بغدادی نے اس واقعہ میں چند اور باتیں بھی بیان کی ہیں مثلاً وہ سائل پھر امام کرابیسی کے پاس پہنچا اور ان سے امام احمد بن حنبل کی بات نقل کی، تب امام کرابیسی نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ ہماری دونوں رایوں پر وہ کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، کیا ہم اس بچہ کے قول پر عمل کریں۔

اس جملہ سے امام احمد اور ان کے اصحاب ناراض ہوئے اور بقول خطیب بغدادی امام کرابیسی کی عیب جوئی اور ان پر طعن و تشنیع کی وجہ دراصل یہی ہے۔(۲)

امام احمد بن حنبل کی ناراضی کی ایک اور روایت ملتی ہے، ابوجعفر موصلی نے امام صاحب سے کہا کہ میں موصل کا رہنے والا ہوں، ہمارے شہر کی بیشتر آبادی کا مسلک جہمیہ

(۱) طبقاتِ کبریٰ: ج ۲ص ۱۱۸ (۲) تاریخ بغداد: ج ۸ص ۶۵

عقائد کے مطابق ہے، اہل سنت تھوڑے ہیں، اب امام کرابیسی کا یہ قول ان میں زیر بحث ہے کہ میرا قرآن کہنا اور بولنا یہ فعل مخلوق ہے، یہ سن کر امام احمد نے فرمایا کہ ارے اس کرابیسی سے بچو، ان سے بات کرو نہ اس شخص سے بات کرو جو ان سے بات کرے، مسلسل کئی بار وہ یہی الفاظ دہراتے رہے پھر فرمایا کہ جو کرابیسی کا قول ہے وہی جہمیہ کا بھی قول ہے۔(۱)

امام احمد بن حنبل کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ بشر مریسی (مشہور متکلم) تو نہیں رہے لیکن حسین کرابیسی کو اپنا جانشین مقرر کر گئے (۲)، یہ بھی فرمایا کہ کرابیسی بدعتی ہیں، کسی نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ امام کرابیسی کہتے ہیں کہ ان کے اور آپ کے درمیان امام شافعی کی مجلس میں کوئی مناظرہ ہوا تھا، اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ میں کرابیسی کو حدیث اور غیر حدیث کسی فن میں تسلیم نہیں کرتا (۳)، بلکہ فرماتے کہ میں نے کرابیسی کو کبھی طلب حدیث میں مشغول نہیں دیکھا (۴)، بلکہ وہ تو یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے کرابیسی کو امام شافعی کی خدمت میں ہی نہیں دیکھا، ان کا قول تھا کہ کرابیسی دروغ گو ہیں (۵)، ان کے لیے ھتکہ اللہ کے الفاظ بھی امام احمد سے منقول ہیں (۶)، اسی طرح کے بعض اقوال امام ابوثور اور امام زعفرانی سے بھی منسوب ہیں کہ ان حضرات نے امام کرابیسی کی امام شافعی سے ملاقات اور تعلق کی تردید کی ہے۔(۷)

امام عسقلانی نے اور بھی سخت روایتیں نقل کی ہیں مثلاً جب یحییٰ بن معین کو یہ معلوم ہوا کہ امام کرابیسی کی رائے امام ابن حنبل کے بارہ میں درست نہیں ہے تو انھوں نے امام کرابیسی پر لعنت کی یہاں تک کہ یہ بھی قول نقل کیا گیا کہ ان کو مارنے اور سزا دینے کی ضرورت ہے مااحوجہ ان یضرب۔(۸)

ابن عبدالبر نے لکھا کہ امام احمد اور امام کرابیسی میں دوستی تھی مگر معاصرانہ چشمک

---

(۱) تاریخ بغداد: ج۸ص ۶۵ (۲) ایضاً (۳) لسان المیزان: ج۱ص ۳۰۵-۳۰۴

(۴) تہذیب التہذیب: عسقلانی ج۲ص ۳۶۲ (۵) ایضاً (۶) ایضاً (۷) ایضاً (۸) ایضاً

بھی ان کے تعلقات میں کارفرما تھی، مگر جب مسئلہ خلق قرآن میں امام کرابیسی نے امام ابن حنبل کی صریح مخالفت کی تو یہ چشمک عداوت میں بدل گئی۔(۱)

امام کرابیسی کے سوانح میں اس قسم کی باتوں کا وجود افسوس ناک ہے، تاہم یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ ایسی باتوں میں مسلکانہ عصبیت کا بھی اپنا رنگ ہوتا ہے، اس قسم کی روایتیں زیادہ تر اصحاب حنابلہ سے منقول ہیں، یہ حقیقت ہے کہ امام احمد سے امام کرابیسی کا مسئلہ خلق قرآن میں اختلاف تھا اور اسی وجہ سے ان کے بارہ میں امام احمد کی رائے اچھی نہیں رہی اور عام مسلمانوں میں امام احمد بن حنبل کی عظیم شخصیت کا جو اثر تھا، اس کے پیش نظر لوگوں نے امام کرابیسی سے اجتناب واحتراز کیا(۲) لیکن ہم ان روایات کو علمی لحاظ سے گراں سمجھتے ہیں کہ امام کرابیسی میں کبر تھا یا قلت عقل تھی یا یہ کہ وہ امام ابن حنبل میں فی نکالتے تھے(۳)، اس بارہ میں مستنصر اموی کی یہ رائے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ کرابیسی ثقہ تھے حافظ تھے لیکن اصحاب امام احمد بن حنبل نے ان پر الزامات لگائے، اس سے ناواقف اصحاب حدیث ان کے بارہ میں مشکوک ہوگئے۔(۴)

واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی الزام تراشیوں سے امام کرابیسی کا مرتبہ ومقام وہ نہیں رہا جس کے وہ واقعی مستحق تھے، محمد بن عبداللہ صیرفی شافعی کہتے تھے کہ امام کرابیسی اور امام ابوثور سے عبرت حاصل کرو، امام کرابیسی اپنے علم اور حفظ میں امام ابوثور سے کئی درجے آگے تھے، لیکن امام احمد نے ان کے بارہ میں کلام کیا تو وہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہوگئے اور امام ابوثور کی تعریف کی تو وہ مقبولیت میں بڑھ گئے(۵) لیکن خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ابوثور سنت سے اپنے خصوصی تعلق ولزوم کی وجہ سے آگے ہوگئے(۶)، ایک روایت میں یہ کہا گیا کہ امام کرابیسی ان لوگوں میں سے تھے جو فقہ اور حدیث دونوں کے جامع اور تصنیف وتالیف میں

---

(۱) تہذیب التہذیب: عسقلانی ج ۲ ص ۳۶۲ (۲) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۱۱۸ (۳) تاریخ بغداد: ج ۸ ص ۶۴ (۴) لسان المیزان: ج ۲ ص ۳۰۵ (۵) طبقات سبکی: ج ۲ ص ۱۱۸ (۶) تاریخ بغداد: ج ۸ ص ۶۴

نمایاں ہیں لیکن عقل کی کمی کے سبب انھیں ان کا مقام نہیں مل سکا(۱) لیکن قلت عقل کا یہ الزام انصاف کی نظر میں درست نہیں معلوم ہوتا، کیوں کہ خطیب بغدادی جیسے صاحب نظر ان کی تصانیف کے بارہ میں کہتے ہیں کہ فقہ اور اصول میں ان کی بہت سی کتابیں ہیں جو ان کے حسن فہم اور وسعت علم کو ظاہر کرتی ہیں(۲)، اصل بات یہ ہے کہ وہ محض ایک محدث وفقیہ ہی نہیں تھے علم کلام سے بھی ان کو دلچسپی تھی اور بقول امام سبکی وہ اہل سنت کے متکلمین میں اسی درجہ کے تھے جس درجہ کے وہ علم فقہ میں تھے(۳)، حتیٰ کہ علامہ ابن عبدالبر نے بھی یہ شہادت دی کہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے مناظر اور متکلم تھے(۴)، ان شہادتوں کی موجودگی میں ہم ابن حبان کی اس رائے کو کہ ان میں عقل کی کمی تھی، کس طرح قرین انصاف سمجھ سکتے ہیں۔

تصانیف: امام کرابیسی کی تصانیف کے بارہ میں ہمارے سب سے بڑے ماخذ طبقات الشافعیہ الکبریٰ کی شہادت یہ ہے کہ ان کی تصنیفات بہت ہیں(۵)، امام سبکی نے ایک کتاب کتاب المقالات کا ذکر کیا ہے، جس میں خوارج اور دوسرے نفس پرست فرقوں کا ذکر ہے، اس کتاب کے بارہ میں امام سبکی کہتے ہیں کہ یہ متکلمین کا مرجع تھی(۶)، اسی طرح شہادات کے مسائل پر ان کی تصنیف تھی، امام سبکی نے یہ کتاب خود اپنے ہاتھوں سے نقل کی تھی اور اپنے والد کے سامنے پیش کی تھی(۷)، امام عسقلانی لکھتے ہیں کہ فقہ اور اصول فقہ میں ان کی کتابوں کی تعداد بہت ہے، ان کی تصنیفات ان کے وسیع مطالعہ وفہم وادراک کا مظہر ہیں(۸)، تقریباً یہی الفاظ خطیب بغدادی کے بھی ہیں(۹)، امام ابن عبدالبر نے یہ کہتے ہوئے کہ وہ عالم مصنف تھے ان کی تصنیفات کی تعداد تقریباً دوسو تک بتائی ہے(۱۰)، ابن حبان نے بھی ان کے مصنف ہونے کا ذکر کیا ہے(۱۱)، ابواسحاق شیرازی کے قول کے

---

(۱) لسان المیزان: ج۲ص۳۰۵ (۲) تاریخ بغداد: ج۸ص۶۴ (۳) طبقات کبریٰ: ج۲ص۱۱۸
(۴) تہذیب التہذیب: ج۲ص۳۶۰ (۵) طبقات کبریٰ: ج۲ص۱۱۸ (۶) ایضاً (۷) ایضاً
(۸) تہذیب التہذیب: ج۲ص۳۶۰ (۹) تہذیب التہذیب: عسقلانی ج۲ص۳۶۰ (۱۰) ایضاً ص۳۶۰ (۱۱) ایضاً ص۳۶۱

مطابق اصول وفروع فقہ میں ان کی بہت سی کتابیں ہیں (١)، امام اسنوی نے ان کی ایک ضخیم کتاب کا ذکر کیا ہے، یہ اصل میں امام شافعی سے انکی روایت کی ہوئی کتاب ہے (٢)، قاضی ابن شہبہ نے ابو احمد عبداللہ بن عدی جرجانی کا قول نقل کیا ہے کہ ان کی بعض کتابوں میں ایسے مسائل کا ذکر ہے جن میں لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس کے علاوہ ابن عدی یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں عام حالات وواقعات کا ذکر بہت ہے۔ (٣)

اصول فقہ اور فروع فقہ کے علاوہ ان کی ایک اور کتاب الجرح والتعدیل کا نام بھی ملتا ہے (٤)، حدیث میں ایک کتاب کا ذکر کتاب المدلسین کے نام سے آتا ہے (٥)، کتاب الامامت کے نام سے بھی ایک کتاب ہے، احمد بن حسن کرخی جنھیں صاحب کرابیسی کی نسبت حاصل ہے، ان کے پاس امام کرابیسی کی کتابیں تھیں جو اختلاف حدیث پر تھیں (٦)، عسقلانی کہتے ہیں کہ میں ان کی ایک ضخیم کتاب کتاب القضا سے واقف ہوں، اس میں بہت سی حدیثیں، صحابہؓ کے اقوال مباحث اور فوائد جمع کیے گئے ہیں جن سے امام کرابیسی کے مطالعہ کی وسعت اور فقہ میں ان کی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ (٧)

مگر افسوس ہے کہ آج ہمارے علم ومطالعہ میں امام کرابیسی کی ان قیمتی کتابوں میں سے کوئی بھی نہیں ان کتابوں کے ناموں کا ذکر محض طبقات وتراجم کی کتابوں میں ہے اور بظاہر کوئی صورت ایسی نہیں ہے کہ ان گمشدہ نوادر کی بازیافت ہو سکے اور پھر امام کرابیسی کے افادات سے استفادہ کی راہیں ہموار ہوں۔

وفات: امام کرابیسی کے سال وفات میں اختلاف ہے، بعض روایتوں کے مطابق ٢٤٥ھ میں ان کا انتقال ہوا (٨)، مگر جن روایتوں میں ٢٤٨ھ کا ذکر ہے ان کو مؤرخین نے زیادہ درست تسلیم کیا ہے۔ (٩)

---

(١) طبقات الفقہاء: شیرازی ص ٨٣ (٢) طبقات الشافعیہ: اسنوی ص ١٣ (٣) طبقات الشافعیہ: ابن شہبہ ج ١ ص ١٤ (٤) اعلام: زرکلی ج ١ ص ٢٥٣ (٥) الفہرست: ابن ندیم ص ٢٦٥ (٦) لسان المیزان: ج ٢ ص ٣٠٤ (٧) ایضاً (٨) طبقات سبکی: ج ٢ ص ١٢٠ (٩) طبقات کبریٰ: ج ٢ ص ١٢٥

بعض اقوال: ان کے بعض اقوال امام سبکی نے نقل کیے ہیں جن سے ان کے ذوق و مزاج کا ہلکا سا اندازہ ہوتا ہے مثلاً ان سے یہ کہا گیا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت ام سلمہ کی تنہا شہادت قبول کی جو انھوں نے ایک معاملہ میں اپنے بھتیجے کے لیے دی تھی، اسی طرح زرارہ نے تنہا ابو مخلد کی شہادت قبول کی، قاضی شریح نے ابو اسحاق کی شہادت کافی سمجھی اسی طرح انھوں نے تنہا ابو قیس کی گواہی پر اعتبار کیا، اس طرح سائل شاید ایک شخص کی گواہی کے جواز کو ثابت کرنا چاہتا تھا، اس پر امام کرابیسی نے سختی سے کہا کہ اگر کوئی شخص ایک فرد کی شہادت کو جواز بخشتا ہے تو یہ غلط ہے، اس کے لیے توبہ کرنا ضروری ہے اور اگر یہ جواز کسی اہل علم کے ذریعہ ہے تو یہ اور مہلک ہے کیوں کہ عالم کی ایک لغزش سے اسلام کو نقصان پہنچ جاتا ہے جب کہ جاہل یا ناواقف کی ہزار لغزشیں اسلام کو گزند نہیں پہنچا سکتیں، امام کرابیسی نے قاضی شریح پر خاص طور سے اعتراض کیا کہ انھوں نے بعض فیصلے کیے ہیں ان پر نہ تو عام مسلمانوں کا عمل ہے نہ ہی وہ کتاب و سنت کی بنیاد پر ہیں۔ (۱)

ابو عاصم نے امام کرابیسی کا یہ قول نقل کیا کہ حدیث کو جب کوئی عالم محدث بیان کرے تو حدیث متواتر کی طرح وہ علم ظاہری و باطنی کو واجب کر دیتی ہے۔

وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ امام شافعی نے فرمایا کہ صرف قال الرسول کہنا مکروہ ہے، ہمیشہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا چاہیے تا کہ عظمت کا اظہار ہو۔

وہ امام شافعی سے یہ بھی نقل کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد لوگ حیران و پریشان تھے، تب انھوں نے آسمان کے نیچے حضرت ابو بکرؓ سے بہتر کسی کو نہیں پایا، اسی لیے لوگوں نے ان کو اپنا امیر بنایا، اس دلیل کے تحت امام کرابیسی کا یہ قول ہے کہ مفضول کی امامت جائز نہیں ہے۔

عبادی نے ان کا یہ فتوی بھی نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ انت طالق مثل الالف یعنی تجھ کو ہزار جیسی طلاق ہے تو اس سے تین طلاقیں پڑ جائیں گی، کیوں کہ کہنے

(۱) طبقات کبریٰ: ج۲، ص۱۲۵

والے نے عدد سے تشبیہ دی تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی مثل عدد نجوم السماء کہے تو تین طلاقیں ثابت ہو جاتی ہیں لیکن جب یہ کہا جائے کہ انت طالق مثل الالف یعنی الف پر لام معرفہ داخل کرے تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی، جب کہ اس نے کسی خاص چیز کی نیت نہ کی ہو، کیوں کہ اس نے صرف ایک بڑی چیز سے اس کو تشبیہ دی تو یہ ایسے ہی جیسے کوئی یہ کہے کہ انت طالق مثل الجبل اس میں صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

امام سبکی نے یہ چند باتیں نقل کردی ہیں اور ہم صرف انہی کی روشنی میں امام کرابیسی کے علم وتفقہ کی کچھ کرنیں دیکھ سکتے ہیں۔

☆☆☆

امام زعفرانی

امام شافعی کے بغدادی تلامذہ میں سب سے نمایاں اور ان کی فقہ قدیم کے سب سے بڑے راوی اور ہم عصروں اور ہمسروں میں سب سے ممتاز نام امام زعفرانی کا ہے، فقہ کے ساتھ فصاحت وزبان دانی میں بھی ان کا درجہ بلند تھا۔

نام ونسب: ان کا پورا نام حسن بن محمد بن صباح ہے، ابوعلی کنیت ہے، بغدادی اور زعفرانی دونوں نسبتوں سے مشہور ہیں، سنہ ولادت کا ذکر کہیں نہیں ملتا لیکن ایک اندازہ کے مطابق وہ ۱۷۵ھ یا اسی سے قریب تر سن میں پیدا ہوئے ہوں گے، کیوں کہ جب امام شافعی ۱۹۵ھ میں بغداد تشریف لائے تو خود امام زعفرانی کے بقول ان کے چہرہ پر ابھی خط سبزہ کا نمو بھی نہیں ہوا تھا (۱)، زعفرانی کی نسبت ایک گاؤں زعفرانیہ کی جانب ہے، اس نام کے دو گاؤں ہیں، ایک تو ہمدان سے چند میل کے فاصلہ پر ہے، جہاں کے ابوالعلا اور ابن شیبہ کے استاد ابومبرہ زعفرانی مشہور ہیں اور دوسری بستی بغداد کے جوار میں ہے، امام زعفرانی کا تعلق اسی گاؤں سے ہے (۲)، امام ذہبی کا خیال ہے کہ امام زعفرانی کی نسبت محلّہ زعفران سے ہے، لیکن امام سبکی اس کی تردید کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ امام زعفرانی حصول علم کی غرض سے بغداد آئے اور ایک محلّہ میں جو باب الشعیر سے کرخ تک پھیلا ہوا تھا قیام کیا، یہاں تک کہ وہ محلّہ، امام زعفرانی کی شہرت کے ساتھ ان سے منسوب ہو کر مشہور ہوا (۳)، اس باب میں قول فیصل، خود امام زعفرانی کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب امام شافعی کی مجلس میں پہلی بار

(۱) وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۹ (۲) معجم البلدان: یاقوت حموی ج ۴ ص ۳۹۰ و مرأۃ الجنان: یافعی ج ۲ ص ۱۷۱ (۳) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۵۰، تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ ص ۴۰۷

میں نے کتاب الرسالہ کی قرأت کی تو امام شافعی نے دریافت کیا، تم عرب کے کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو، میں نے عرض کیا کہ میں عرب نہیں ہوں، زعفرانیہ دیہات کا رہنے والا ایک دیہاتی ہوں، امام شافعی یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا، تب تو تم اس گاؤں کے گل سرسبد ہو۔(۱)

اساتذہ وشیوخ: امام زعفرانی کے اساتذہ وشیوخ میں جلیل القدر محدثین، فقہا اور اصحاب کمال کے اسمائے گرامی شامل ہیں مثلاً سفیان بن عیینہ، عبدہ بن حمید، عبدالوہاب ثقفی، وکیع بن جراح، ابن عطا، ابن علیہ، عفان بن مسلم، یحییٰ بن عباد، شبابہ بن سوار، سعید بن سلیمان واسطی اور یزید بن ہارون وغیرہ (۲) لیکن اس سلسلۃ الذہب میں سب سے زیادہ درخشاں شخصیت امام شافعی کی ہے، وہ ۱۹۵ھ میں بغداد تشریف لائے اور یہاں تقریباً دو برس قیام کیا، ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ اسی دور میں امام زعفرانی نے امام شافعی سے تقریباً تیس رسالوں پر مشتمل ان کی کتاب پڑھی اور اس کا املا کیا، بعد میں یہ رسالے کتاب البغدادی یا کتاب قدیم کے نام سے مشہور ہوئے (۳)، امام زعفرانی فرماتے ہیں کہ ہم امام شافعی کے رسالوں کو ایک ہی دن میں لکھتے اور پڑھتے تھے، اس وقت ہم ان کی اہمیت کے بارہ میں زیادہ سنجیدہ نہیں تھے اور نہ ہمارے سان وگمان میں یہ بات تھی کہ ایک دن ان کی اہمیت اس قدر زیادہ ہو جائے گی، امام زعفرانی کی نگاہوں میں یہ اہمیت اس لیے نہیں تھی کہ اس وقت تک وہ کوفیوں (حنفیوں) سے زیادہ مرعوب تھے (۴)، بہر حال دو برس میں انھوں نے امام شافعی سے اس درجہ فیض حاصل کیا اور علم فقہ میں اس قدر مہارت و کاملیت حاصل کی کہ امام شافعی کے مصر تشریف لے جانے کے بعد وہ عراق میں ان کے طرز اجتہاد اور طریق استنباط کے نمایاں ترین ترجمان ونمائندہ ہو گئے۔

---

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۵۰، تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ ص ۴۰۷ (۲) تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ ص ۴۰۷، طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۵۱ (۳) الانتقاء: ابن عبدالبر ص ۸۴ (۴) تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ ص ۴۰۸

امام شافعی سے تعلق: بغداد اس وقت حجاز و مصر کے برعکس حنفی مکتبِ فکر کا سب سے بڑا مرکز تھا اور یہاں کثرت سے علما اور طالبین علم، امام ابوحنیفہ کے علم و فقہ سے متاثر تھے، امام زعفرانی بھی ان طالب علموں میں تھے جو حنفی المسلک تھے لیکن شاید فطری میلان اور علم حدیث سے خاص شغف کی بنا پر جس کا اندازہ ان کے مذکورہ بالا اساتذہ کے ناموں سے ہوتا ہے، امام شافعی کی آمد کے موقع پر وہ ان کی خدمت میں سب سے پہلے پہنچے اور نو عمری کے باوجود اپنی ذہانت، لیاقت اور غیر معمولی فہم و ادراک کی وجہ سے امام شافعی کے مقرب خاص ہو گئے، بغداد میں امام شافعی کی مجلس میں شریک ہونے والوں میں امام احمد بن حنبل، امام ابوثور اور امام کرابیسی کی سی نامور ہستیاں تھیں، امام احمد بن حنبل تو امام شافعی کی مجلس کے مستقل شرکا میں سے تھے، امام زعفرانی فرماتے ہیں کہ میں جب بھی امام شافعی کی مجلس میں حاضر ہوا یا جب جب کچھ بھی پڑھا تو امام احمد بن حنبل کو موجود پایا (۱)، سب سے پہلی مرتبہ امام شافعی کی مجلس علم میں یہ سارے حضرات موجود تھے اور جب امام شافعی نے قرأت کتاب کے لیے دریافت کیا کہ تم لوگوں میں سے کون کتاب خوانی کرے گا؟ تو یہ حضرات باوجود اپنی وجاہت علمی کے خاموش رہے، امام شافعی کی جلالت شان، ان کے علمی دبدبہ اور بے مثل زبان دانی کے سامنے کتابوں کی قرأت یوں بھی آسان نہ تھی لیکن امام زعفرانی نے اس پر لبیک کہا، وہ کہتے ہیں کہ میرے علاوہ کسی نے یہ جرأت نہ کی، حالاں کہ میں سب سے نوعمر تھا اور میرے چہرہ پر ابھی خط سبزہ تک کا ظہور نہیں ہوا تھا (۲)، بعد میں اس واقعہ کو یاد کر کے وہ فرماتے کہ وانی لاتعجب من انطلاق لسانی و جسارتی بین یدیہ یعنی اب میں خود امام شافعی کے حضور اس جسارت لسانی پر تعجب کرتا ہوں، اس کے بعد وہ مستقل امام شافعی کی مجلس میں کتاب خواں ہو گئے، انھوں نے تقریباً تمام رسالوں کی قرأت کی، سوائے دو رسالوں کے یعنی کتاب المناسک اور کتاب الصلوٰۃ، ان دونوں رسالوں کو امام

---

(۱) طبقات: شیرازی ص ۸۲ (۲) تہذیب الاسماء: نووی ج ۱ ص ۱۶۰، تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ ص ۴۰۸،

شافعی نے خود ہی پڑھا، ابن حبان لکھتے ہیں کہ احمد بن حنبل اور ابوثور امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوتے لیکن قرأت کا امتیاز امام زعفرانی کو حاصل ہوتا (۱)، امام شافعی کو ان پر مکمل اعتماد تھا، ۱۹۸ھ میں جب وہ دوبارہ مصر تشریف لائے تو امام کرابیسی نے درخواست کی کہ وہ اپنی کتابوں کی اجازت ان کو دے دیں لیکن امام شافعی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ زعفرانی کی کتابیں لو اور ان کو لکھ لو، میں ان کتابوں کی اجازت تم کو دیتا ہوں (۲) لیکن امام زعفرانی کی جس صلاحیت نے امام شافعی کو سب سے زیادہ متاثر کیا تھا وہ ان کی عربی زبان میں مہارت وقدرت تھی، بغداد سے مصر تشریف لے جانے کے بعد بھی وہ اپنے اصحاب مصر کے سامنے امام زعفرانی کی اس صلاحیت کو مدح وستائش کے الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے، امام مزنی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے سامنے امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے بغداد میں ایک غیر عربی کو پایا جس کی زبان دانی اور سخن فہمی پر مجھے اتنا ہی اعتماد ہے، جتنا کسی عربی الاصل پر ہوسکتا ہے، بسا اوقات تو گمان یہ ہوتا کہ اصلاً عربی وہ ہے اور میں نبطی وعجمی ہوں، کسی نے دریافت کیا کہ حضرت! اس درجہ کامل وماہر شخص کون ہے؟ فرمایا: زعفرانی (۳)

جلالت علمی: بعد کے تذکرہ نگاروں نے بھی ان کو لغت کا امام (۴)، اپنے دور کا سب سے فصیح اللسان (۵) اور اہل زبان (۶) تسلیم کیا، اس کے ساتھ ہی ان کی منزلت علمی کا اعتراف بھی اعلیٰ الفاظ میں ہوا، امام سبکی ان کو امام جلیل، فقیہ، محدث، فصیح، بلیغ اور ثقہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، امام ماوردی کا قول ہے کہ قدیم فقہ شافعی کے چار اہم راوی، امام احمد بن حنبل، ابوثور، کرابیسی اور امام زعفرانی ہیں، ان میں زعفرانی کا شمار اثبت راوی کی حیثیت سے ہوتا ہے (۷)، امام یافعی مالکی ان کو ذہین ترین علما میں شمار کرتے ہیں، وہ ان کی حدیث وفقہ میں مہارت تام اور ان کی تصنیفات کا ذکر کرتے ہوئے، فقہ شافعی کی مقبولیت

---

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج ا ص ۲۵۰ (۲) الانتقاء: ابن عبدالبر ص ۱۷ (۳) طبقات کبریٰ: سبکی ج ا ص ۲۵۰ (۴) طبقات الشافعیہ: ابن ہدایہ (۵) اعلام: زرکلی ج ا ص ۲۳۸ (۶) تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ ص ۴۰۸ (۷) طبقات کبریٰ: سبکی ج ا ص ۲۵۱

میں ان کے اثرات کا اعتراف کرتے ہیں(۱)، امام نسائی ان کو ثقہ اور ابن المنادی احد الثقات قرار دیتے ہیں۔(۲)

ذکر شافعی: امام شافعی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی پر کشش اور جاذب قلب ونظر شخصیت عطا کی تھی کہ ان کے آستانۂ علم پر باریاب ہونے والے، طالب علم سے زیادہ ان کے عاشق و فدائی کی حیثیت رکھتے، یہ وصف ان کے ہر شاگرد کی سیرت میں کم وبیش مشترک نظر آتا ہے، امام زعفرانی کی مجلسوں میں بھی عام طور سے امام شافعی کا ذکر رہتا، وہ فرماتے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے جب امام شافعی کے بارہ میں اظہار رائے کی خواہش کی تو انھوں نے فرمایا: اگر جھوٹ بھی امام شافعی پر حملہ آور ہو تو امام شافعی کی شرافت نفس اس کو شکست دے دے گی (۳) وہ فرماتے کہ اصحاب حدیث، عالم خواب میں تھے، امام شافعی نے ان کو بیدار کر دیا اور اب جس کے ہاتھ میں بھی قرطاس وقلم کی دولت ہے، اس کی گردن پر امام شافعی کا احسان ہے۔(۴)

فتنۂ خلق قرآن: فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں ان کے ابتلا وآزمائش کا گو کوئی ذکر نہیں، تاہم بغداد میں جہاں ان کے ہم سبق امام احمد بن حنبل سخت شدائد ومحن کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور جہاں اہل کلام کے خلاف آواز بلند کرنا گویا آزمائشوں کو دعوت دینا تھا، امام زعفرانی اپنے موقف حق پر قائم رہے، وہ فرماتے کہ میں نے خود امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اہل کلام کے بارہ میں میرا یہ فیصلہ ہے کہ ان کو زدوکوب کیا جائے، اونٹوں پر بیٹھا کر ان کی تشہیر کی جائے اور کہا جائے کہ یہ سزا ہے تارکین کتاب وسنت کی (۵)، اس قول کی تقریر و تصویب سے گویا خود امام زعفرانی اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔

چند روایات: امام سبکی دیگر اصحاب شافعی کی طرح امام زعفرانی کے بھی سب سے بڑے سوانح نگاروں میں ہیں، انھوں نے امام زعفرانی سے امام شافعی کی مروی کئی تفسیری اور

---

(۱) مرآۃ الجنان: یافعی مالکی ج۲ص۱۸۲ (۲) طبقات کبریٰ: سبکی ج۱ص۲۵۱ (۳) تاریخ بغداد و طبقات کبریٰ بہ حوالہ بالا (۴) وفیات الاعیان: ابن خلکان ج۱ص۲۲۹ (۵) الانتقاء: ابن عبدالبر ص۸

حدیثی روایتوں اور مسائل کو نقل کیا ہے، آیت کریمہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ کی تفسیر تو یہ ہے کہ ایک آدمی بیک وقت مومن ومنافق، بدکار و نیکوکار نہیں ہو سکتا، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی وقت میں ایک عورت کو بیوی اور باندی اور ایک مرد کو ایک ہی وقت میں حقیقی اولاد اور متبنیٰ اولاد کا درجہ نہیں دیتا، یا یہ کہ منافقین حضورؐ کے بارہ میں کہتے تھے کہ آپ کے دو دل ہیں، ایک ہمارے ساتھ ہے اور دوسرا صحابہ کے ساتھ ہے، ان کے اس قول کی اللہ تعالیٰ تکذیب فرماتا ہے(۱)، لیکن امام زعفرانی، امام شافعی سے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ من قلبین سے مراد من الابوین ہے یعنی ایک بیٹا دو باپوں سے نہیں ہو سکتا، امام سبکی اس تشریح کی تحسین کرتے ہیں۔(۲)

امام زعفرانی سے ایک رافضی کے بارہ میں جو جنگ میں شریک ہوا تھا، یہ قول نقل کیا جاتا ہے کہ اس کو مال غنیمت میں سے کچھ نہ ملے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے ذکر کے بعد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (حشر۲)

اور وہ (مال غنیمت) ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان اگلوں کے بعد آتے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم کو اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے بغض نہ رکھ اے ہمارے رب تو بڑا مہربان اور رحیم ہے

سند حدیث: چوں کہ رافضی نہ اس کا قائل ہے اور نہ اس پر عامل، اس لیے وہ مال فے (غنیمت) کا مستحق بھی نہیں ہے(۳)، امام سبکی لکھتے ہیں کہ امام شافعی، عبداللہ بن مبارک اور حضرت انسؓ سے منقول یہ روایت کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتعوذ من البخل

(۱) مدارک التنزیل: نسفی ج۳ ص۲۲۴ (۲) طبقات کبریٰ: ج۱ ص۲۵۱ (۳) ایضاً

امام زعفرانی سے ہی مروی ہے، اس کے علاوہ شبابہ بن سوار حضرت معاویہؓ اور ابحر بکرادی اور حضرت منکدرؓ بن جابر کے سلسلوں سے کئی اور اہم روایتیں بھی امام زعفرانی سے مروی ہیں، ایک اور روایت امام زعفرانی سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں منقول ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے سات کنکریوں سے رمی جمار کیا اور اس طرح کھڑے ہوئے کہ کعبہ بائیں جانب اور عرفات دائیں جانب تھا، پھر آپ نے فرمایا(۱):

ھذا مقام الذی انزلت علیہ سورۃ البقرۃ۔	یہی وہ جگہ ہے جہاں سورہ بقرہ نازل کی گئی تھی۔

ان کے علاوہ عوالی کی بہت سی حدیثیں ایسی ہیں، جن میں سفیان بن عیینہ سے روایت کرنے میں وہ اور امام شافعی شریک سلسلہ ہیں(۲)، امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔(۳)

شعروسخن کا ذوق: امام زعفرانی کے روز و شب، حدیث وفقہ کی دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی میں گزرتے تھے لیکن اس کے ساتھ امام شافعی کے اثر صحبت اور زبان میں خود ان کی بے مثل مہارت کی وجہ سے شعروسخن کا ستھرا ذوق بھی ان کو ودیعت ہوا تھا، کبھی کبھی وہ خود بھی داد سخن دیتے، ان کے ایک شاگرد امام ابن مسروق ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار جب امام زعفرانی کی نشست جاری تھی، ان کے ہم عصر وہم درس اور ممتاز فقیہ ابوثور تشریف لائے، کچھ دیر تبادلہ خیال کے بعد جس میں کچھ نوک جھونک اور دلچسپ چوٹیں شامل تھیں، وہ واپس چلے گئے، ان کے جانے کے بعد امام زعفرانی نے فرمایا: لو چند شعر ہو گئے ہیں سنو، یہ کہہ کر مندرجہ ذیل اشعار سنائے(۴):

---

(۱) تاریخ بغداد: ج ۷ ص ۴۰۸-۴۰۷ (۲) توالی التاسیس عسقلانی: ص ۴۰ (۳) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۵۱ (۴) تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ ص ۴۰۶

اجدا بین المحبین جدال و قتال

فاذا ما عریا من ذاك فالحب محال

لا یطب حب اذا ما لم یکن فیه جدال

وامتناع من حبیب عنده عز الوصال

محبت کرنے والے دلوں میں چھیڑ چھاڑ، رضامندی و ناراضی رہتی ہی ہے، اگر ان میں یہ بات نہ ہو تو محبت دشوار ہے، محبت وہی اچھی ہے جس میں کچھ چوٹیں ہوں، چشمکیں ہوں، محبوب کے وصل کی لذت اس کے بغیر مشکل ہے۔

ان اشعار کی سلاست، برجستگی اور خیال کی شوخی سے امام زعفرانی کے حسن ذوق کی ترجمانی ہوتی ہے، اچھے اشعار کی داد وہ گنگنا کر دیتے تھے، ایک موقع پر وہ یہ اشعار گنگنا رہے تھے۔

لا والذی تسجد الجباہ له ما لی بما دون توبها خبر

ولا بفیها ولا هممت به ما کان الا الحدیث والنظر

خدا کی قسم مجھے اس کے بدن اور چہرہ کی خبر نہیں، مجھے تو یار کی دید و شنید سے مطلب ہے۔

ان اشعار کی شوخی نے شاید مجلس کے کسی زاہد خشک شریک کو حیرت میں ڈال دیا، وہ پوچھ بیٹھے کہ یا ابا علی ان هذا یغنی به، اے ابوعلی! کیا یہ اشعار گنگنانے کے لائق ہیں؟ امام زعفرانی نے فرمایا:

ثکلتك وهل یغنی الا بالشعر الجید۔ برا ہو! ارے نفیس شعر ہی تو پڑھے جاتے ہیں۔(۱)

وفات: تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب کی اس جامع و باکمال ہستی نے رمضان المبارک ۲۶۰ھ میں وفات پائی(۲)، سنہ وفات کے بارہ میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے، سمعانی کی روایت ہے کہ ربیع الآخر ۲۴۹ھ میں انتقال ہوا، ابن خلکان نے شعبان ۲۶۰ھ

---

(۱) تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ ص ۴۰۸ (۲) ایضاً طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۵۲

کا ذکر کیا ہے (۱)، ایک روایت کے مطابق شعبان کے آخری دن انتقال ہوا (۲)، عسقلانی سال وفات ۲۵۹ھ یا ۲۶۰ھ قرار دیتے ہیں لیکن راجح روایت اول الذکر ہی ہے کہ امام نووی بھی اسی کی تصدیق کرتے ہیں۔ (۳)

حسن صورت وسیرت: امام زعفرانی کو اللہ تعالیٰ نے سیرت کی پاکیزگی کے ساتھ بے نظیر حسن صورت کی نعمت سے نوازا تھا، ان کی خوش خوئی وخوش روئی کے بارے میں امام سبکی لکھتے ہیں:

لم یکن فی عصر الزعفرانی احسن صورة منه و انه لم یتکلم فیه احد لسوء۔	امام زعفرانی کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی اور خوبصورت نہیں تھا، نیز ان کے بارے میں کسی نے کوئی نازیبا بات نہیں کہی

اخلاق کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی کے باب میں امام احمد بن حنبل کی یہ رائے بھی قابل ذکر ہے جو انھوں نے اپنے برادر زادہ کو مخاطب کرتے ہوئے ظاہر کی تھی کہ ما بلغنی عنه بالخیر یعنی ان (امام زعفرانی) کے بارے میں تو مجھے خیر کی خبر ہی ملتی رہی۔ (۴)

تلامذہ: امام زعفرانی کی عظمت واقعی اور جلالت علمی کا اندازہ ان کے شاگردوں کی فہرست سے ہوتا ہے، جس میں امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ جیسے عظیم المرتبت محدثین شامل ہیں یعنی سوائے امام مسلم کے باقی سارے ائمہ صحاح ان کے سرچشمۂ علم سے فیضیاب ہوئے، ان حضرات کے علاوہ ابوالقاسم لغوی، ابن صاعد، زکریا ساجی، ابن خزیمہ، ابوعدانہ، محمد بن مخلد، ابوسعید بن الاعرابی، اسماعیل بن عباس، ابوعبید بن حربویہ اور محدثین و فقہا کا ایک پورا طبقہ ان کے سلسلۂ تلمذ میں نظر آتا ہے۔ (۵)

---

(۱) وفیات: ابن خلکان ج ۱ص ۲۲۶ (۲) تاریخ بغداد: ج ۷ص ۴۰۸ (۳) تہذیب الاسماء: نووی ج ۱ص ۶۰ (۴) تاریخ بغداد: خطیب ج ۷ص ۴۰۸ (۵) طبقات: سبکی، شیرازی، ابن ہدایہ، تاریخ بغداد، وفیات اور مرآۃ الجنان وغیرہ۔

یہ وہ حضرات ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی ذات کے لحاظ سے انجمن اور علم وعمل کی آبرو اور اپنے استاد وشیخ کی متاع ناز ہے، البتہ امام زعفرانی کی تصنیفات کا ذکر نہیں ملتا، وہ امام شافعی کے اقوال قدیم کے راوی ہیں اور امام شافعی کے مصر تشریف لے جانے کے بعد ان کے قدیم اقوال و آرا پر مشتمل ان کی فقہ کا بیشتر حصہ متروک ہو گیا، اس لیے امام زعفرانی کے املا کردہ رسالوں کے مقبول اور رائج ہونے کا امکان بھی زیادہ نہ رہا، انھوں نے امام شافعی سے بیس رسالوں پر مشتمل ایک کتاب پڑھی تھی، جس کا املا بھی کیا، یہ کتاب، کتاب البغدادی یا کتاب قدیم کے نام سے مشہور ہوئی (۱)، ابو عاصم کا قول ہے کہ کتاب عراقی یعنی کتاب الام کا حصہ قدیم امام زعفرانی سے ہی منسوب ہے (۲) لیکن اب یہ رسالے نایاب ہیں، امتداد زمانہ اور ردوقبول کے عمل کے نتیجہ میں اب صرف ان کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے، امام زعفرانی کے ایک قول سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ان کی چند کتابیں اور بھی تھیں ابو محمد بن بنت الشافعی انکا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ میری کتابوں میں کتاب وسنت کے مفاہیم کا مطالعہ کریں اور ان کو عام کریں، خواہ وہ ان کے معانی ومطالب کو مجھ سے منسوب کریں یا نہ کریں (۳)، ان کی یہ خواہش ان کے استاد امام شافعی کی خواہش کے عین مطابق ہے، امام شافعی نے اپنے مرض الموت میں تقریباً انہی الفاظ میں اپنی آرزو کا ذکر کیا تھا۔

☆☆☆

(۱) الانتقاء: ابن عبدالبر ص ۸۰ (۲) طبقات کبری: سبکی ج ۱ ص ۲۵۱ (۳) ایضاً

امام یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی

نام ونسب: یونس بن عبدالاعلیٰ بن موسیٰ نام ہے، ابوموسیٰ کنیت ہے، صدفی، مصری اور مقری (۱) بھی مذکور ہیں مگر شہرت صدفی کی نسبت سے پائی ہے۔

۲ رذی الحجہ (۲) ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے، جائے پیدائش کی صراحت نہیں ملتی، لیکن مصری نسبت کی وجہ سے قرین قیاس یہی ہے کہ وہ مصر میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ وشیوخ: خاندان کے حالات، تذکرہ نگاروں کی نظر سے مخفی رہے لیکن ان کے علمی خاندان کا ذکر موجود ہے، ان کے اساتذہ میں سفیان عیینہ، ابن وہب، ولید بن مسلم، معن بن عیسیٰ، ابوضمرہ انس بن عیاض (۳) جیسے نامور محدثین کے اسمائے گرامی شامل ہیں، ان کے علاوہ اسماعیل بن ابی فدیک، محمد بن عبید اور امام اشہب (۴) سے بھی کسب فیض کیا ابن وہب سے تو وہ بہت سی روایتوں کو نقل کرتے ہیں آخر میں امام شافعی کے دائرہ فضل وکمال میں شامل ہوئے اور حدیث وفقہ میں مہارت حاصل کی۔

حدیث وفقہ کے علاوہ امام صدفی نے قرأت وتجوید کے علم وفن میں بھی امتیاز حاصل کیا۔

تذکرہ نگاران کی اس خوبی کا ذکر خصوصیت سے کرتے ہیں، قرأۃ نافع انہی سے ماخوذ ہے، جس کو انھوں نے اپنے وقت کے تجوید کے امام ورش سے حاصل کیا تھا، امام ورش کے علاوہ سقلاب بن شیبہ، یعلی بن دحیہ، نافع اور علی بن اکبشہ اور قالون سے بھی علوم قرأت

(۱) مقری کی نسبت بخاریٰ کے مضافات کی ایک بستی سے ہے، جس کا دوسرا نام اودز ہے، اللباب ج اص ۷۴ (۲) توالی التاسیس ص ۱۴۱ (۳) طبقات کبریٰ: سبکی ج اص ۲۷۹ (۴) الانتقاء: ابن عبدالبر ص ۱۱۲

کی تحصیل کی (۱)، قرأت حمزہ بھی ان سے نقل کی گئی ہے۔ (۲)

تلامذہ ورواۃ: امام صدفی سے حدیث کی سماعت وروایت کرنے والوں میں امام مسلم، نسائی، ابن ماجہ، ابوعوانہ، ابوبکر بن زیاد نیشاپوری، ابوطاہر مدینی، ابوعبدالرحمٰن نیشاپوری جیسے جلیل القدر محدثین شامل ہیں، ان کے علاوہ ابن خلکان نے مواس بن سہل، محمد بن الربیع، اسامہ بن احمد، محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور محمد بن جریر الطبری کے نام بھی، ان کے شاگردوں کی فہرست میں شمار کیے ہیں (۳)، ان نمایاں حضرات کے علاوہ ایک بڑی تعداد نے حدیث، فقہ اور قرأت کے علوم کو ان کے سرچشمۂ فیض سے حاصل کیا۔

جلالت شان: امام صدفی کا شمار گو اساطین فقہائے شافعیہ میں نہیں کیا گیا لیکن ان کی جلالت شان کسی دوسرے ہم عصر فقیہ سے کم بھی نہیں، امام سبکی فرماتے ہیں کہ دیار مصر میں ریاست علم ان پر ختم تھی، انتھت الیہ ریاسۃ العلم بدیار مصر (۴)، ابن عبدالبر کے الفاظ میں وہ اہل فقہ وقرآن وحدیث میں جلیل القدر تھے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یونس بن عبدالاعلیٰ کے بارہ میں کسی نے کلام نہیں کیا، امام یحییٰ بن حسان فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے یہ یونس تو ارکان اسلام میں سے ہیں یونسکم ھذا من ارکان الاسلام، ابوعبداللہ قضاعی (خطط مصر) نے لکھا کہ وہ اپنے دور کے فاضل ترین شخص اور نہایت درجہ دانش مند وعاقل تھے، تقریباً انہی الفاظ میں صاحب حسن المحاضرہ نے اپنا تاثر ظاہر کیا کہ امام یونس صدفی پر ریاست علم اور کتاب وسنت میں علوئے اسناد ختم ہے، ابن خلکان لکھتے ہیں کہ علم حدیث میں احادیث کی صحت وسقم میں گویا ایک نشان راہ تھے اور اس فن میں اس درجہ صاحب کمال ومہارت تھے کہ کم از کم ان کے دور میں کوئی ان کا ہم سر وہم پلہ نہیں تھا (۵)، صاحب مرأۃ الجنان کے الفاظ میں وہ فقہائے قراء کے حلقہ میں سر مجلس تھے۔

---

(۱) وفیات: ابن خلکان ج ۳ ص ۵۴۸ (۲) و (۳) وفیات: ابن خلکان ج ۳ ص ۵۴۸، مرأۃ الجنان ج ۲ ص ۱۷۷، توالی التاسیس ص ۱۴۱ (۴) طبقات: سبکی ج ۱ ص ۲۷۹-۲۸۴ (۵) وفیات: ابن خلکان ج ۳ ص ۲۵۸

قاضی مصر محمد بن ابی اللیث بیان کرتے ہیں کہ جب قاضی بکار مصر کے والی مقرر ہوئے تو کسی صائب رائے سے مشورہ کیا کہ مصر میں ایسے حضرات سے باخبر کرو جو اپنی رائے اور مشورہ میں صائب اور صحیح ہوں، اس شخص نے کہا کہ مذکورہ صفات میں دو حضرات نہایت نمایاں ہیں، ان میں سے ایک یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی ہیں، جو اعلیٰ درجہ کے صاحب فہم وبصیرت ہیں(۱) لیکن امام صدفی کی سب سے زیادہ قابل رشک تعریف امام شافعی نے کی، انھوں نے فرمایا کہ میں نے مصر میں یونس بن عبدالاعلیٰ سے زیادہ اہل دانش کسی اور کو نہ دیکھا(۲)، مصر میں یونس بن عبدالاعلیٰ کے ہم عصر نامور ائمہ حدیث وفقہ کے ناموں کا اگر استحضار رہے تو امام شافعی کی یہ سند یونس بن عبدالاعلیٰ کی جلالت شان کو اعلیٰ و ارفع بلندیوں تک پہنچاتی ہے۔

تقویٰ ومتانت دین: امام صدفی کے تذکرہ میں ان کے علم وفقہ کے ساتھ تقویٰ، ورع اور متانت دین کے اوصاف کو بھی نمایاں حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے، ابن خلکان لکھتے ہیں کہ وہ کثیر الورع، متین الدین (بہت زیادہ تقویٰ اور متانت دین والے) تھے، صاحب مرأت الجنان کے الفاظ میں وہ متقی، صالح، عابد اور کبیر الشان تھے، جلال الدین سیوطی نے بھی ایسے ہی الفاظ سے ان کو یاد کیا ہے، امام عسقلانی نے عارف، عالم، متقی، فاضل، شریف اور عاقل کے الفاظ سے ان کا ذکر کیا ہے، ان کی ایک امتیازی صفت یہ بھی تھی کہ ان کا شمار ایسے چند لوگوں میں ہوتا تھا، جن کی گواہیاں حکام کے نزدیک معتبر اور قابل قبول تھیں وکان من جملة الذین یتعاطون الشهادة، اقام یشهد عند الحکام (۳)، شہادت کا یہ فریضہ وہ مصر میں ۶۰ برس تک انجام دیتے رہے، فقہ میں ان کو جو رتبہ حاصل تھا، علم حدیث میں بھی ان کا وہی مقام تھا، امام نسائی جو ان کے راوی ہیں ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں، امام ابوحاتم کے صاحبزادہ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ میں نے اپنے والد کو یونس بن عبدالاعلیٰ کی توثیق کرتے ہوئے سنا، وہ ان کی جلالت ومرتبت کا ذکر بڑی قدر کے ساتھ کرتے تھے۔(۴)

---

(۱) طبقات کبریٰ ج ۱ ص ۲۸۰ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) طبقات کبریٰ بہ حوالہ سابقہ

امام صدفی کی روایات حدیث میں کسی محدث نے کوئی کلام نہیں کیا، صرف مندرجہ ذیل حدیث کی امام شافعی سے روایت کرنے میں وہ منفرد ہیں۔

لا یزداد الامر الا شدۃ ولا الدنیا الا ادباراً ولا الناس الا شحاء ولا تقول الساعۃ الا علی شرار الناس، ولا مھدی الا عیسی بن مریم (۱)	امر (حکومت یا دنیا) میں شدت ہی بڑھے گی، دنیا پستی وادبار کی طرف بڑھتی رہے گی، لوگوں میں حرص و آز بڑھتا جائے گا، قیامت صرف برے لوگوں پر ہی قائم ہوگی اور مہدی ہی عیسیٰ بن مریم ہیں۔

اس روایت کو امام شافعی سے ان کے علاوہ اور کسی نے بیان نہیں کیا لیکن منفرد ہونے سے راوی کے ثقہ اور مثبت ہونے پر اثر نہیں ہوتا اور نہ یہ منفرد ہونا باعث قبیح ہے، اس پر بحث کرتے ہوئے امام ذہبی نے لکھا ہے کہ کتاب یونس میں بجائے حدثنا الشافعی کے حدثت عن الشافعی کے الفاظ ہیں، اس طرح بعد میں عن کا لفظ ساقط ہو گیا اور جس راوی نے امام شافعی سے اس روایت کو لے کر ان سے بیان کیا تھا، اس کا نام ساقط ہو گیا لیکن امام سبکی نے تصریح کی ہے کہ رواۃ نے بصراحت حدثنا الشافعی کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور انھوں نے ثبوت میں دو طریق سے اس روایت کو نقل کیا اس کے علاوہ اسی حدیث کو امام صدفی سے ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی، ابن ماجہ، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم، ابوبکر بن زیاد نے بھی روایت کیا اور یہ سب ائمہ حدیث ہیں۔

امام یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی کے مذکورہ حالات کی روشنی میں ان کے فقہی کمالات سے ہم کو واقف ہونا چاہیے تھا مگر افسوس ہے کہ تاریخ کے عدم اعتنا اور زمانہ اور حالات کی گردش نے ان کے چشمۂ فیض کے چند قطرے بھی ہمارے لیے نہیں چھوڑے، ان کی کسی کتاب تک ہماری رسائی نہیں، صرف ایک کتاب، کتاب یونس کے محض نام کا علم ہے، کسی بھی تذکرہ نگار نے ان کی کسی کتاب یا رسالہ سے واقفیت کا ذکر نہیں کیا، البتہ امام سبکی

(۱) طبقات کبریٰ: بہ حوالہ سابقہ

نے حسب معمول ان کے چند اقوال کو فوائد و مسائل کے نام سے نقل کیا ہے، مثلاً وہ امام شافعی کے اس قول کو بیان کرتے ہیں کہ اگر امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو علم حجازی (حدیث) نہ ہوتا، اسی طرح وہ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ جب امام مالک آئے تو ستاروں کے مالک ہو گئے اذاجاء مالك فمالك النجم، اسی طرح ابن عبدالبر نے کتاب العلم میں ان سے مروی، امام شافعی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ جب تم کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ اسم غیر مسمی یا اسم مسمی تو سمجھ لو کہ وہ اہل کلام سے ہے اور مذہب سے اس کو سروکار نہیں، یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ امام شافعی سے علم کلام اور اہل کلام کے بارہ میں ذم اور مدح دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں، حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب تبیین کذب المفتری میں ایسے تمام اقوال جمع کر دیے ہیں اور ظاہر ہے یہ رائیں زمانہ اور عہد کے ماحول کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

اسی طرح امام یونس نے امام شافعی سے ایک فقہی قضیہ نقل کیا ہے، جس میں حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ کا اختلاف ہوا تھا اور امام شافعی نے قیاس کو حضرت علیؓ کے حق میں قرار دیا تھا، اس قضیہ میں تین مسئلے تھے، ایک مسئلہ تو ایسی عورت کا تھا جس نے اپنے زمانہ عدت میں نکاح کیا اور اس دوسرے شوہر نے اس سے نکاح کا عمل قائم کیا، ایسی صورت میں اس شخص مذکور پر حضرت عمرؓ کے نزدیک وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی، اسی رائے کو امام مالک اور امام احمد نے بھی اپنے قول قدیم میں قبول کیا لیکن حضرت علیؓ کے نزدیک وہ عورت ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہوگی، ایسے ہی ایک مسئلہ اس عورت کا ہے جس کا شوہر مفقود الخبر ہے، حضرت عمرؓ کا قول یہ ہے کہ انتظار کی ایک مدت کے بعد وہ نکاح ثانی کر سکتی ہے لیکن حضرت علیؓ کا قول ہے کہ نہیں وہ ہمیشہ صبر اور انتظار کرے گی، اس لیے کہ اس پر یہ ابتلا ہے اور آفت و آزمائش میں صبر ہی کیا جاتا ہے اور تیسرا مسئلہ ایسی عورت کا تھا جس کو اس کے شوہر نے طلاق رجعی دی، عدت [illegible] رنے کے بعد اس عورت نے نکاح کر لیا، پھر طلاق دینے والا شوہر واپس آ گیا اور یہ بینہ (شہادت) قائم کیا کہ اس نے عورت سے عدت کی مدت [illegible] رنے

سے پہلے ہی مراجعت کرلی تھی، ایسی صورت میں حضرت عمرؓ کا قول یہ ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت کا زیادہ حقدار ہے لیکن حضرت علیؓ کا کہنا ہے کہ پہلا شوہر زیادہ حقدار ہے اور امام شافعی بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہیں۔

اسی طرح امام یونس یہ مسئلہ بھی نقل کرتے ہیں کہ اگر مسافر قصر کا انکار کرتے ہوئے کسی نماز کو پورا پڑھے تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہو جاتا ہے۔

امام شافعی سے وہ ایک دلچسپ واقعہ بھی نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی سے ایک شخص کا مناظرہ ہوا اور وہ شخص لاجواب ہوگیا، اس کے بعد امام شافعی نے فرمایا کہ اب تم میرے مسلک کو لے لو اور میں تمہارے مسلک کو اور پھر مناظرہ ہو جائے، چنانچہ مناظرہ ہوا اور امام شافعی نے اس کو پھر خاموش کر دیا، اس کے بعد امام شافعی نے امام یونس سے فرمایا کہ اسی کا نام صناعت ہے، امام یونس نے امام شافعی کی بعض تفسیری رایوں کا بھی ذکر کیا، مثلاً آیت وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ کے بارہ میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس حدیث سے منسوخ ہوگئی ہے۔

خذوا عنی خذوا عنی قد جعل اللّٰہ لھن سبیلا، علی البکر جلد مائہ و تغریب عام و علی الثیب الرجم	مجھ سے لو، مجھ سے لو، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راہ نکالی ہے، باکرہ پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور غیر باکرہ پر رجم ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فقہ شافعی میں آیات قرآن کے احکام کو حدیث کے ذریعہ سے منسوخ کیا جا سکتا ہے، ایک شخص نے امام یونس سے حدیث اقروا الطیر علی مکناتھا کے معنی دریافت کیے، انھوں نے فرمایا کہ اللہ حق بات کو پسند کرتا ہے، امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کسی شخص کو کوئی اہم ضرورت پیش آتی تو بطور استخارہ وہ کسی چڑیا پرندہ کے گھونسلہ کے پاس جاتا اور چڑیا پرندہ کو ہنکاتا اگر وہ پرندہ دائیں جانب اڑتا تو وہ اپنی اس ضرورت کے لیے نکل جاتا لیکن اگر پرندہ بائیں طرف اڑتا تو پھر وہ

شخص اس کام کے کرنے سے باز رہتا، حضورؐ نے اس عمل سے منع فرمایا اور فرمایا کہ پرندہ کو اپنے گھونسلہ میں رہنے دو۔

ایک مسئلہ امام یونس نے امام شافعی سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں جو نماز کی حالت میں ہے اور ایک شخص نماز کی حالت میں نہیں ہے، اس کو چھینک آتی ہے، وہ الحمدللہ کہتا ہے اس پر مصلی رحمك اللہ کہتا ہے؟ امام شافعی نے فرمایا کہ نماز منقطع نہیں ہوگی، اس پر امام یونس نے کہا کہ کیسے، حالاں کہ یہ جملہ تو کلام کے حکم میں ہے، امام شافعی نے جواب دیا: اس مصلی نے اصل میں دعا دی ہے اور حضورؐ نے نماز کی حالت میں لوگوں کے لیے دعا کی ہے، اس لیے یہ نماز نہیں ٹوٹے گی۔

ایک مرتبہ امام شافعی دو شخصوں کو آپس میں ایک دوسرے کو سخت سست کہتے ہوئے سن رہے تھے، کچھ دیر کے بعد امام شافعی نے فرمایا کہ تم ہر شخص کو خوش نہیں رکھ سکتے، اس لیے اپنا اور خدا کا معاملہ درست رکھو اور سارے لوگوں کی پرواہ نہ کرو۔ (۱)

ایک موقع پر وہ فرماتے ہیں کہ ہم امام شافعی کی مجلس میں تھے، امام صاحب نے فرمایا کہ جو چیز کسی زندہ کے جسم سے الگ کی جائے وہ مردہ کے حکم میں ہے، یہ سن کر ایک کم سن لڑکا کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ حضرت بال اور اون جو زندہ سے الگ کیے جاتے ہیں وہ تو پاک ہیں اس پر امام شافعی نے جواب دیا کہ میرے قول کا مطلب آدمیوں سے تھا نہ کہ چوپایوں سے۔

امام یونس بن عبدالاعلیٰ سے ایک دلچسپ قول اور نقل کیا جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عبید اللہ بن الحسن بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھیں، وہی امام شافعی کو لے کر یمن گئی تھیں اور انہی نے ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری لی تھی، امام یونس بن عبدالاعلیٰ کہا کرتے تھے کہ میں کسی ہاشمی کو نہیں جانتا جس کو کسی ہاشمیہ نے جنم دیا ہو، سوائے حضرت علی بن ابی طالبؓ اور امام شافعیؒ کے۔

(۱) طبقات کبریٰ: بحوالہ سابقہ

لیکن امام یونس کے اس قول سے ماہرین انساب میں ایک نئی بحث شروع ہوگئی کہ امام شافعی کی والدہ واقعی ہاشمیہ تھیں یا قبیلہ ازد یا اسد سے تھیں، جن کا نام تو متعین نہیں لیکن جن کی کنیت ام حبیبہ تھی، امام شافعی کا ایک یہ بھی قول ہے کہ امی من الازد یعنی میری ماں قبیلہ ازد سے ہیں، علما نے اس قضیہ پر اپنے اپنے انداز سے روشنی ڈالی ہے، اکثر کا میلان جن میں امام سبکی بھی شامل ہیں، اس جانب ہے کہ ان کی والدہ ہاشمیہ تھیں لیکن دونوں فریقوں کے دلائل کو نقل کرنے کے بعد امام سبکی کا یہ قول سب سے بہتر ہے کہ واللّٰہ اعلم ای الامرین اثبت کہ اللہ کو ہی خوب علم ہے کہ کون سا معاملہ زیادہ صحیح ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ امام شافعی سے امام یونس بن عبدالاعلیٰ کی محبت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

وفات: ان کا انتقال ربیع الثانی ۲۶۴ھ میں مصر میں ہوا، یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی ساری زندگی سرزمین مصر میں ہی گذری، کیوں کہ ایک بار امام شافعی نے ان سے پوچھا کہ کیا کبھی بغداد گئے ہو، انھوں نے جواب دیا: نہیں، تو فرمایا: تب تم نے نہ دنیا دیکھی نہ لوگ، درحقیقت ان کی ذاتی بے نفسی، تقویٰ، عبادت اور دنیا سے زہد کی کیفیت نے ان کو شاید اسفار سے دور رکھا اور وہ صرف سفر آخرت کے لیے روانہ ہوئے، قرافہ میں تدفین ہوئی۔

اولاد معنوی کی طرح اولاد ظاہری کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا، البتہ ایک پوتے حافظ امام ابوسعید عبدالرحمٰن بن احمد کا ذکر کتابوں میں اہتمام سے ملتا ہے، یہ علوم تاریخ و ایام میں بڑے نامور ہوئے، ان کی تاریخ مصر بقول جلال الدین سیوطی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

☆☆☆

امام مزنیؒ

نام ونسب: اسماعیل بن یحییٰ نام، ابوابراہیم کنیت، عرب کے مردم خیز قبیلہ مزنیہ تمیم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں، یہ نامور قبیلہ عثمان اوراوس دو بھائیوں کی اولاد پر مشتمل ہے، مزنیہ بنت کلب ان کی والدہ تھیں۔(۱)

صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن مغفلؓ، حضرت معقلؓ، حضرت نعمان بن مقرنؓ وغیرہ اسی قبیلہ کے نامور فرزند ہیں(۲)، صاحب تاج العروس نے مشہور شاعر کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی کو اسی قبیلہ میں شمار کیا ہے، تابعین میں معاویہ بن قرہ، بکر بن عبداللہ اور خالد بن عبداللہ طحاوی جیسے جلیل القدر حضرات بھی قبیلہ مزنیہ کی طرف منسوب ہیں(۳)، مزنی کے ذکر میں علامہ ذہبی نے اس نسبت کی ایک اور توجیہ کی ہے، ان کا بیان ہے کہ سمرقند کا ایک قریہ مُزن یامُزنہ کے نام سے مشہور ہے، محدث شہیر احمد بن ابراہیم مزنی اور دوسرے مشاہیر اسی قریہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس نسبت کے لوگ (بسکون زا) مزنی کہلاتے ہیں(۴)، اور قبیلہ مزنیہ سے تعلق رکھنے والے (بفتح زا) مزنی کہلاتے ہیں، بہرحال امام مزنی جن کے حالات ہم بیان کررہے ہیں وہ قبیلہ مزنیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور مزنی کہلاتے ہیں۔

پیدائش: امام مزنی ۱۷۵ھ میں مصر میں پیدا ہوئے، سارے سوانح نگار اس سنہ پر متفق ہیں(۱) لیکن علامہ سبکی نے ربیع مرادی (امام مزنی کے رضاعی بھائی) کے حالات میں امام

(۱) الانساب: سمعانی ج۲ص ۵۲۷ (۲) اللباب فی الانساب: ابن اثیر ج۳ص ۱۳۲ (۳) المغنی پٹنی ص ۷۷ (۴) تاریخ اسلام: ذہبی ج۲ص ۴۴ (۵) طبقات: ابن ہدایہ ص ۵، سبکی ج۱ص ۲۳۸، ابن شہبہ: قلمی ص۳۰۲، موجود خدابخش لائبریری پٹنہ، توالی التاسیس ص ۱۴۱ وغیرہ

طحاوی کی رائے کسی قدر مختلف نقل کی ہے، ان کا بیان ہے کہ بحر بن نصر، ربیع مرادی اور مزنی تینوں ایک ہی سنہ یعنی ۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے، طحاوی امام مزنی کے بھانجے ہیں، اس لیے ان کے بیان کو اہمیت دی جانی چاہیے مگر دوسرے مورخین کا کیا ذکر خود سبکی نے بھی اس پر زور نہیں دیا اور سرسری طور پر ذکر کر دیا، اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ روایت زیادہ قوی نہیں ہے اور عام سوانح نگاروں ہی کا بیان صحیح ہے۔

نشو ونما: امام مزنی کی نشو ونما اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے، ان کے خاندانی حالات بھی پردۂ خفا میں ہیں، والد کے مشاغل کا بھی کتابوں میں کوئی تذکرہ نہیں ہے، صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مصر کے رہنے والے تھے، مصر پورے ملک کو بھی کہتے تھے اور یہ اس شہر کا نام بھی تھا، جو فسطاط کے قریب تھا، اسلامی فتوحات سے پہلے اسے بڑی مرکزیت حاصل تھی، فاطمیوں کے زمانہ میں قاہرہ آباد ہوا اور وہ مصر کا دارالسلطنت قرار پایا اور ایسی ترقی کی کہ پھر کوئی دوسرا شہر اس کا ہمسر نہ رہا، مصر و فسطاط اب بھی تاریخی اہمیت رکھتے ہیں، مزنی کے زمانہ میں مصر بہت بارونق تھا اور تفسیر و حدیث اور فقہ و کلام کے بڑے بڑے ائمہ یہاں مقیم تھے اور تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف اور بحث و نظر کے مستقل حلقے قائم تھے، اور حدیث کی طرف خاص توجہ تھی۔

امام لیث بن سعد، نعیم بن حماد، مفضل بن فضالہ، حیوہ بن شریح، یحییٰ بن ایوب اور عمرو بن حارث جیسے اکابر ائمہ حدیث یہاں موجود تھے اور ان کی وجہ سے یہ علاقہ طالبان علوم حدیث کی خصوصی توجہ کا مرکز تھا(۱)، اس ماحول میں امام مزنی نے شعور کی آنکھیں کھولیں، اللہ تعالیٰ نے حفظ و ذہانت سے خوب نوازا تھا، تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اہل علم کی توجہ کا مرکز بن گئے، یوں تو اکثر ائمہ حدیث سے انھوں نے اکتساب فیض کیا لیکن نعیم بن حماد سے زیادہ مناسبت تھی، نعیم بن حماد کے علمی کمال اور جلالت شان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ امام ترمذی، دارمی اور امام بخاری کے راوی ہیں، وہ اصحاب رائے کے طرز عمل کو پسند نہیں

(۱) خطط: مقریزی ص ۱۴۵

کرتے تھے اور قیاس ورائے کے بجائے صرف حدیث کے الفاظ کو پیش نظر رکھتے تھے، اس بنا پر محدثین کے حلقہ میں ان کی بڑی عزت تھی، ان کی صحبت میں مزنی کو اصحاب حدیث سے بڑا تعلق پیدا ہوا، نعیم بن حماد کے علاوہ امام مزنی نے علی بن معبد العبدی سے بھی سماعت حدیث کی، ان کا شمار بھی اہم محدثین میں ہوتا ہے، علی بن معبد کے اساتذہ میں مالک بن انس، خالد بن حبان، سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن مبارک اور تلامذہ میں امام مزنی کے علاوہ اسحاق بن منصور بن معین اور محمد بن اسحاق صنعانی کی سی عظیم المرتبت ہستیوں کے نام آتے ہیں، امام مزنی نے اپنی کتاب مختصر المزنی کے باب الاضحیہ میں ان کا ذکر کیا ہے لیکن امام نووی کا خیال ہے کہ یہ ان کے ہم نام علی بن معبد الصغیر ہیں۔(۱)

مصر میں امام شافعی کی آمد: سماعت حدیث کا سلسلہ جاری تھا اور امام مزنی کبار محدثین سے استفادہ کر رہے تھے کہ امام شافعی کی مصر میں آمد کا غلغلہ بلند ہوا، مصر میں امام شافعی کی یہ تشریف آوری اس وقت ہوئی جب ان کی شہرت کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ چکا تھا، وہ یمن، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور عراق سے گذر کر یہاں پہنچے تھے، وہ امام مالک کی خدمت میں بھی رہے تھے اور امام محمد کے یہاں بھی، انھوں نے ان بزرگوں سے استفادہ بھی کیا تھا اور ان کے افکار وخیالات پر ناقدانہ نگاہ بھی ڈالی تھی، وہ عراق وحجاز اور دوسرے علمی مراکز کے نقطۂ نظر سے بخوبی آگاہ تھے اور ان ائمہ کے مسلک ان کے اجتہاد اور طرز استدلال کو اچھی طرح سمجھتے اور اپنے علم وبصیرت کی روشنی میں ان پر نقد بھی کرتے تھے، ان خصوصیات کی بنا پر وہ سارے اہل علم کی توجہ کا مرکز بن گئے، مصر میں ان کا بڑا خیر مقدم ہوا اور ان کا کاشانہ شایقین علم کا مرکزی آشیانہ بن گیا، مزنی نے بھی ان کی خدمت میں حاضری کو اپنے لیے باعث سعادت جانا اور علم کے اس بحر ذخار سے اپنی تشنگی کی سیرابی اور ذہنی آسودگی حاصل کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے وہ محض حدیث کے سامع اور راوی ہی نہیں بلکہ کتاب وسنت کے اسرار ورموز سے بھی آگاہ ہو گئے، اجتہاد واستدلال کی نئی راہیں ان پر

---

(۱) تہذیب الاسماء: نووی ج۱ ص۳۵۲، تہذیب: عسقلانی جلد دوم ص۳۸۴

منکشف ہوئیں اور انھوں نے امام شافعی کے علم و اجتہاد کو دور دور تک پھیلا دیا اور نہ صرف مصر بلکہ سارے بلاد اسلامیہ میں فقہ شافعی کی اشاعت و ترویج کا اہم ذریعہ بن گئے، ان کے بارے میں بجا طور پر کہا جاتا ہے۔

اکبر اصحابنا علما و اعلم غلمان الشافعی الذی مھّد مذھب و لین کلام الشافعی (۱)

وہ ہمارے اصحاب میں علم کے لحاظ سے سب سے برتر اور امام شافعی کے شاگردوں میں عالم ترین شخص تھے، جنھوں نے شافعی مسلک کی راہ ہموار کی اور کلام شافعی کو آسان بنایا۔

امام شافعی: امام مزنی کی فکری و فقہی ساخت و پرداخت کو سمجھنے کے لیے امام شافعی کے علمی منازل کا مختصر ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، مدینہ میں امام مالک سے کسب فیض کے بعد امام شافعی ۱۸۴ھ میں بغداد تشریف لائے جو اس وقت فقہ حنفی کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہاں انھوں نے امام محمد سے فقہ حنفی کا درس لیا، اثنائے درس میں امام محمد سے تبادلۂ خیالات اور علمی مباحث نے امام شافعی کے علمی و فکری رجحانات پر گہرے نقوش ثبت کیے اور بقول ابن حجر وہ اہل حدیث اور اہل رائے کے علوم کے جامع بن گئے، بغداد میں ان کے قیام کی مدت یقینی طور پر معلوم نہیں ہے لیکن شیخ ابوزہرہ کا خیال ہے کہ دو برس سے کم ان کا قیام بغداد میں نہیں رہا۔

قیامِ مکہ: اس کے بعد وہ مکہ معظّمہ تشریف لائے، یہاں امام احمد بن حنبل سے ان کی ملاقات ہوئی، ۹ برس یہاں ان کا قیام رہا، مسجد حرام میں باقاعدہ ان کا ایک حلقہ قائم تھا، اس طرح فکر شافعی کی ترویج کا پہلا دور شروع ہوا، ۹ برس کا یہ دور امام شافعی کی حیات علمی کا شاداب ترین دور تھا، ایک تو عمر کے لحاظ سے وہ عقلی پختگی کے حدود میں پہنچ گئے تھے، دوسرے وہ امام مالک اور امام محمد کے اجتہادات اور طرز استدلال سے آگاہ ہو چکے تھے اور

(۱) خطط: مقریزی ص ۳۴۴

ان کی روشنی میں بحث ونظر کے ایک نئے رخ کی تعیین میں کامیاب ہو چکے تھے، اپنے علمی اسفار کی بنا پر مختلف علما کے آرا و افکار سے واقفیت کے علاوہ انھیں حدیث کے وسیع لیکن منتشر ذخیرہ کی فراہمی کا بڑا موقع ملا، جس سے اصول کی تشکیل' مسائل کے تجزیہ وتحلیل' تفریع وتشریح اور استنباط واجتہاد میں اصابت رائے اور فیصلۂ محکم کی صلاحیت پورے طور پر نمایاں ہو چکی تھی، امام احمد بن حنبل نے جو مکہ میں ہی مقیم تھے اور ابن عیینہ کے حلقوں سے اٹھ کر امام شافعی کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے تھے، اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے کہ فقہ کا قفل بند تھا، اللہ تعالیٰ نے شافعی کے ذریعہ اسے کھلوادیا، مکہ معظّمہ میں نو برس قیام کے بعد امام شافعی دوبارہ ۱۹۵ھ میں بغداد تشریف لائے، اس مرتبہ تقریباً ۳ برس قیام رہا، اس عرصہ میں ان کی علمی اور فقہی کسوٹی کے لیے وسیع تر مسائل پیش ہوئے مثلاً امام ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کے اختلافات کا تجزیہ، واقدی اور اوزاعی کا تقابلی جائزہ اور خود اپنے اصولوں پر عرض ونقد کا عمل، اس طرح بغداد کے اس قیام کو بجا طور پر امام شافعی کے فقہی سفر کی دوسری منزل قرار دیا جاتا ہے۔

مصر کا سفر: تکمیل وتاسیس کی تیسری اور آخری منزل کے لیے سرزمین مصر مقدر ہو چکی تھی، بغداد سے مصر کی ہجرت کے اسباب میں کاتب تقدیر کی مصلحت بینی کے علاوہ خلیفۂ وقت مامون کے عقائد، معتزلہ کا روز افزوں اقتدار اور علوم اسلامیہ میں علم کلام کی تیزی کے ساتھ اثر پذیری کو بھی دخل ہے، یہ امر قرین قیاس ہے کہ ان حقایق کی موجودگی میں امام شافعی کی دوررس نظروں سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ کسی بھی مکتب فکر کی تاسیس وتکمیل کے لیے جس قسم کی یکسوئی اور فراغ خاطر درکار ہے، بغداد میں اس کی گنجائش دور دور نظر نہیں آتی، ان کے علوم ومعارف اور تفقہ واجتہاد کی راہ خطرات سے دوچار تھی، ایسے موقع پر امام شافعی کی فراست نے انھیں مصر کی طرف ہجرت کی صلاح دی، انھوں نے بغداد سے روانگی کے وقت جو اشعار کہے ہیں ان سے بھی اس خیال کو تائید حاصل ہوتی ہے۔

لقد اصبحت نفسی تتوق الی مصر ومن دونها قطع المهامة و القفر

فواللّٰہ ما ادری اللغوز والغنی اساق الیھا ام اساق الی القبر

ترجمہ: میرا دل مصر کے لیے مشتاق ہے، حالاں کہ اس کی راہ میں دشواریاں ہیں، بخدا میں نہیں جانتا کہ کامرانی و بے نیازی کے لیے جایا جارہا ہے، یا مصر کی خاک میں مدفون ہونے کے لیے۔

قیام مصر کی اہمیت: جو لوگ امام شافعی کی فراست فہم اور تفقہ سے واقف ہیں، ان کے لیے یہ بات باعث حیرت و استعجاب نہیں ہے کہ قیام مصر نے امام شافعی کے امید و اندیشہ دونوں کا جواب اثبات میں دیا، سرزمین مصر اس آفتاب عالمتاب کو اپنی آغوش میں لے کر جہاں رشک افلاک بن گئی، وہیں اسے علوم شافعیہ کے ایک نئے آفتاب کے طلوع کی سعادت بھی حاصل ہوگئی، فقہ شافعی کی ساری عطر بیزی اسی چہار سالہ قیام مصر کا نتیجہ ہے، فقہ شافعی کی نمو و تکمیل اس کی تشکیل و تشریح اور اشاعت و ترویج کے مراحل کی تعیین مصر ہی میں ہوئی اور یہیں اس نے استحکام حاصل کیا۔

اصحاب مصر: امام شافعی کی فقہ کے فروغ میں ان کے مصری شاگردوں کی بڑی اہمیت ہے، امام شافعی اپنے تلامذہ و اصحاب کے باب میں بہت خوش قسمت ہیں کہ ہر دور میں بڑے باصلاحیت، حوصلہ مند اور مخلص ترین رفقا کی ایک جماعت کثیر ان کے دامن علم سے وابستہ رہی، مکہ معظّمہ کے قیام کے دوران ابوبکر حمیدی، موسیٰ بن ابی الجارود ابوبکر محمد بن ادریس اور بغداد کی مجالس میں زعفرانی، کرابیسی، ابوثور کلبی اور مصر کے آخری دور میں حرملہ بن یحییٰ، بویطی، ابن عبدالحکم، ربیع جیزی، ربیع مرادی اور مزنی جیسے نادرۂ روزگار تلامذہ ان کے دامن فیض سے وابستہ رہے(۱)، مصری رفقا کی حیثیت اس لیے اور اہم ہوجاتی ہے کہ فقہ شافعی کے سارے مستند مقبول اور متداول سرمایہ کے امین و پاسبان، ان کے علم کے حامل اور ان کے تنقیح شدہ مسائل کے ترجمان یہی اصحاب مصر ہیں اور اس گنج گراں مایہ کا گوہر آبدار اور مصر کے بازار علم کی متاع بیش بہا امام مزنی کی ذات صد افتخار ہے۔

---

(۱) توالی التاسیس عسقلانی، الانتقاء: ابن عبدالبر اور شافعی، ابوزہرہ وغیرہ سے ملخصاً

مزنی کی امام شافعی سے ملاقات: علامہ سبکی نے کوہِ علم، مسلک شافعی کا ناصر و مددگار اور آسمان شافعی کے ماہِ کامل (۱) کے بظاہر مبالغہ آمیز الفاظ سے ان کا ذکر کیا ہے لیکن امام مزنی کی شخصیت کی جلوہ طرازی خود اعلان کرتی ہے کہ آسمان شافعی کے بدر کامل کی یہ تعبیر مبالغہ سے قطعاً پاک ہے مصر میں امام شافعی کی آمد کے وقت امام مزنی کی عمر صرف ۲۴ برس کی تھی، نوعمری میں وہ نعیم بن حماد، علی بن معبد جیسے کبار اساتذہ حدیث سے اکتساب علم کر چکے تھے لیکن انھیں علمی سیرابی کے لیے کسی بحر ذخار کی ضرورت تھی، امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھیں اس بحر ناپیدا کنار میں شناوری کا ڈھنگ آیا۔

امام شافعی سے ان کی پہلی ملاقات کب، کہاں اور کیسے ہوئی؟ اس کا ذکر صراحت سے نہیں ملتا لیکن اندازہ ہے کہ امام شافعی کی مصر میں تشریف آوری کے ساتھ ہی امام مزنی ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے، ابن حجر کے الفاظ ولزم الشافعی حین قدم مصر (۱) سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ابتدا میں وہ امام شافعی کی مجلسوں میں شاید ان کے کلام کو سننے کے شوق اور پیچیدہ علمی مسائل کے بارے میں استفسار کی غرض سے حاضر ہوئے گو وہ اس وقت حدیث کے طالب علم تھے اور مصر میں اس وقت اسی کا دور دورہ تھا لیکن بغداد سے بعد مسافت کے باوجود مصر بغداد کے جدید علمی رجحانات سے کلیۃً غیر متاثر نہ تھا، علم کلام نئے ذہنوں کے لیے خاصا پرکشش تھا، امام مزنی کا کلامی طرز فکر و استدلال سے متاثر ہونا قرین قیاس ہے، اسی لیے امام شافعی سے مسائل کے استفسار میں ان کا انداز اہل کلام کا سا ہوا کرتا تھا، امام شافعی علم کلام اور متکلمین کے بارہ میں بہت سخت تھے، اس موقع پر ان کا یہ قول لائق ذکر ہے:

حکمی فی اھل الکلام ان یضربوا بالجرید و یحملوا علی الابل و یطاف بھم فی العشائر والقبائل وینادی علیھم ھذا جزاء	اہل کلام کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ انھیں چھڑیوں سے مارا جائے اور اونٹوں پر بیٹھا کر بستیوں اور قبیلوں میں پھرایا جائے اور پکار پکار کر کہا جائے کہ یہ

(۱) توالی التاسیس ص ۴۰

من ترك الكتاب و السنة(١)	سزا کتاب و سنت کے ترک کی پاداش میں ہے۔

کچھ علم کلام سے ناپسندیدگی اور کچھ امام مزنی کی پوشیدہ فقہی صلاحیتوں سے آگاہی کے سبب امام شافعی کو مزنی کا یہ کلامی انداز پسند نہ آیا اور ایک روز جب امام مزنی نے چند کلامی مباحث چھیڑے تو امام شافعی نے ان کو مطمئن کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ ایسا علم ہے کہ اگر تم جادۂ صواب پر رہے تو بھی اجر کا موجب نہیں اور اگر کسی غلطی اور لغزش کا ارتکاب ہوا تو بات کفر کی حد تک پہنچ سکتی ہے، آخر تم ایسا علم کیوں نہیں اختیار کرتے جو تمہارے لیے باعث خیر ہو کہ صحت وصواب ہر صورت میں مستحق ثواب ہو اور خطا اور غلطی کی شکل میں وبال سے محفوظ رہو "فهل لك فى علم ان اصبت فيه اجرت و ان اخطأت لم تاثم"، مزنی نے عرض کیا وہ کیا؟ فرمایا: علم فقہ، امام مزنی خود فرماتے ہیں کہ:

فلزمته و تعلمت منه الفقه و درست عليه (٢)	پھر میں ان کی خدمت میں لگ گیا، ان سے فقہ کا علم حاصل کیا۔

ایسے ہی ایک موقع پر امام شافعی نے فرمایا:

سلني عن شيء اذا اخطأت فيه قلت اخطأت و لا تسئلني عن شيء اذا اخطأت فيه قلت كفرت(٣)	مجھ سے ایسی چیز کے متعلق سوال کرو کہ اگر تم غلطی کرو تو میں کہوں کہ تم نے غلطی کی، ایسی چیز کے بارے میں مت پوچھو کہ اگر تم سے خطا ہو تو میں کہوں تم کفر کے مرتکب ہوئے۔

اسی سیاق میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک روز امام شافعی کی نشست میں امام حفص فرد موجود تھے، دونوں حضرات کے مابین دقیق قسم کے کلامی مباحث پر گفتگو ہو رہی تھی، مزنی کا اعتراف ہے کہ ابہام اور پیچیدگی سے پر یہ باتیں میری فہم کی گرفت سے بالاتر تھیں کہ

(۱) تہذیب الاسماء: نووی ج۱ص۲۵۳ (۲) معجم المصنفین ۲۷۷ (۳) طبقات: سبکی ج۱ص۲۴۱

اچانک امام شافعی تیزی سے مزنی کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا:

یا مزنی تدری ما قال حفص قلت لا، قال خیر لك ان لاتدری(۱)	اے مزنی تم سمجھے کہ حفص نے کیا کہا؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا: تمہارے لیے نہ سمجھنا ہی بہتر ہے۔

اس طرح امام شافعی نے مزنی کی قوت استدلال، صلاحیت استحضار اور دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، معاملہ فہمی اور قوت فیصلہ کی فطری اور خداداد صلاحیتوں کا اندازہ کرنے کے بعد اپنی ساری توجہ ان کی فقہی صلاحیتوں کی تربیت و ترقی پر مرکوز کر دی، چار برس کی محنت اور توجہ کے بعد امام شافعی کے جذبات کا ان کے حق میں اظہار ان الفاظ میں ہوا، جو کسی بھی شاگرد کے لیے باعث صد افتخار ہیں، فرمایا:

هذا لو ناظر الشيطان لغلبه وقطعه وهو ناصر مذهبى(۲)	یہ اگر شیطان سے مناظرہ کریں تو اس پر غالب آجائیں اور اسے ختم کر دیں، یہ میرے مسلک کے ناصر و مددگار ہیں۔

امام شافعی کی دور بیں اور دور رس نگاہوں نے اپنے اس نوجوان اور ہونہار شاگرد کی مستقبل میں کامیابی کو بہت قریب سے دیکھ لیا تھا، چنانچہ امام صاحب کے مرض الموت میں جب ان کے چاروں مصری تلامذہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک لمحہ کے لیے امام شافعی اپنے لگائے ہوئے چمن کے ان سرسبز و شاداب پودوں کو جن کی آبیاری میں انھوں نے اپنا سارا سرمایۂ حیات اور خون جگر صرف کیا تھا دیکھتے رہے، پھر متوجہ ہو کر ہر ایک کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی، فرمایا:

اما انت یا ابایعقوب فستموت فی حدیدك واما انت یا محمد	اے ابویعقوب (بویطی) تمہارا وقت موعود آئے گا اور تم بیڑیوں میں ہو گے اور اے

---

(۱) وفیات الاعیان: ابن خلکان ص ۱ (۲) طبقات: شیرازی ص ۷۹، اسنوی قلمی موجود خدا بخش لائبریری ص ۸

فسترجع الی مذهب ابیك و اما انت یاربیع فانت انفعهم لی فی نشر الکتب و اما انت یا مزنی فسیکون لك بمصر هنات و هنات ولتدرکن زمانا تکون اقیس ذلك الزمان قال ربیع فکان کما قال(۱)

محمد (ابن عبدالحکم) تم اپنے والد کے مسلک پر لوٹ جاؤ گے اور اے ربیع (مرادی) تم میرے لیے کتابوں کی اشاعت میں نافع ترین شخص ہو گے اور اے مزنی بہت جلد مصر میں تمہارے لیے خوب خوب خوشگواریاں ہوں گی اور وہ زمانہ ضرور پاؤ گے جس میں تم سب سے بڑے فقیہ ہو گے، ربیع کہتے ہیں جیسا فرمایا ویسا ہی ہوا۔

ایک سعادت مند شاگرد کے لیے اس سے بڑھ کر اس کی عظمتوں اور کامیابیوں کی ضامن وشاہد سند اور کیا ہوسکتی ہے؟ تاریخ شاہد ہے کہ مصر کے علاوہ عراق، شام، خراسان اور اندلس وغیرہ دیار شرق وغرب میں فقہ شافعی کا فروغ امام مزنی اور ان کے تلامذہ کا رہین منت ہے(۲)، اپنے اقوال وافعال سے شعوری طور پر شخصیت کی تعمیر اور حکیمانہ تربیت میں امام شافعی کو جو ملکۂ خاص ودیعت ہوا تھا، اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے، امام مزنی ان کی خلوت وجلوت کے شریک تھے، ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام شافعی اپنے تلامذہ کو اخلاق عالیہ کی تعلیم کتنے حکیمانہ انداز سے دیتے تھے مثلاً ایک روز ایک خیاط امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوا، امام صاحب نے کسی لباس میں رفو کرایا اور ایک دینار دے دیا، خیاط دینار دیکھ کر ہنسا، امام صاحب نے فرمایا: اس وقت یہی لے لو، اگر اور دینار ہوتے تو میں ضرور دیتا، اس پر خیاط نے کہا میں تو صرف سلام کی غرض سے حاضر ہوا تھا، امام شافعی نے فرمایا: تب تو زائر بھی ہو اور مہمان بھی ہو اور ان دونوں سے خدمت لینا شرافت نہیں، ایسے ہی ایک موقع پر امام شافعی چند تیراندازوں کے پاس سے گذرے، ایک تیرانداز بڑا ماہر اور کہنہ مشق تھا، اس کی بے خطا نشانہ بازی سے امام شافعی خوش ہوئے، دعا دی اور مزنی سے فرمایا: جیب

(۱) طبقات: سبکی ص ۲۳۹ (۲) معجم المصنّفین: ص ۲۷۸

میں کچھ ہے؟ امام مزنی کے پاس اتفاق سے تین ہی دینار تھے، امام شافعی نے وہ تینوں دینار بطور انعام اس تیرانداز کو مرحمت کر دیے، امام مزنی ان واقعات کو لطف لے لے کر دہراتے تھے(۱)، ان واقعات کی روشنی میں انھوں نے اپنی زندگی کو حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ کیا۔

امام مزنی کے شعری ذوق میں امام شافعی کا پرتو: امام مزنی کو شعروادب کا جو ذوق تھا وہ تمام تر امام شافعی کا عطیہ ہے، ایک بار امام مزنی کی موجودگی میں امام شافعی کی خدمت میں کسی شخص نے غلط انداز اور بے سُری لے سے چند اشعار سنائے، امام شافعی کی طبیعت مکدر ہوگئی اور فرمایا: " اضرستنی "(۲) (تم نے مجھے کبیدہ خاطر کردیا)، ایک بار امام شافعی نے خاص طور سے ان کو یہ اشعار سنائے:

شهدت بأن الله لاشی غیره — واشهد ان البعث حق و خلص
وان عری الایمان قول مبین — وفعلی زکی قد یزید و ینقص
وان ابابکر خلیفة ربه — وکان ابوحفص علی الخیر یحرص
واشهد ربی ان عثمان فاضل — وان علیا فضله متخصص
ائمة قوم یهتدی بهداهم — لحا الله من ایاهم یتنقص(۳)

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندگی حق ہے، ایمان قول مبین کا نام ہے، میرے افعال میں زیادتی ونقصان کا عمل رہتا ہے، ابوبکرؓ اپنے رب کے خلیفہ ہیں، عمر خیر کے آرزومند ہیں، عثمانؓ صاحب فضیلت ہیں اور علیؓ کی فضیلت خاص ہے، یہ حضرات قوم کے امام ہیں، ان کے ذریعہ ہدایت حاصل کی جاتی ہے، خدا اسے غارت کرے جو ان کی تنقیص کرے۔

ایک بار فرمایا: مزنی جاہلوں کے نزدیک علم ویسا ہی ناپسندیدہ ہے، جیسا اہل علم کے نزدیک جہل، پھر یہ اشعار سنائے:

---

(۱) طبقات: سبکی ص ۱۵۷ (۲) معجم المصنفین: ص ۲۷۸ (۳) طبقات: سبکی ص ۱۵۷

ومنزلة الفقية من السفيه كمنزلة السفية من الفقيه
فهذا زاهد في قرب هذا وهذا فيه ازهد منه فيه(۱)

ترجمہ: سفیہ (بے وقوف) کے نزدیک فقیہ کی وہی حیثیت ہے جیسی اس کی فقیہ کے نزدیک حیثیت ہوتی ہے، یہ اس کے قرب میں بے رغبت ہے اور وہ اس سے بڑھ کر اس کی ذات سے بے نیاز ہے۔

امام شافعی کے دم رخصت جب مزنی حاضر خدمت ہوئے اور مزاج پرسی کی تو فرمایا دنیا سے رخصت اور دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں، اپنے اعمال کی برائیوں کا سامنا اور موت کا جام پینا ہے، بخدا نہیں جانتا کہ میری روح کا رخ جنت کی جانب ہے کہ اسے مبارک باد دوں یا جہنم اس کے سامنے ہے کہ تعزیت کروں، پھر یہ اشعار سنائے:

ولما قسى قلبي وضاقت مذاهبي جعلت رجائي نحوك مسلما
تعاظمني ذنبي فلما قرنته بعفوك ربي كان عفوك اعظما
فما زلت ذا عفو عن الذنب لم تزل تجود و تعفو سنة و تكرما(۲)

ترجمہ: جب میرا دل سخت ہو گیا، راہیں مسدود ہو گئیں تو تیرے عفو سے میں نے اپنی امید باندھی، میرے گناہ مجھے بڑے معلوم ہو رہے تھے لیکن جب میں نے اپنے رب کے عفو و کرم سے ان کا موازنہ کیا تو میرے رب کا کرم زیادہ نکلا، تو نے گناہوں سے ہمیشہ درگذر کیا اور تیرے احسان و انعام کی دولت ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

مزنی سے التفات خاص، گفتگو میں مزاح کا رنگ: امام مزنی، امام شافعی کے اس قدر قریب، مزاج شناس اور چہیتے شاگرد تھے کہ وہ اپنی ثقاہت و متانت اور تمکین و وقار کے باوجود کبھی کبھی ان سے گفتگو میں غایت محبت و فرط التفات کی بنا پر مزاح کی چاشنی بھی شامل کر دیتے تھے، ایک بار مزنی سے فرمایا میں نے مدینہ میں چار عجیب و غریب چیزیں دیکھیں، ایک تو اکیس برس کی دادی دوسری ایک ایسا شخص جسے قاضی نے دو مد کھجور کی

---

(۱) طبقات: سبکی ص ۱۵۷ (۲) طبقات ابن ہدایہ: ص ۳ و سبکی: ج ۱ ص ۱۵۶

گٹھلیوں کے بارے میں مفلس قرار دیا، تیسرے نوے برس کا ایک پیر فرتوت جو دن بھر ننگے پاؤں کنیزوں کے پاس گانے کی تعلیم دینے کے لیے آتا جاتا رہتا تھا لیکن جب نماز پڑھتا تو بیٹھ کر، چوتھی چیز کے بارے میں میں بھول گیا، ایک مرتبہ مزنی سے فرمایا: میں چالیس برس تک شادی شدہ مردوں سے ازدواجی زندگی کے بارے میں ان کا ردعمل معلوم کرتا رہا لیکن کسی ایک نے بھی اس تجربہ کے بارے میں کلمۂ خیر نہ کہا۔

ایک بار مزنی کے سامنے:

اِنَّا فَتَحنَا لَکَ فَتحاً مُّبِیناً لِیَغفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ

کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ:

ماتقدم من ذنبك سے مراد ذنب آدم اور ماتاخر سے مراد ذنوب امت ہیں، بیہقی نے احکام القرآن میں اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ھذا قول مستظرف (۱) (یہ قول لطیف ہے) امام شافعی کے اس التفات خاص اور فرط محبت کے باب میں کوئی بھی امام مزنی کا ہمسر نہیں ہے۔

استاد کے بارے میں مزنی کے تاثرات: امام شافعی کی دل آویز شخصیت اور ان کے انداز دلنوازی و دلداری کا یہ اثر تھا کہ امام مزنی عمر بھر اپنے محبوب و مرشد استاد کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہے، فرماتے تھے:

لو وزن عقل الشافعی بعقل نصف اهل الأرض رجح (۲)	اگر امام شافعی کی عقل کو زمین کے آدھے لوگوں کی عقل سے وزن کیا جائے تو امام صاحب کی عقل زیادہ وزنی ثابت ہوگی۔

ایک بار فرمایا: اگر تم لوگ امام شافعی کو دیکھتے تو ان کی کتابوں کے بارے میں کہتے کہ ان کی تصانیف نہیں، خدا کی قسم ان کی زبان ان کی کتابوں سے بڑھ کر تھی۔ (۳)

وہ اپنے استاد کی شان میں کسی قسم کی تنقید یا تنقیص گوارا نہیں کر سکتے تھے، ایک

(۱) طبقات: سبکی ج ۱ ص ۲۴۱ (۲) مرآۃ الجنان: یافعی مالکی ج ۲ ص ۱۹ (۳) ایضاً

موقع پر فرمایا: خدا کی مخلوق میں میں کسی سے بھی اس بات پر بحث کر سکتا ہوں کہ امام شافعی کی کتابوں میں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں، وہ ناقل کی ہیں امام شافعی کی نہیں۔ (۱)

تقویٰ و عبادت: امام شافعی سے اس عقیدت اور ذہنی وابستگی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے عبادات و معاملات، زہد و ورع، جود و سخا، صبر و توکل اور قناعت و بے نیازی ہر چیز میں ان کی جھلک نظر آتی ہے، وہ خود فرماتے ہیں: انا خلق من اخلاق الشافعی اس جھلک کا کچھ اندازہ عمرو بن عثمان مکی کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ہو سکتا ہے:

مارأیت احدا فی المتعبدین فی کثرۃ من لقیت منهم اشد اجتهادا علی المزنی ولا ادوم علی العبادۃ منه ومارأیت احدا اشد تعظیما للعلم واهله منه وکان من اشد الناس تضیقا علی نفسه فی الورع واوسعه فی ذالك علی الناس (۲)	میں بہت سے عابدوں زاہدوں سے ملا لیکن کسی کو بھی قوت اجتہاد، عبادت کی مواظبت، علم اور اہل علم کی تعظیم میں مزنی سے بڑھ کر نہیں پایا، وہ تقویٰ کے اعتبار سے اپنے نفس پر سب سے زیادہ سخت تھے، لیکن دوسرے لوگوں کے معاملہ میں بڑے وسیع القلب تھے۔

علامہ سبکی نے انھیں زاهدا ورعا متقللا من الدنیا، مجاب الدعوۃ (زاہد، متقی، دنیا سے کم لینے والے اور مقبول و مستجاب) کے الفاظ سے یاد کیا ہے، تقریباً سارے اصحاب طبقات و مورخین ان کی ان صفات پر متفق ہیں، تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی ایک وقت کی نماز جماعت سے نہ ادا ہو پاتی تو اسے علاحدہ پچیس بار ادا کرتے اور آنحضرتؐ کا یہ ارشاد گرامی پیش کرتے صلاۃ الجماعت افضل من صلوۃ احدکم وحدہ بخمس وعشرین درجۃ (جماعت سے نماز کی ادائی تمہاری تنہا نماز سے پچیس گنا افضل ہے)۔ (۳)

احتیاط اس قدر ملحوظ رکھتے کہ سال کے ہر موسم میں تانبہ کی کٹوریوں میں پانی

---

(۱) الانتقاء: ص ۸۹ (۲) طبقات سبکی: ج ۱ ص ۲۳۸ (۳) وفیات الاعیان: ص ۱۲۵

پیتے، مٹی کے کوزوں میں اس لیے نہ پیتے کہ ان کو پکانے میں گوبر کا استعمال ہوتا تھا اور ان کے مسلک کے لحاظ سے آگ اسے پاک نہیں کرسکتی۔(۱)

مردوں کو خالص ثواب کی نیت سے غسل دیتے اور فرماتے ایسا اس لیے کرتا ہوں کہ دل سوز و رقت سے خالی نہ ہو، امام شافعی کو غسل دینے کی قابل رشک سعادت بھی انھیں کے حصہ میں آئی۔(۲)

قضاعی نے لکھا ہے:

لم یکن احد من اصحاب الشافعی یحدث نفسه بالتقدم علیه في شی من الاشیاء(۳)	اصحاب شافعی میں سے کوئی بھی کسی معاملہ میں ان پر سبقت کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔

زہد، گوشہ نشینی، استغنا: ابن یونس نے انھیں احد الزهاد في الدنيا و من خير خلق الله سے تعبیر کیا ہے، ان کے زمانہ میں مصر کے فرماں روا احمد بن طولون تھے، جو اپنی شجاعت، اولوالعزمی، عدل اور سخاوت کے علاوہ علم شناسی اور علما کی قدر دانی میں بہت نیک نام تھے، ان کے دربار میں اہل فضل و کمال کی کثرت و تابانی سے کہکشانِ علم کا سماں نظر آتا تھا لیکن اس دربار میں امام مزنی شاذ و نادر ہی جلوہ گر ہوتے، اس کی وجہ ان کی طبعی زہد پسندی اور گوشہ نشینی تھی، صرف ایک بار مسئلہ قضا علی الغائب کے سلسلہ میں وہ ابن طولون کی مجلس میں تشریف لائے تھے۔

قاضی بکار بن قتیبہ جو اپنے منصب کے علاوہ ایک بڑے عالم اور حنفی فقیہ تھے، جب بغداد سے مصر عہدۂ قضا کے لیے آئے تو امام مزنی سے ملاقات و گفتگو کی خواہش بھی ان کے دل میں تھی لیکن عرصۂ دراز تک یکجائی کا موقع نہ ملا، ایک شہادت کے سلسلہ میں جب امام مزنی، قاضی بکار کی مجلس میں تشریف لائے اور اپنا نام بتایا تو قاضی بکار نے حیرت سے

(۱) طبقات: سبکی ج ۱ ص ۲۲۹ (۲) مرآۃ الجنان: ج ۱۹ ص ۸۷ (۳) العقد المذہب ابن ملقن قلمی، خدا بخش لائبریری، پٹنہ

پوچھا کہ وہی مزنی جو صاحب الشافعی ہیں، فرمایا: ہاں، قاضی بکار کو بمشکل یقین آیا، ابوعمر کندی نے اس واقعہ کے ضمن میں صراحت کردی ہے کہ:

لم یکن راہ قبلھا لاشتغال المزنی بنفسہ (۱)	اس سے پہلے نہ دیکھ سکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔

ایک بار پھر اتفاق سے ایک جنازہ میں ان دونوں حضرات کا اجتماع ہوا قاضی بکار نے اپنے ایک رفیق ابوجعفر اتل سے کہا: مزنی سے کچھ سوال کرو کہ ان کی گفتگو سے بہرہ ور ہوسکوں، ابوجعفر نے نبیذ کے مختلف فیہ مسئلہ کو چھیڑ دیا اور پوچھا کہ نبیذ کی تحریم و تحلیل دونوں سے متعلق احادیث موجود ہیں، تو پھر آپ تحریم کو تحلیل پر کیوں مقدم کرتے ہیں؟ امام مزنی نے فرمایا: کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ دور جاہلیت میں وہ حرام تھی، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جاہلیت میں وہ حلال تھی، اس سے خود تحریم کی احادیث کی تائید ہوتی ہے، اس معاملہ میں انھوں نے النھی بعد الاباحۃ (ممانعت اباحت کے بعد ہوتی ہے) کے اصول سے استدلال کیا، برسر راہ بے ساختہ ذہانت اور قوت استدلال کے اس مظاہرہ سے قاضی بکار متاثر و مسرور ہوئے اور کہا کہ دلیل قاطع کی یہ بہترین مثال ہے۔ (۲)

امام مزنی کی قناعت پسند اور مستغنی طبیعت سے واقف ہونے کے بعد یہ بات باعث حیرت نہیں رہتی کہ وہ دور معتصم سے عہد متوکل تک کسی بھی خلیفہ، وزیر، امیر یا کسی بھی اہل منصب سے وابستہ نہیں رہے اور مصر میں اپنے گوشۂ علم سے جدا ہو کر وہ کسی دوسرے دربار یا دیار کے سفر حتی کہ سفر حج کے کاروانوں میں بھی تلاش بسیار کے باوجود نہیں نظر آتے۔

امام مزنی اور فتنۂ خلق قرآن: ان کی خاموش اور گوشہ گیر طبیعت نے تمام مشاغل سے علاحدہ رہ کر صرف فقہ کی تعلیم و تدریس اور اشاعت و ترویج تک اپنے کو محدود رکھا تھا لیکن اس کے باوجود ان کا دامن فتنۂ خلق قرآن کی لپیٹ سے محفوظ نہ رہ سکا، ان کے مصری رفیق

(۱) کتاب الولاۃ والقضاۃ: ابوعمرو کندی ص ۵۰۸ (۲) مرآۃ الجنان: یافعی مالکی ج ۲ ص ۱۷۸

درس امام ابو یعقوب بویطی نے جن کے بارے میں امام شافعی کی پیشین گوئی کا ذکر ہو چکا ہے، اس فتنہ کا شکار ہو کر امام احمد بن حنبل کے ساتھ قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے اور بالآخر اسی قید کے عالم میں ان کی روح قفس عنصری سے آزاد ہوگئی، ایسے پر آشوب زمانہ میں امام مزنی کے درس و تدریس میں انہماک اور ان کی احتیاط و خاموشی سے ایک طرف ان کے دوست بویطی کو شکایت رہی کہ اس سے معتزلہ کی ہمت افزائی ہوئی اور ان کے ہاتھوں اہل حق کو مصائب میں مبتلا ہونا پڑا، دوسری طرف بعض لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ وہ خلق قرآن کے قائل ہیں:

و کان من یعادیہ و ینافسہ من اہل مصر یرمونہ بانہ کان یقول القرآن مخلوق وھذا لا یصح عنہ (۱)	ان کے بعض مصری معاندین و منافسین ان پر الزام لگاتے تھے کہ وہ کہتے ہیں قرآن مخلوق ہے، حالاں کہ ان کے بارے میں یہ خیال صحیح نہیں۔

لیکن یہ سب حاسدین و معاندین کی کارستانی ہے، مشہور ہے کل ذی مال محسود امام مزنی معتزلہ کی موافقت کیسے کر سکتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ وہ خود کو اس میدان کا مرد نہیں سمجھتے تھے لیکن صاحبان ہمت و عزیمت کے مداح تھے، امام احمد بن حنبل کے بارے میں ان کا یہ قول ضرب المثل کی حد تک مشہور ہو چکا ہے۔

ابو بکر یوم الردہ و عمر یوم السقیفہ عثمان یوم الدار و علی یوم الصفین و احمدبن حنبل یوم المحنہ (۲)	حضرت ابوبکرؓ مرتدین (کے بارے میں فیصلہ) کے دن، حضرت عمرؓ سقیفہ کے دن، حضرت عثمانؓ شہادت کے دن اور حضرت علیؓ جنگ صفین کے دن اور احمد بن حنبل (فتنۂ خلق قرآن کے سبب آزمائش کے) دن سرخرو ہوئے۔

(۱) انتقاء: ص (۲) طبقات: سبکی ص ۲۰۰

کسی بھی ابتلاء و آزمائش کے زمانہ میں لوگوں کو غلط فہمیاں ہو ہی جاتی ہیں جن سے غلط بیانیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اس معاملہ میں بھی یہی ہوا، امام مزنی کی مجالس میں شرکت بہت کم ہو گئی، جعفر بن جدار کاتب نے اسی موقع پر کہا تھا:

والمزنی الذی الیہ فعشو اذا دھرنا ادلھما

جب سارا زمانہ ہمارے لیے تاریک تھا تو ہم مزنی کی پناہ میں تھے۔

اس نازک موقع پر تائید غیبی ان کے کام آئی، ایک مرد صالح نے جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ابدال میں سے ہیں، ایک صبح جامع مصر میں کھڑے ہوئے، لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: تم سب غلطی پر ہو، توبہ استغفار سے کام لو، میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہاری اسی مسجد میں ہوں، مسجد کی ساری قندیلیں سوائے ایک قندیل کے گل ہیں اور یہ قندیل وہیں ہے جہاں امام مزنی کی نشست ہے، علامہ ابن عبدالبر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فتوا فی الناس الیہ واستحبوہ وعظمت حلقتہ حتی اخذت اکثر الجامع وزال ما فی قلوب الناس من التھمۃ لہ (۱)

لوگ ان کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے، ان سے محبت کا معاملہ کیا، ان کا حلقۂ درس بہت وسیع ہو گیا، یہاں تک کہ جامع مصر کا بیشتر حصہ اس کی وسعت میں آ گیا، لوگوں کے دلوں سے ان پر لگی ہوئی تہمت کا اثر زائل ہو گیا۔

وفات: ۲۶/(۲) رمضان المبارک ۲۶۴ھ میں امام شافعی کا یہ مایۂ ناز شاگرد اور فقہ شافعی کا رکن رکین ۸۹ برس تک ایک عالم کو فیضیاب کرنے کے بعد اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو گیا، ان کے رفیق اور رضاعی بھائی امام ربیع بن سلیمان مرادی نے نماز جنازہ

---

(۱) انتقاء: ص ۱۱۱ (۲) ابن عبدالبر کی روایت کے مطابق ۲۶ ربیع الاول ۲۶۴ھ میں انتقال ہوا۔

پڑھائی اور مصر کے مشہور قبرستان قرافہ صغریٰ (۱) میں امام شافعی کے مزار کے قریب تدفین عمل میں آئی، امام شافعی کا مزار قرافہ کے مشہور ترین مزاروں میں ہے، ایک بار امام مزنی جب وہاں سے گذرے تھے تو یہ اشعار ان کی زبان پر آگئے تھے۔ (۲)

سقى الله هذا القبر من قبل مزنة ... من العفو ما يغنيه عن طل المزن

لقد كان كفوا للعداة ومعقلا ... وركنا لهذا الدين بل ايما ركن

اللہ تعالیٰ اس قبر کو اپنے ابر عفو و کرم سے اتنا سیراب کرے کہ شبنم افشانی کا شکوہ نہ رہے، وہ (صاحب قبر) بلندیوں اور عظمتوں کے ممبر اور اس دین کے ستون تھے۔

مقریزی کا بیان ہے کہ امام مزنی کی تدفین کے بعد جب ایک شخص کا گزران کی قبر کے پاس سے ہوا تو اس نے سنا کہ کوئی غیبی آواز یہی اشعار پڑھ رہی تھی۔

---

(۱) قرافہ مصر کا مشہور قبرستان تھا، یہ آب و ہوا کے لحاظ سے بہت خوشگوار تھا، جامع قرافہ میں رؤسائے شہر جمعہ کی راتوں میں شب گذاری اور چاندنی راتوں سے لطف اندوزی کے لیے یہاں برابر آیا کرتے تھے، اسی وجہ سے کھانے پینے کی دوکانیں بھی کثرت سے موجود تھیں، ایک صاحب موسیٰ بن محمد نے اپنی شب بیداریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، چاندنی راتوں میں قرافہ کی طرفہ انگیزی قابل دید ہوا کرتی تھی، ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ان القرافة قد حوت من ضدين من ... دنيا و اخرى فهي نعم المنزل

كم ليلة بتنا بها ونديمنا ... لحن لكاد يدوب منه الجندل

والبدر قد سلأ البسيطة نوره ... فكانما قد فاض منه جدول

قرافہ دنیا و آخرت کا جامع ہے، وہ بہترین منزل ہے، کتنی ہی راتیں ہم نے وہاں ایسی گزاریں کہ ہمارے ہم مشرب کی نغمہ سرائی سے پہاڑ پگھلتے معلوم ہو رہے تھے، چاند کی کرنوں سے پورا ماحول منور تھا، محسوس ہو رہا تھا کہ چاندی کے آبشار رواں ہیں۔

مقریزی کا قول ہے کہ قرافہ سے بڑھ کر شاندار، پر رونق اور صاف ستھرا قبرستان دنیا میں اور کہیں نہیں۔ (۲) خطط: مقریزی ص ۳۴۴

تلامذہ: امام مزنی کے سرچشمۂ علم وفضل سے یوں تو ایک مخلوق نے تشنگی بجھائی لیکن چند خوش نصیب ایسے بھی ہیں جنھیں جی بھر کر سیرابی کا موقع ملا، یہ اصحاب بعد میں بجائے خود علم وارشاد کے بحر بیکراں بن گئے، انماطی، عبدان بن محمد، ابوبکر فارسی، ابراہیم بلدی، ابن خزیمہ اور طحاوی، زکریا ساجی، ابن حوصا، ابن ابی حاتم اسی خرمن علم وکمال کے خوشہ چیں ہیں۔

عثمان بن سعید انماطی (م ۲۸۸ھ) اسی طرح صاحب المزنی کہلاتے ہیں جس طرح امام مزنی کا خطاب صاحب الشافعی ہے، خطیب بغدادی نے انھیں شوافع کے ممتاز ترین فقہا میں شمار کیا ہے، ابوعاصم کا قول ہے کہ اہل بغداد کے لیے انماطی کی وہی حیثیت ہے جو اہل نیشاپور کے لیے ابوبکر بن اسحاق کی ہے، کیوں کہ یہ ان اولین لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے مزنی کا علم اپنے اپنے علاقوں میں عام کیا۔(۱)

ابویحییٰ زکریا ساجی، بصرہ میں امام مزنی کے علم کے امین تھے، ان کی کتابوں اختلاف الفقہا اور علل الحدیث کا ذکر اہمیت کے ساتھ ہوتا ہے۔(۲)

محمد بن خزیمہ نیشاپوری، انھیں امام الائمہ بھی کہا جاتا ہے، امام مزنی کے عزیز ترین شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، امام مزنی کے متعلق وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، جس سے امام مزنی کی شخصیت کی صداقت، سادگی اور علمی انکساری کے ساتھ شاگردوں کی حوصلہ افزائی اور ان کی عزت نفس کا اظہار ہوتا ہے، ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار امام مزنی کی خدمت میں حاضر ہوا، مجلس میں ایک شخص نے قتل شبہ عمد کے بارے میں استفسار کیا اور کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قتل کی دو قسموں قتل عمد اور قتل خطا کا ذکر کیا ہے تو آپ ایک تیسری قسم قتل شبہ عمد کا اضافہ کیوں کرتے ہیں، جواب میں امام مزنی نے حدیث بیان کی تو سائل نے دریافت کیا، کیا آپ علی بن زید بن جدعان کی روایت سے استدلال کررہے ہیں، اس پر امام مزنی خاموش رہے تو میں نے کہا کہ اس روایت کو علی بن زید کے

(۱) وفیات الاعیان: ابن خلکان ج ۱ ص ۵۵۸، طبقات: سبکی ج ۲ ص ۵۲ (۲) طبقات: سبکی ج ۲ ص ۲۳

علاوہ ایوب سختیانی اور خالد الحذاء، نے روایت کیا ہے، سائل نے پھر پوچھا عقبہ بن اوس کون ہیں تو میں نے کہا: عقبہ بن اوس بصرہ کے رہنے والے ہیں اور امام محمد بن سیرین نے باوجود اپنی جلالت شان کے ان سے روایت کی ہے، میرے ان جوابات پر سائل نے امام مزنی سے کہا آپ مناظرہ کر رہے ہیں، یا یہ؟ امام مزنی نے فرمایا: جب حدیث کی بات آئے گی تو یہی مناظرہ کریں گے، کیوں کہ وہ مجھ سے بہتر علم حدیث سے واقف ہیں۔

امام طحاوی، امام مزنی کے شاگرد اور خواہر زادہ ہیں، ابتدا میں فقہ کی تحصیل اپنے ماموں امام مزنی سے کی، امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کیا تھا، اس لیے طبعاً فقہ حنفی کی جانب میلان تھا، امام مزنی کی نشستوں میں بھی وہ فقہ حنفی اور فقہ شافعی کی کشمکش میں مبتلا رہتے، کبھی کبھی انھیں اپنے اعتراضات اور اشکالات کے جواب سے تشفی نہ ہوتی، اسی سلسلہ میں یہ روایت بہت مشہور ہے کہ ایک روز امام مزنی نے ان سے کہا واللہ لاجاء منك شیء (خدا کی قسم تم سے کچھ نہ ہوگا) طحاوی نے اس پر ناراض ہو کر ان کے یہاں کی نشست کو ترک کر دیا اور اس کے بعد جب اپنی کتاب مختصر طحاوی تصنیف کی اور ان کے علم وفضل کا شہرہ ہوا تو فرمایا: رحم اللہ اباابراھیم لو کان حیا ورانی لکفر عن یمینہ (اللہ ابوابراہیم پر رحم فرمائے، اگر زندہ ہوتے اور مجھے دیکھتے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے) (۱) امام طحاوی علمی کمال کے ساتھ غیر معمولی ذہین بھی تھے اور ان کی کتابیں، ان کی فطری ذہانت کی غماز ہیں، مطالعہ کے دوران ان کے سامنے امام ابوحنیفہ اور ان کے نامور شاگردوں کے خیالات اور دلائل آتے تھے، اس بنا پر وہ احناف کی قوت استدلال سے بہت متاثر تھے اور دوران درس اس کا تذکرہ کرتے تھے، امام مزنی نے انھیں بہتیرا سمجھایا مگر وہ اس سے متاثر نہ ہوئے اور احناف کی طرف ان کا رجحان بڑھتا گیا، بالآخر وہ نامور علمائے احناف میں شمار ہوئے۔

تصانیف: کسی بھی شخص کی اہمیت وافادیت کا صحیح اندازہ اس کے شاگردوں اور

---

(۱) وفیات الاعیان: ص ۱۲۴

تصانیف سے کیا جا سکتا ہے، امام مزنی کو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں ممتاز کیا تھا، ان کی تصانیف میں جامع کبیر، جامع صغیر، مختصر المختصر، المنثور، المسائل المعتبرہ، الترغیب فی العلم، کتاب الوثائق، کتاب العقارب، نہایۃ الاختصار وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔(۱) لیکن ان ساری کتابوں میں مختصر المزنی کو جو شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی، وہ بے مثال ہے، فقہ شافعی کی ترویج میں اس کتاب سے بڑھ کر کسی اور کتاب کا حصہ نہیں رہا، علامہ ابن سبکی نے اس کتاب کی تعریف میں لکھا ہے:

انه زينة مذهبكم وعمدة اصلكم	یہ (کتاب) تمہارے مسلک کی زینت،
وقاعدة طريقكم وموئلكم حين	تمہارا بنیادی ستون اور سنگ میل ہے،
تختلفون ومرجعكم حين	تمہارے اختلافی مسائل میں تاویل گاہ
تضطربون ومفزعكم حين	اور تمہارے پیچیدہ مسائل میں مرجع ہے،
تضرب امواج الآراء ويتناضل في	جب مختلف رایوں کا ہجوم اور فقہا کی
محافل الفقهاء(۲)	محفلوں میں منازعہ ہو تو وہ تمہارے لیے
	جائے پناہ ہے۔

ابوالعباس بن شریح نے ایک موقع پر مختصر المزنی کی تعریف میں یہ اشعار پڑھے۔(۳)

لضيق فوادي منذ عشرين حجة	وصيقل ذهني والمفرج عن همي
عزيز على مثلي اعاره مثله	ـما فيه من علم لطيف ومن نظم
جموع لاصناف العلوم باسرها	فاخلق به ان لا يفارقه كمي

تقریباً بیس سال سے میرے دل کی تنگی دور کرنے کے لیے اور ذہن کو جلا بخشنے کے لیے اور میری فکروں کو دور کرنے کے لیے (یہ کتاب کام آرہی ہے) اس کے علم لطیف اور دلکش

(۱) وفیات الاعیان: ص ۱۳۴، طبقات: سبکی ج ۱ ص ۲۳۸، کشف الظنون ص ۲۸۱-۲۶۸، الفہرست ابن ندیم: ص ۲۹۹ (۲) طبقات: سبکی ج ۱ ص ۱۱ (۳) ایضاً ج ۲ ص ۲۸۷

ترتیب کی وجہ سے اسے کسی دوسرے کو دنیا مجھ پر شاق ہے، یہ تمام علوم کی جامع ہے، اور اس لائق ہے کہ میرے ہاتھوں سے جدا نہ ہو۔

امام ذہبی کی روایت ہے کہ قاضی ابوزرعہ نے ہر اس شخص کے لیے جو مختصر المزنی کو حفظ کرے، ایک سو دینار کا انعام مقرر کیا تھا۔ (۱)

مختصر کی قبولیت کا اندازہ اس کی شرحوں سے بھی ہوسکتا ہے، آنے والے دور میں بہت سے ممتاز شافعی فقہا نے اس کی شرحیں لکھیں جن میں ابوالعباس بن سریج کی شرح زیادہ مستند اور مقبول ہے، اس کے علاوہ ابوالطیب طبری، ابواسحاق مروزی، ابوحامد مروزی، ابوعبداللہ مسعودی، ابوبکر الشاشی، ابوعلی سنجی، ابن عدلان کنانی، قاضی زکریا بن محمد انصاری وغیرہ کی شروح وتعلیقات بھی نمایاں ہیں، صاحب کشف الظنون نے ایک طویل فہرست ان شارحین کی بیان کی ہے۔ (۲)

اس کتاب کی اہمیت ایک الگ مضمون کا تقاضا کرتی ہے، بہت سے مسائل و مباحث ایسے ہیں جن میں امام مزنی نے امام شافعی سے اختلاف بھی کیا ہے، اسی بنا پر بعض شوافع نے انھیں خود ایک الگ مسلک کا حامل قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اصول شافعی سے اختلاف نہیں کرتے۔

☆☆☆

---

(۱) کتاب الولاۃ والقضاۃ ص ۵۲۴ (۲) کشف الظنون ص ۲۸۱

امام ربیع بن سلیمانؒ مرادی

امام شافعی کے محبوب شاگرد، ان کی بزم علم کے رکن رکین اور ان کی فقہ کے راوی امام ربیع بن سلیمان مرادی ۱۷۴ھ (۷۹۰ء) میں مصر میں پیدا ہوئے، یہ وہی قابل فخر سال ہے، جس میں فقہ شافعی کے دو اور نامور فقیہوں امام مزنی اور امام بحر بن نصر نے اس دنیائے آب وگل میں آنکھیں کھولیں، امام مزنی، امام ربیع مرادی کے رضاعی بھائی اور عمر میں ان سے چھ مہینے بڑے تھے۔(۱)

نام ونسب: امام ربیع کی مشہور کنیت ابومحمد ہے، سبھی تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن ابن ندیم انھیں ابوسلیمان بھی کہتے ہیں، موذن فسطاط اور موذن شافعی کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔

ان کا خاندان مدت دراز سے مصر میں آباد تھا، وہ قبیلۂ مراد سے تعلق رکھتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس قبیلہ کے اجداد میں جابر بن مالک بن اود بن سبا ایک ظالم ومتمرد شخص تھا، اس کے تمرد کی وجہ سے اس کا نام ہی مراد پڑ گیا، پھر اسی نام سے یہ قبیلہ مشہور ہوگیا، جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں یہ قبیلہ بڑا مردم آفریں رہا ہے، امام ربیع کا تعلق اس قبیلہ سے نسلی اعتبار سے نہ تھا، بلکہ وہ موالاۃ یا حلیف ہونے کی بنا پر مرادی کہلاتے ہیں (۲)، ان کے خاندان کے حالات پردۂ خفا میں ہیں لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ خاصے عرصہ سے یہ لوگ مصر میں بود وباش اختیار کیے ہوئے تھے اور خالص مصری ہوگئے تھے۔(۳)

---

(۱) تہذیب التہذیب: ج ۳ ص ۲۴۶، طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ ص ۲۴۸ (۲) اللباب: ابن اثیر ج ۳ ص ۱۱۸، تاج العروس: ج ۲ ص ۵۰۰، لسان العرب: ج ۳ ص ۲۶۴، اس صورت میں مرد سے فعال کے وزن پر مراد ہوگا۔ (۳) تہذیب: ج ۳ ص ۲۴۶، اصلہ من مصر

ابتدائی تعلیم: امام ربیع کی نشو ونما اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے بارہ میں تاریخ کے صفحات خاموش ہیں لیکن ان کے اساتذہ میں عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن یوسف، ایوب بن سوید، رملی یحییٰ بن حسان، اسد بن موسیٰ، بشر بن بکر اور شعیب بن لیث (۱) جیسے ممتاز محدثین کے اسمائے گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدائی تعلیم کے بعد ہی علم حدیث سے شغف اور ممتاز محدثین کی مصر میں موجودگی کی کشش نے امام ربیع کی علم جو طبیعت کو اپنی جانب متوجہ کرلیا، ان کے حسن ذوق نے اس زمانہ میں علم کلام کی گرم بازاری سے صرف نظر کر کے علم حدیث کا انتخاب کیا، عبداللہ بن وہب، امام ربیع کے خاص استاد تھے، اس تعلق خاص کی وجہ سے بعض حضرات نے امام ربیع کو صاحب ابن وہب بھی کہا ہے (۲)، ابن وہب امام مالک اور امام لیث بن سعد کی طرح صف اول کے محدث اور فقیہ ہیں، ابن فرحون کی روایت کے مطابق امام مالک نے ابن وہب کے علاوہ کسی کو کبھی فقیہ نہیں لکھا، ان کے کمال کا یہ حال تھا کہ لاکھوں حدیثوں کے حافظ ہونے کے باوجود ایک بھی منکر حدیث ان سے منقول نہیں، متقی اس درجہ کے تھے کہ قرأت حدیث کے دوران قیامت کی ہولنا کیوں کے ذکر سے ایسا خوف طاری ہوا کہ بے ہوش ہوکر گر پڑے اور اسی بے ہوشی کے عالم میں چند دنوں بعد اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ (۳)

یہ امام ربیع کی خوش نصیبی تھی کہ انھیں ابن وہب جیسی عالی مرتبت ذات سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، ان کے دوسرے نمایاں اساتذہ میں مؤطا کے راوی عبداللہ بن یوسف تنیسی ہیں، جنھیں امام بخاری شامی محدثین میں سب سے زیادہ معتبر قرار دیتے ہیں (۴)، بشر بن بکر ہیں جو امام اوزاعی کے شاگرد اور امام شافعی وحمیدی کے استاد ہیں، یحییٰ بن حسان ہیں جو امام مالک وامام لیث کے شاگرد ہیں، ان کے بارہ میں محدثین کی رائے ہے کہ وہ مصر کے جلیل القدر محدث اور مستند امام ہیں، امام ربیع کے اساتذہ کے سلسلۂ زریں میں امام لیث

---

(۱) تہذیب التہذیب: ج ۳ ص ۲۴۶ (۲) العبر: ج ۲ ص ۴۵ (۳) حسن المحاضرہ: سیوطی ص ۱۲۱

(۴) حسن المحاظرہ: سیوطی ص ۱۴۵

بن سعد کے صاحبزادے اور ممتاز فقیہ و متقی شعیب بن لیث اور مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پرپوتے، امام حدیث اسد بن موسیٰ کے اسماء جلیلہ بھی نمایاں ہیں۔(۱)

امام ربیع کے ان اساتذہ کی نمایاں خصوصیت علوم حدیث وفقہ کی جامعیت ہے، اس سے امام ربیع کے ذوق انتخاب پر روشنی پڑنے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع ہی سے ایک مقصد پیش نظر رکھتے تھے۔

امام شافعی سے تعلق: حدیث وفقہ کی اس جامعیت نے جس میں حدیث کا رنگ غالب تھا، امام ربیع کے فکر وشعور میں ایسے رجحانات پیدا کیے جو انھیں امام شافعی کے مکتب فکر سے قریب لانے اور ان کے طرز استدلال واجتہاد کو قبول کرنے میں زیادہ معاون وساز گار ثابت ہوئے۔

امام شافعی مصر ۱۹۹-۱۹۸ھ میں تشریف لائے (۲)، اس وقت امام ربیع کی عمر تقریباً ۲۵ ربرس کی تھی اور اس عمر میں وہ کبار محدثین وفقہا سے اکتساب علم خاصی حد تک کر چکے تھے۔

علمی ذوق کی پختگی کی وجہ سے فقہ شافعی سے انھیں کافی مناسبت ہوگئی، امام شافعی کے علم، تقویٰ اور تفقہ کی شہرت وقبولیت سے متاثر ہو کر وہ دوسرے نو عمر ساتھیوں کی طرح امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام شافعی کو قسام ازل نے اور نعمتوں کے ساتھ صالح اور ذہین شاگردوں کی نعمت خاص ایسی عطا فرمائی تھی کہ باید وشاید، ان کا ہر شاگرد علم عمیق، ذہن ثاقب اور صلاح وتقویٰ میں ممتاز تھا، ان کے مصری تلامذہ میں بویطی کے سوا سب نوجوان اور تقریباً ہم عمر تھے اور یہی لوگ ہیں جو جدید فقہ شافعی کے حامل وناقل ہیں۔(۳)

امام ربیع نے امام شافعی سے باضابطہ فیض تو مصر میں حاصل کیا لیکن بعض روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ مصر میں ان کی آمد سے پہلے ہی بغداد میں ان سے مستفید ہو چکے تھے، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے ان سے بغداد میں اہل مصر کے دینی وفقہی رجحانات کے بارہ میں سوال کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ وہاں دو طبقے ہیں، ایک تو امام ابوحنیفہ کے

---

(۱) حسن المحاضرہ: ج ۱ص ۱۴۵ (۲) وفیات: ابن خلکان ج ۲ص ۲۱۶ (۳) طبقات الفقہاء: شیرازی ص ۷۹-۸۰

مسلک سے قریب تر ہے اور دوسرا طبقہ اس کے برعکس امام مالک کی آراوافکار سے متاثر ہے، امام شافعی نے یہ سن کر فرمایا میں ان کے سامنے ایسا نقطۂ نظر پیش کروں گا جو انھیں ان دونوں سے بے نیاز کردے گا۔(۱)

ارجو ان اقدم مصر ان شاء اللّٰہ	مجھے امید ہے کہ جب مصر آؤں گا تو ان
فاتیھم بشیء اشغلھم بہ عن	کے سامنے ایسی چیز پیش کروں گا جو انھیں
القولین جمیعاً.	دونوں سے بے نیاز کردے گی۔

امام شافعی کے اس دعویٰ کی تائید میں امام ربیع فرماتے ہیں کہ پھر ایسا ہی ہوا(۲) مصر آنے سے قبل امام شافعی چند مہینوں کے لیے بغداد سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، اس سفر میں امام ربیع بھی ان کے ہمرکاب رہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم مکہ سے منیٰ کی جانب نکلے، راستہ میں جب کوئی وادی اور گھاٹی ملتی تو امام شافعی ان اشعار سے حدی خوانی کرتے۔(۳)

یا راکبا قف بالمحصب من منیٰ	واھتف بقاعد خیفھا والناھض
سحرا اذا فاض الحجیج الی منی	فیضاً کملتطم الفرات الفائض
ان کان رفضاً حب آل محمد	فلیشھد الثقلان انی رافض

ترجمہ: اے ہمراہیو! منیٰ ومحصب کے نشیب وفراز میں رکو، صبح کے وقت جب حاجی منیٰ کی جانب بڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دریائے فرات موج درموج بہتا جارہا ہے، اگر آل محمدؐ کی محبت کا نام رفض ہے تو سب گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

مصر میں امام ربیع امام شافعی کے سایہ کی طرح ان کے رفیق وقریب رہے، امام شافعی کی شخصیت کی محبوبیت و دلنوازی نے امام ربیع کو جذبۂ اخلاص وعقیدت سے سرشار کررکھا تھا، ان کی یہ عقیدت امام شافعی کی ہر خدمت کے لیے ان کو تیار رکھتی تھی، امام شافعی ان کی خدمتوں کے معترف تھے، فرماتے تھے: میری جتنی خدمت ربیع نے کی اتنی کسی اور نے

---

(۱) معجم المصنفین: ص۲۹۸ (۲) توالی التاسیس: ص۷۷ (۳) طبقات کبریٰ: سبکی ج۱ص ۱۵۸

نہیں کی (۱)، اسی بے لوث خدمت نے ان کو مقام محبوبیت پر فائز کیا، امام شافعی کے بے شمار شاگردوں میں وہ تنہا ہیں جنھیں محبوب شافعی کا لقب ملا، امام شافعی غایت درجہ شفقت سے ان سے فرماتے: تم مجھے کتنے محبوب ہو (۲)، بلاشبہ محبت کی یہ سند ایسی ہے جو ان کے لیے باعث شکر و امتنان اور سرمایۂ فخر و ناز ہے۔

محبت اور اپنائیت کا ایک اور واقعہ لائق ذکر ہے، ایک بار امام شافعی نے ایک دعوت کا اہتمام کیا، لوگ فارغ ہو گئے تو امام بویطی نے امام ربیع سے کہا: چلو اب ہم بھی فارغ ہو لیں، امام ربیع نے جواب دیا ہمیں کھانے کی اجازت کس نے دی؟ امام شافعی نے یہ بات سنی تو فرمایا: سبحان اللّٰہ انت فی حل مالی کلہ، تمھیں تو میرے سارے مال میں اختیار ہے۔

ایسے ہی ایک موقع پر جب امام ربیع نے بازار سے سامان لا کر حساب پیش کرنا چاہا تو امام شافعی نے فرمایا: وقت مت ضائع کرو، میں تم سے حساب نہیں مانگتا، امام ربیع نے عرض کیا کہ ام ابی الحسن (حرم امام شافعی) تو حساب مانگتی ہیں، اس پر امام شافعی نے فرمایا (۳):

یاطویل الرقاد انت فی حل من مالی کلہ	ارے نیند کے ماتے تمھیں تو میرے سارے مال میں اختیار ہے۔

امام ربیع کی شادی ہوئی تو امام شافعی نے دریافت فرمایا کہ مہر کتنا مقرر ہوا، جواب دیا تیس دینار، امام شافعی نے پھر پوچھا کہ کتنا ادا کیا، انھوں نے کہا چھ دینار، یہ سن کر امام شافعی گھر تشریف لے گئے، وہاں سے ایک تھیلی بھیجی جس میں چوبیس دینار موجود تھے۔ (۴)

امام ربیع کو اپنے عالی مرتبت استاد کے صرف مال ہی میں نہیں، علم کے حصول میں

(۱) وفیات: ابن خلکان ص ۳۲۶ (۲) تہذیب الاسماء: نووی ص ۱۸۸ (۳) معجم المصنفین: ص ۲۹۳

(۴) انتقاء: ابن عبد البر ص ۹۴

بھی اختیار کلی حاصل تھا، ایک موقع پر امام شافعی نے فرمایا: اے ربیع اگر علم کھلانے والی چیز ہوتی تو میں تمھیں اسے کھلا کر رہتا (۱)، اس قول سے بعض لوگوں کو ان کے بطی الفہم ہونے کا شبہ ہوا، قفال مروزی نے اپنے فتاویٰ میں اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ امام شافعی ان کی صلاحیت اخذ، حسن فہم اور نافعیت کی بنا پر یہ خواہش کرتے تھے کہ انھیں گویا علم کھلا دیا جائے (۲) ابن خلکان کی ایک روایت سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، وہ امام ربیع کے بارہ میں امام شافعی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

اما واللّٰہ ما فی القوم انفع لی منه ولوددت انی حشوته العلم حشوا	بخدا لوگوں میں ان سے (ربیع) زیادہ میرے لیے اور کوئی مفید نہیں، میں چاہتا ہوں کہ انھیں علم سے بھر دوں۔ (۳)

امام ربیع کے حفظ واتقان کی صلاحیت ہی کی وجہ سے امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ الربیع راویتی (۴)، انه احفظ اصحابی (۵)، ربیع میرے راوی اور سب شاگردوں سے زیادہ حافظہ والے ہیں، وہ امام شافعی کے ذاتی سفیر کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، ایک مرتبہ امام شافعی نے انھیں امام احمد بن حنبل کی خدمت میں ایک مکتوب کے ساتھ بغداد بھیجا، جب امام ابن حنبل نے خط پڑھنا شروع کیا تو ایک جگہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، امام ربیع نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ امام شافعی نے خواب دیکھا کہ آں حضرتؐ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اس نوجوان (احمد بن حنبل) کو خوش خبری دو کہ عنقریب اسے اللہ کے دین کے بارے میں آزمائشوں سے گذرنا ہوگا، اس سے کہا جائے گا کہ قرآن کو مخلوق کہو، پھر اس کے انکار پر اسے سخت سزائیں دی جائیں گی اور انہی سزاؤں کی جزا میں اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کے ذکر کو عام کرے گا، یہ سن کر امام ربیع نے فرمایا کہ بشارت ہو اور پھر بے تکلفی سے فرمائش کی، فای شیء جائزة علیها، اس بشارت پر کیا

(۱) وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۳۲۶ (۲) مرآۃ الجنان: یافعی ج ۲ ص ۱۱۴ (۳) وفیات الاعیان: ابن خلکان ج ۱ ص ۳۲۷ (۴) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۱ (۵) طبقات الفقہاء: شیرازی ص ۷۹

انعام دیں گے؟ وہ فرماتے ہیں کہ اس وقت امام احمد بن حنبل کے جسم مبارک پر دو کپڑے تھے، ان میں سے ایک انھیں عنایت کیا۔(۱)

امام ربیع ایسے موقعوں پر جب واپسی کے بعد امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوتے تو امام شافعی خاص طور سے وقت نکال کر مجلس میں زیر بحث ان مسائل کو جو امام ربیع سے چھوٹ گئے تھے دوبارہ ان کے سامنے دہراتے، تاکہ ان کے سرچشمۂ فیض کی کسی بوند سے امام ربیع محروم نہ رہیں۔(۲)

اور یہ واقعہ تو بہت مشہور اور امام شافعی کی فراست ایمانی کا شاہد ہے کہ ان کے مرض الموت میں جب چاروں مشہور تلامذہ: مزنی، بویطی، ابن عبدالحکم اور ربیع ان کے پاس تھے تو انھوں نے فرداً فرداً ہر ایک کے بارہ میں پیشین گوئی فرمائی کہ ایک وقت آئے گا جب مزنی اپنے دور کے سب سے بڑے فقیہ ہوں گے، بویطی قید و بند کی صعوبتوں سے دو چار ہوں گے اور اسی حالت میں ان کا طائر روح قفس عنصری سے آزاد ہو جائے گا، ابن عبدالحکم اپنے سابقہ فقہی مسلک کو اختیار کرلیں گے اور ربیع انت انفعهم لي في نشر الكتب تم ان لوگوں میں میری کتابوں کی نشر و اشاعت میں سب سے زیادہ مفید ہو گے۔(۳)

امام ربیع فرماتے ہیں کہ جب امام شافعی کا انتقال ہوا تو ہر ایک کا حال اس پیشین گوئی کے مطابق ہوا۔

حتی كأنه ينظر الى الغيب من ستر رقيق۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان چھپی حقیقتوں کو ایک باریک پردہ کے پیچھے سے دیکھ رہے تھے۔(۴)

امام شافعی کا انتقال ہوا تو غسل دینے کی سعادت میں وہ امام مزنی کے شریک

---

(۱) طبقات: مصنف ص ۶، طبقات سبکی ج ۱ ص ۲۰۵، احمد بن حنبل والمحنہ: والٹرایم پیٹن ص ۴۹-۵۰

(۲) معجم المصنفین: ص ۲۹۷ (۳) طبقات: سبکی ج ۱، وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۲۵۷ (۴) وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۷

رہے، جامع فسطاط جوتاج الجوامع (۱) اور جامع عمروؓ بن عاص بھی کہلاتی ہے اور جو مصر میں مسلمانوں کی پہلی مسجد تھی، اسی کے ایک گوشہ میں امام شافعی جلوہ افروز مسند تدریس ہوتے تھے، امام ربیع جوخوش آوازی وخوش لحنی میں بھی ممتاز تھے (۲)، اسی مسجد کے موذن تھے، اسی وجہ سے وہ موذن شافعی اور موذن فسطاط کے القاب سے مشہور ہوئے، امام شافعی کے بعد جامع فسطاط میں مسند تدریس پر امام بویطی رونق افروز ہوئے لیکن فتنۂ خلق قرآن کی وجہ سے وہ زیادہ عرصہ یہ خدمت انجام نہ دے سکے (۳) اور جب وہ امام احمد بن حنبل کے ساتھ پس دیوار زنداں جانے پر مجبور ہوئے تو پھر امام ربیع کو اس مسند پر آنا پڑا جسے کبھی امام شافعی کی جائے نشست ہونے کا شرف حاصل تھا لیکن امام ربیع فرط محبت وعقیدت سے کبھی امام شافعی کی جائے نشست پر نہیں بیٹھے، امام شافعی قبلہ رخ تشریف رکھتے تھے لیکن امام ربیع کی پشت جانب قبلہ رہتی تھی، اس طرح گویا وہ عالم تصور میں امام شافعی کے روبرو ہوتے تھے۔ (۴)

کچھ عرصہ بعد جب مصر کے علم پرور، حوصلہ مند اور نامور امیر احمد بن طولون نے ایک عظیم الشان مسجد جامع ابن طولون تعمیر کی تو اہل علم وفضل سے اس مسجد کو آباد کرنے کی درخواست کی، چنانچہ قاضی بکار نے اس میں سب سے پہلے نماز پڑھائی، ابویعقوب بلخی نے خطبہ دیا اور امام ربیع نے اس میں درس کے ساتھ حدیث کا املا کردیا، انھوں نے مسجد کے لیے ایک خوبصورت تختی بھی تیار کرائی، جس میں حدیث کے یہ الفاظ نقش تھے۔ (۵)

من بنی للّٰہ مسجداً ولو کمفحص قطاۃ بنی اللّٰہ لہ بیتاً فی الجنۃ۔ (٦)	جو اللہ کے لیے مسجد بنائے گا، جو چھوٹی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے ایک گھر بنائے گا۔

(۱) مرآۃ الجنان: یافعی ص ۸۷، امام لیث بن سعد نے اسی مسجد کے بارہ میں فرمایا تھا: کان مسجدنا ھذا فمن حدایق (۲) خطط مقریزی: ج ۴، طبقات: سبکی ج ۱ ص ۲۹ (۳) تاریخ بغداد: خطیب بغدادی ج ۱۴ ص ۳۰۳ (۴) توالی التاسیس عسقلانی: ص ۸۴ (۵) حسن المحاضرہ: سیوطی ص ۱۳۷ (٦) مفحص قطاۃ: وہ گڑھا جو سنگ خوار انڈے دینے کے لیے بناتا ہے۔

اس موقع پر ابن طولون نے امام ربیع کی خدمت میں ایک کیسۂ زر پیش کیا جس میں ایک ہزار سرخ دینار تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ امام ربیع کا حلقۂ درس اور ان کی شہرت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، امام مزنی اپنی تالیفات سے اور امام ربیع اپنے درس سے فقہ شافعی کی ترویج میں روز افزوں اضافہ کرنے لگے، امام نووی فرماتے ہیں کہ:

صارت الرواحل تشد الیہ من اقطار الارض لسماع کتب الشافعی (۱)	لوگ دور دور سے امام شافعی کی کتابوں کی سماعت کے لیے ان کے پاس کارواں در کارواں آنے لگے۔

محمد بن احمد طرائفی بغدادی کا بیان ہے کہ ایک روز ہم امام ربیع کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے دروازے پر تقریباً نو سو مسافر ایسے تھے جو دور دور سے امام شافعی کی کتابوں کی سماعت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ (۲)

امام بیہقی کی روایت ہے کہ ۲۴۰ھ میں امام ربیع نے حج کیا، وہیں ان کی ملاقات امام شافعی کے ایک اور ممتاز عراقی شاگرد اور ان کی فقہ قدیم کے سب سے بڑے راوی امام زعفرانی سے ہوئی، اثنائے گفتگو میں امام ربیع نے فرمایا: اے بوعلی (زعفرانی) تم مشرق میں اور میں مغرب میں اس علم (علم شافعی) کو عام کر کے رہیں گے۔ (۳)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محبوب استاد کے علم کو عام کرنے میں وہ کس قدر سنجیدہ، پرجوش اور مخلص تھے، امام سبکی کے الفاظ میں امام ربیع کے شاگردوں کی کثرت سے امام شافعی کے اس قول کی صداقت کہ میرے راوی تو ربیع ہیں، اظہر من الشّمس ہے۔ (۴)

امام ربیع کی نشستوں میں صرف کتاب الام الحجہ یا مبسوط کی روایت اور املا ہی محدود نہ تھا، امام شافعی کی شخصیت سے متعلق اہم، غیر اہم اور کلی وجزئی، ہر قسم کی باتوں کا ذکر

(۱) تہذیب الاسماء: نووی ص ۱۸۸، تاریخ التشریع الاسلامی: حضری ص ۲۶۱ (۲) تہذیب الاسماء: نووی ج ۱ ص ۴۸ (۳) ایضاً ص ۱۸۸-۱۸۹ (۴) طبقات: ج ۱ ص ۲۵۹

ان نشستوں میں ہوتا تھا، سیرت شافعی کا تقریباً نصف حصہ امام ربیع کی یادداشتوں پر منحصر ہے، سیرت ربیع کا مطالعہ کرنے والوں کو خود امام ربیع سے متعلق تفصیلات اگر کم ملتی ہیں تو یہ تعجب کی بات نہیں، ان مخلص حضرات کی ساری تگ و دو، محبوب استاد کی ذات اور تعلیمات کے لیے وقف تھی، انھیں اپنے استاد کے علم اور تفقہ پر اعتماد کامل تھا، چنانچہ امام ربیع فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث، تفسیر حدیث سے ناواقف تھے، یہاں تک کہ امام شافعی نے تفسیر حدیث کی بنیاد ڈالی (۱)، وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی صحیح معنوں میں عربی النسل اور عربی اللسان تھے (۲)، ایک موقع پر شاگردوں سے فرمایا کہ اگر تم لوگ امام شافعی کو دیکھتے تو کہہ اٹھتے کہ ان کی زبان کے سامنے ان کی یہ کتابیں کچھ نہیں، بخدا ان کی زبان ان کتابوں سے کہیں زیادہ فصیح و بلیغ تھی، البتہ وہ اپنی تالیفات میں اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ وہ عوام کے لیے واضح اور سلیس زبان میں ہوں۔ (۳)

ایک موقع پر فرمایا کہ تمام محدثین پر امام شافعیؒ کا احسان ہے، کسی نے دریافت کیا: وہ کیسے؟ فرمایا کہ اصحاب رائے اصحاب حدیث کا مذاق اڑاتے تھے، یہاں تک کہ امام شافعی نے انھیں علم سکھایا اور ان کے خلاف حجت قائم کی، وہ امام شافعی کے اس قول کی اکثر تکرار کرتے کہ کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے پناہ دے گی، اگر میں کسی حدیث نبویؐ کی روایت کروں اور پھر اس پر فتویٰ نہ دوں (۴)، یہ قول بھی امام ربیع نے اکثر نقل کیا کہ اگر تم میری کتاب میں حدیث نبوی کے خلاف کچھ پاؤ تو میرے قول کو بالکل ترک کردو اور حدیث کو اختیار کرو (۵)، اگر میں کسی صحیح حدیث کو نقل کروں لیکن اس پر فتویٰ نہ دوں تو گواہ رہو کہ میری عقل جاتی رہی۔ (۶)

ان اقوال سے جہاں امام ربیع کا فکری رخ متعین ہوتا ہے وہیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ امام شافعی اپنے شاگردوں کی ذہنی تربیت کس نہج پر کرتے تھے، ایک بار امام شافعی

(۱) توالی التاسیس: عسقلانی ص ۵۹ (۲) معجم المصنفین: ص ۲۶۹ (۳) معجم المصنفین: ص ۲۷۰
(۴) توالی التاسیس: ص ۶۳ (۵) ایضاً ص ۲ (۶) ایضاً ص ۶۱

نے امام ربیع سے فرمایا: میں نے تم کو اتنا سکھا دیا ہے، جو تمہیں ان شاء اللہ بے نیاز کر دے گا، لیکن یہ اصول یاد رکھو کہ کسی حدیث پر عمل مت ترک کرو، سوائے اس کے کہ اس حدیث کے مفہوم کے خلاف کوئی دوسری حدیث بھی موجود ہو، اختلاف احادیث کی صورت میں تطبیق کی امکانی فکر و کوشش کے بعد جو رائے قائم ہو اس پر عمل کرو۔(۱)

ایک مرتبہ فرمایا: اے ربیع! مسائل و استفتا کے جواب دو، خواہ اس میں خطا کا امکان ہو، کیوں کہ بغیر خطا کیے کوئی صحیح فیصلے نہیں کر سکتا، ان کے الفاظ ہیں:

اجب یاربیع فی المسائل فانہ لایصیب احد حتی یخطی(۲)	اے ربیع مسائل کا جواب دو کیوں کہ جب تک کوئی غلطی نہ کرے، صحیح جواب تک نہیں پہنچ سکتا۔

تربیت کے یہ وہ حکیمانہ اصول تھے جن سے آراستہ ہو کر امام ربیع اور ان کے دوسرے تلامذہ نے ایک مختصر عرصہ میں اپنے استاذ کے مسلک کو تقریباً سارے عالم اسلام میں رائج کر دیا۔

شعری ذوق: امام ربیع شاعر تو نہیں تھے لیکن امام شافعی جیسے باکمال اہل زبان بلکہ عربی شاعری کے مزاج داں کے فیض اثر سے وہ حسن ذوق اور سخن فہمی سے محروم بھی نہیں تھے، امام شافعی کے بہت سے اشعار ان سے منقول ہیں، امام سبکی اور ابن اثیر نے ان اشعار کو تفصیل سے بیان کیا ہے، یہاں صرف چار اشعار نقل کیے جا رہے ہیں، جنھیں امام شافعیؒ نے خاص طور سے امام ربیع کو سنایا تھا۔(۳)

صدیق لیس ینفع یوم بأس ۔۔۔ قریب من عدو فی القیاس
وما یبغی الصدیق بکل عصر ۔۔۔ ولا الاخوان الا للتاسی
عمرت الدھر ملتمسا بجھدی ۔۔۔ اخا ثقۃ فاکداہ التماسی
تنکرت البلاد علی حتی ۔۔۔ کان اناسھا لیسوا بناس

(۱) توالی التاسیس: ص ۶۲ (۲) تہذیب الاسماء: نووی ص ۱۸۹ (۳) طبقات کبریٰ: ج ۱ ص ۱۵۹

(ایسا دوست جو مصیبت کے وقت کام نہ آئے، سمجھو کہ وہ تقریباً دشمن ہے، ہر زمانہ میں دوستوں اور بھائیوں سے غمخواری کی آس رہتی ہے، ایک قابل اعتماد دوست کی تلاش میں زندگی گذری لیکن محرومی ہاتھ لگی، میرے لیے سارا شہر اجنبی ہے، گویا یہاں کے لوگ انسان ہی نہیں۔)

امام ربیع کے سوانح حیات میں جگہ جگہ امام شافعی سے متعلق اقوال واحوال نظر آتے ہیں لیکن یہ امام شافعی کے سوانح نگار کا فرض ہے کہ وہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پروئے۔

وفات: امام ربیع سے متعلق تو صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے عالی مرتبت استاد کا ایسا اثر قبول کیا کہ ان کی ساری زندگی استاد کے علم، فکر اور خیالات وعمل کا پرتو ہوگئی تھی، دوشنبہ ۲۰ر شوال ۲۷۰ھ-۸۸۴م میں علم وفضل کا یہ گل سرسبد مصر کی سرزمین میں آسودۂ خاک ہوگیا۔(۱)

مشہور قبرستان قرافہ میں تدفین ہوئی (۲)، اس وقت کے مصری حکمراں خمارویہ بن احمد بن طولون نے نماز جنازہ پڑھائی (۳) اور اس طرح امام شافعی کے اصحاب میں وہ سب سے آخری تھے جو اپنے محبوب استاد سے جا ملے، ابن خلکان نے حافظ منذری کے دو شعر نقل کیے ہیں جو انھوں نے امام ربیع کی وفات پر کہے تھے۔(۴)

صبرا جمیلا ما اسرع الفرجا   من صدق اللّٰہ فی الامور نجا
من خشی اللّٰہ لم ینلہ اذی   ومن رجا اللّٰہ کان حیث رجا

(صبر جمیل اختیار کرو، کشائش جلد ہی ہے، جو معاملات میں اللہ کی تصدیق کرے وہی نجات یافتہ ہے، جو اللہ سے ڈرتا ہے، اسے کوئی تکلیف نہیں اور جو اللہ سے پر امید رہتا

(۱) اعلام ج ا ص ۳۱۶، تہذیب التہذیب: ج ۳ ص ۲۵۴ (۲) وفیات: ابن خلکان ص ۳۲۷
(۳) طبقات: سبکی ج ا ص ۲۶۰ (۴) وفیات: ابن خلکان ص ۳۲۷ لیکن امام سبکی نے یہ اشعار خود امام مرادی سے منسوب کیے ہیں۔

ہے، اس کی امید پوری ہوکر رہتی ہے۔)

اولاد و تلامذہ: امام ربیع نے ورثہ میں ایک صاحبزادہ ابوالمعنی محمد کے علاوہ جوان کے بعد تین سال زندہ رہے (۱) تلامذہ و تالیفات کے گراں قدر خزانے چھوڑے، ان کے تلامذہ کی تعداد یوں تو ہزاروں سے بھی متجاوز ہے لیکن تاریخ نے جن چند جلیل القدر اور عالی مرتبت حضرات کے اسمائے گرامی محفوظ کرر کھے ہیں، ان میں ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوزرعہ، ابوحاتم، عبدالرحمن بن ابی حاتم، ابن خزیمہ، محمد بن جریر طبری، زکریا ساجی، طحاوی، محمد بن زیاد نیشاپوری، حسن بن حبیب مصایری، ابن صاعد ابوالفوارس، ابوالعباس اصم، محمد بن طرائف بغدادی، محمد بن ہارون رویانی، ابونعیم عبدالملک جرجانی، عبداللہ بن یوسف موصلی، ابن سیف، ابوبکر محمد بن احمد خلالی، عبداللہ بوشنجی، ابوالحسین اصفہانی (۲)، ابوسعید فریابی، محمد بن نصر مروزی، ابویعقوب اسفرائنی، ابوعبداللہ مردی، عثمان بن سعید انماطی، کنیز نوح بن منصور شیرازی جیسے ائمہ حدیث وفقہ ہیں، ان میں سے ہر ایک خود صاحب تذکرہ ہے، ایسے گلہائے رنگارنگ سے خود صاحب چمن کی گلستاں بکنار شخصیت کا اندازہ ارباب ذوق ونظر بخوبی لگا سکتے ہیں۔

تصانیف: ان کی تصانیف میں علامہ سیوطی نے کتاب الام، امالی اور مختصر ربیع کا ذکر کیا ہے، ایک اور کتاب اصول الفقہ کے نام سے بھی ہے، جو مصر سے شائع ہو چکی ہے (۳)، لیکن جیسا کہ علامہ سبکی نے کہا ہے یہ کتابیں دراصل امام شافعی کی ہیں، ربیع صرف ان کے راوی ہیں (۴)، ان کتابوں میں کتاب الام سب سے اہم، مکمل اور متداول کتاب ہے، اس کتاب کے بارہ میں علامہ عسقلانی کا خیال ہے کہ اس کے جامع بویطی ہیں لیکن وہ منسوب امام ربیع کی جانب ہے (۵)، صاحب کشف الظنون کے خیال کے مطابق کتاب الام کی

(۱) انھیں وراق ربیع بن سلیمان بھی کہا جاتا ہے، طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۱۹ (۲) حسن محاضرہ: ص ۱۲۲
(۳) معجم المطبوعات: سرکیس ج ۱ ص ۹۶۹ (۴) طبقات: سبکی ج ۱ ص، البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص ۲۵۲ (۵) معجم المصنفین

تصنیف کی نسبت بھی انہی کی طرف ہوگئی (۱)، لیکن ایک محقق کا یہ قول زیادہ صحیح ہے کہ کتاب الام میں امام شافعی کے اقوال کو پہلے امام بویطی نے جمع کرنا شروع کیا تھا لیکن اس کی تکمیل امام ربیع کے ہاتھوں سے ہوئی (۲)، تعجب ہے کہ امام الحرمین نے اسے امام شافعی کی کتاب قدیم بتلایا ہے، ابن اثیر نے اس قول پر حیرت کے اظہار کے بعد لکھا ہے کہ امام ربیع بالاتفاق اس کتاب کے راوی ہیں، چوں کہ وہ مصری ہیں اس لیے یہ کتاب امام شافعی کے قدیم اقوال پر مشتمل نہیں ہوسکتی۔ (۳)

صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کی پندرہ جلدیں گنائی ہیں لیکن ہمارے سامنے مصر سے شائع شدہ سات جلدوں میں مکمل کتاب الام موجود ہے، جس کے حاشیہ پر مختصر مزنی بھی درج ہے اور اب یہی متداول ہے، اس کتاب پر علاحدہ ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

امالی و مختصر ربیع کا اب کہیں ذکر نہیں ملتا۔

ابن ندیم کی تحقیق کے مطابق امام شافعی کی اصل کتاب مبسوط ہے (۴)، جس کے راوی امام ربیع ہیں، امام ربیع فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے اس کتاب کو صرف حافظہ کی مدد سے مرتب فرمایا تھا، اس کی تالیف کے وقت ان کے پاس کوئی دوسری کتاب نہ تھی (۵)، ابن ندیم نے اس کتاب کے تقریباً ۱۱۲ ابواب بھی شمار کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ مبسوط کے نام سے ایک اور مجموعہ امام زعفرانی کا بھی تھا اور یہ بالکل امام ربیع کی ترتیب کے مطابق تھا، لیکن لوگوں نے اس مجموعہ سے زیادہ رغبت کا اظہار نہیں کیا، فقہا کا عمل بھی اس پر نہیں رہا، فقہا کی معمول بہ کتاب امام ربیع کی مبسوط ہی رہی، ابن ندیم لکھتے ہیں کہ اب ہمیں زعفرانی کی مروی کتابوں کے عناوین لکھنے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ وہ اب کمیاب ہیں، اکثر حصہ

---

(۱) کشف الظنون: ج ۲ ص ۲۶۶ (۲) اختلاف الفقہا للطحاوی: معصومی ص ۱۲ (۳) البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۵۲ (۴) الفہرست: ابن ندیم ص ۲۹۵ (۵) معجم المصنفین ص ۲۹۸

ان کا نایاب ہے، پھر بعد میں انھیں دوبارہ لکھا بھی نہیں گیا(۱)، لیکن حیرت ہے کہ مبسوط کا ذکر حاجی خلیفہ نے نہیں کیا، دوسرے مورخین نے بھی مبسوط کا ذکر نہیں کیا، حالاں کہ ابن ندیم اسے سب سے اہم مانتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ کتاب الام کو یا اس کے بعض اجزا کو مبسوط کے نام سے تعبیر کر دیا گیا ہو، مجھے بھی کتب خانوں کی فہرست میں مخطوطات و مطبوعات دونوں میں یہ کتاب نہ مل سکی۔

امام ربیع سے روایت شدہ کتابوں میں مسند شافعی بھی ہے(۲)، اس کے بارے میں کبھی یہ خیال تھا کہ کتاب الام کا دوسرا نام ہی مسند شافعی ہے(۳)، لیکن یہ رائے صحیح نہیں تھی، چنانچہ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا کہ یہ امام شافعی کی کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ ابوجعفر محمد بن مطر نیشاپوری نے محمد بن یعقوب اصم، شاگرد ربیع سے کتاب الام کے بعض مباحث سنے اور نقل کیے، انہی کے مجموعہ کا نام مسند شافعی ہے۔(۴)

صاحب معجم المصنفین مولانا محمود حسن ٹونکی نے اپنے استاد شیخ الحدیث حسن بن محسن انصاری یمنی بھوپالی نزیل ہند سے امام ربیع تک اپنے سلسلۂ سند کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مسند شافعی، کتاب الام کے علاوہ ایک دوسری تصنیف ہے۔(۵)

لیکن شاہ عبدالعزیز دہلوی نے وضاحت سے لکھا ہے کہ مسند شافعی اصلاً ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے جنھیں امام شافعی اپنے شاگردوں کے سامنے سند کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے، کتاب الام اور مبسوط میں واقع ان احادیث بالاسناد کو امام ربیع سے سن کر ان کے شاگرد ابوالعباس اصم نے یکجا کر دیا، ان احادیث میں سوائے چار حدیثوں کے جو امام بویطی سے مروی ہیں، بقیہ کل احادیث کے راوی امام ربیع ہیں۔(۶)

اب یہ مسند مصر سے شایع شدہ کتاب الام کی چھٹی جلد کے حاشیہ پر زیور طبع سے

---

(۱) فہرست: ابن ندیم ص ۲۹۷ (۲) تاریخ التشریع الاسلامی: محمد خضری ص ۳۲۶ (۳) معجم المصنفین: ص ۳۰۴ (۴) کشف الظنون: ج ۲ ص ۱۶۸۳ (۵) معجم المصنفین: ص ۳۰۵ (۶) بستان المحدثین: شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۳

آراستہ ہوگئی ہے(۱)، اس کے طابع احمد بک حسینی نے لکھا ہے کہ شام کے ایک قدیم نسخہ کے مطابق اس کتاب کی اشاعت ہوئی، یہ مخطوطہ ائمہ محدثین کی سماعات واسانید سے بھی مزین ہے، سب سے آخری سماعت حدیث کا سال ۷۸۴ھ درج ہے۔(۲)

اس مطبوعہ مسند کی فہرست دیکھ کر شاہ عبدالعزیز دہلوی کی رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ یہ کوئی مرتب مسند نہیں(۳)، مثلاً کتاب الطلاق کے معاً بعد کتاب العتق اور پھر کتاب جراح العمد ہے، کتاب الجزیہ کے بعد کتاب اختلاف ملک والشافعی ہے، کتاب الاشربہ اور فضائل قریش کا باب ساتھ ساتھ ہے، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الحج اور کتاب الکسوف مکرر ہیں۔(۴)

کتاب الام کی ساتویں جلد کے حاشیہ پر امام ربیع سے مروی ایک کتاب اختلاف الحدیث بھی موجود ہے۔ امام ربیع اپنی روایت میں اس درجہ ثقہ سمجھے جاتے ہیں کہ اگر کسی روایت کے بارہ میں ان کے اور امام مزنی کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو امام مزنی کی جلالت شان، اصول فقہ سے زیادہ موافقت اور درایت وقیاس سے قربت کے باوجود اصحاب شافعی امام ربیع ہی کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں(۵)، علامہ سبکی نے مکاتیب کے ایک مسئلہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس میں گو درایت کے لحاظ سے امام مزنی کا قول اصح ہے لیکن ابن سریج کے قول کے مطابق صحیح صورت وہی ہے جو امام ربیع سے منقول ہے، امام الحرمین نے ابن سریج کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن سریج نے امام ربیع کی روایت کو تفقہ کے اعتبار سے درست نہیں سمجھا بلکہ روایتاً اسے زیادہ معتبر قرار دیا ہے۔(۶)

خود امام مزنی کا یہ حال تھا کہ اگر کبھی امام شافعی کی مجلس میں وہ شریک نہ ہو سکتے

---

(۱) کتاب الام: مطبوعہ مطبعہ امیریہ ۱۳۲۲ھ (۲) مسند شافعی: برحاشیہ کتاب الام ج ۶ ص ۲۸۰
(۳) بستان المحدثین ص ۳۰ (۴) مسند شافعی مذکور ص ۷ (۵) طبقات: سبکی ج ۱ ص ۲۵۹ (۶) طبقات: سبکی ج ۱ ص ۲۵۹

تو فوت شدہ مسائل کو حل کرنے میں امام ربیع کی کتاب سے ہی مدد لیتے۔(۱)

امام بویطی جو تقویٰ و تفقہ دونوں میں سب سے نمایاں ہیں، فرماتے ہیں کہ الربیع اثبت منی فی الشافعی ۔ربیع، امام شافعی سے روایت کرنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔(۲)

امام الائمہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں امام ربیع سے حدیث کی تخریج کی۔(۳)

امام بیہقی نے حاکم سے انھوں نے اصم سے اور اصم نے ربیع سے امام شافعی کی ایک روایت کو نقل کیا، اس سلسلۂ سند کو بیان کرنے کے بعد علامہ سبکی لکھتے ہیں کہ یہ ایسا سلسلۂ سند ہے کہ اگر کسی مجنوں دیوانہ پر پڑھ کر دم کیا جائے تو وہ اچھا ہو جائے۔(۴)

☆☆☆

(۱) ابن حجر عسقلانی: ج ۳ ص ۲۴۶ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) طبقات کبریٰ: ص ۳۴۰

ابوالقاسم انماطی

نام: عثمان بن سعید بن بشار نام، ابوالقاسم کنیت، انماطی نسبت سے مشہور ہوئے، احول بھی نسبت ہے، صاحب المزنی اور صاحب الربیع کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے(۱) ابوالقاسم انماطی کی کنیت ونسبت سے عبادی کو یہ خیال ہوا کہ ان کا نام حکم بن عمرو ہے، شوافع میں ایک صاحب محمد بن بشار کے نام سے بھی لوگوں کو غلط فہمی ہوئی، حالاں کہ محمد بن بشار کی کنیت بھی ابوالقاسم نہیں تھی، دراصل ابوالقاسم حکم بن عمرو حدیث کے راویوں میں سے ایک صاحب گذرے ہیں، جن کو بعض تذکرہ نگاروں نے غلطی سے ابوالقاسم انماطی سمجھ لیا(۲)، ابن ہدایہ نے انماطی کا نام عبداللہ بن احمد بن بشار بغدادی بھی لکھا ہے(۳)، انماطی کی نسبت انماط کی طرف ہے، یہ ایک قسم کا فرش ہے، قالین اور دریاں وغیرہ اس میں شامل ہیں، مصر والے ان فرشوں اور فرش فروشوں کو انماط اور انماطی کے نام سے یاد کرتے تھے (۴)، ابواسحاق شیرازی نے انماط کے لفظی معنی کی رعایت سے یہ نکتہ پیدا کیا کہ بغداد میں فقہ شافعی کی بساط ومسند بچھانے کا عمل، انماطی کے ذریعہ ہوا۔(۵)

انماطی کے اصل وطن اور سنہ پیدائش اور ابتدائی تعلیم ونشو ونما کے بارہ میں تذکرہ نگار خاموش ہیں، ان کے علمی وفقہی کارناموں پر بھی تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی گئی، ان کی ساری علمی وفقہی سرگرمیوں کا احاطہ صرف دو جملوں سے کیا گیا ہے، ایک تو یہ کہ:

کان للناس فیه منفعة (٦) لوگوں کے لیے ان کی ذات میں نفع وافادہ تھا

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج۲ص۳۰۱ (۲) ایضاً (۳) طبقات: مصنف ص۸ (۴) وفیات: ابن خلکان: ج۲ص۵۵۹ (۵) طبقات: مصنف ابن ہدایہ ص۸ (٦) طبقات کبریٰ: ج۲ص۳۰۱

دوسرے یہ کہ:

ھو الذی اشتھرت بہ کتب الشافعی ببغداد (۱)	وہ ایسے شخص ہیں جن کے ذریعہ سے امام شافعی کی کتابیں بغداد میں مشہور ہوئیں۔

افسوس ہے کہ ان کی شخصی وفقہی زندگی کی اصل معلومات پردۂ خفا میں ہیں، ورنہ فقہ شافعی میں وہ عظیم المرتبت فقیہ کے مرتبہ پر نظر آتے، انھوں نے امام مزنی اور امام ربیع مرادی سے فقہ شافعی کی تحصیل کی، ان دونوں حضرات کا جو مرتبہ ہے وہ صاحبان نظر سے پوشیدہ نہیں، انماطی نے ان دونوں اماموں سے اکتساب فیض کیا اور اس حد تک قریب رہے کہ بے شمار شاگردوں کے باوجود صاحب المزنی اور صاحب الربیع ہونے کا شرف صرف انماطی کو حاصل ہوا (۲)، ابو عاصم کہتے ہیں کہ انماطی کا رتبہ بغداد میں ایسا ہی تھا جیسا اہل نیشاپور کے لیے ابو بکر بن اسحاق کا، نیشاپور میں امام مزنی کے علم وفقہ کو ابو بکر بن اسحاق نے عام کیا اور بغداد میں اس فریضہ کی ادائی انماطی کے حصہ میں آئی، امام سبکی نے اس قول سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ابو عاصم کے قول سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ انماطی اور ابن اسحاق مرتبہ ومقام میں ایک ہی درجہ پر تھے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، جلالت شان، قدر ومنزلت اور علم وفقہ میں ابن اسحاق، انماطی سے فائق تھے لیکن انماطی کی شان اس طور پر زیادہ عظیم ہے کہ ان کے شاگردوں میں فقہ شافعی کے اساطین علما شامل ہیں۔ (۳)

تلامذہ: انماطی کو اگر اساتذہ میں مزنی وربیع جیسے فاضل فقہا سے استفادہ کا موقع ملا تو ان سے کسب نور کرنے والوں میں ابو بکر الشافعی، ابو سعید اصطخری، ابو علی بن خیران، منصور تمیمی، ابو حفص بن الوکیل البابشای جیسے طبقہ علیا کے فقہا شامل ہیں لیکن شاگردوں میں سب سے بڑی شخصیت جو استاد کے لیے باعث فخر بنی وہ مسلک شافعی کے شیخ المذہب ابو العباس بن سریج (۴)

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۲ص ۳۰۱ (۲) مرأۃ الجنان: ج ۲ص ۲۱۵ (۳) طبقات کبریٰ: ج ۲ص ۳۰۱

کی ہے، تقریباً سبھی تذکرہ نویسوں نے ابن سریج کے ان سے رشتۂ تلمذ کو بیان کیا ہے۔

وفات: انماطی کا انتقال شوال ۲۸۸ھ میں ہوا، تدفین بغداد میں ہوئی۔(۱)

حیرت کی بات ہے کہ ایسے جلیل القدر فقیہ کی کسی تحریر کی کہیں بھی نشان دہی نہیں کی گئی، نہ ان سے مسائل اور فوائد وغیرہ نقل کیے گئے۔

صرف ایک روایت ملتی ہے کہ ابوسعید اصطخری نے ان سے دریافت کیا کہ نص زیادہ اہم ہے یا اجتہاد، انھوں نے جواب دیا کہ نص! ابوسعید اصطخری نے پھر پوچھا کہ کیا نبی کریمؐ نے شعیر (جو) پر نص بیان نہیں کی، جب کہ گیہوں پر نہیں بیان کی، آپ کا کیا خیال ہے، اگر آپؐ کی غذا گیہوں تھی تو کیا جو نکالنا آپ کے لیے جائز ہوتا؟ انماطی نے جواب دیا کہ یہ جائز نہیں ہوتا! اصطخری نے کہا تو پھر آپ نے نص پر اجتہاد کو مقدم کر دیا، اتنے میں ابن سریج آ گئے، انماطی نے ان کو اشارہ کیا کہ وہ جواب دیں، انھوں نے کہا کہ نص کو ایسے اجتہاد پر مقدم کیا جائے گا جس میں احتمال کا امکان ہو لیکن جس چیز پر نص واقع ہو رہی ہے وہ اپنے سے اعلیٰ کی جانب اشارہ کر رہی ہے تو پھر اجتہاد کو اس پر مقدم کیا جائے گا جیسے ضرب مع التالیف (تالیف قلب کے ساتھ زدوکوب) ہے۔

اسی لیے حضورؐ نے عید کے دن میں صدقہ فطر نکالنے میں اسی بات کا لحاظ رکھا اور شعیر (جو) کو قوت (غذا) قرار دیا لیکن اگر انسان کی غذا گیہوں ہے تو اس کے لیے جو کا نکالنا جائز نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر جو غذا ہے اور وہ گیہوں کو نکالتا ہے تو یہ جائز ہے کیوں کہ یہ اس سے اعلیٰ ہے۔

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۳۰۲

امام ابومحمد مروزی

امام ابومحمد مروزی کے حالات بھی نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، مگر چوں کہ وہ امام محمد ابن خزیمہ اور امام ابواسحاق مروزی جیسے جلیل القدر ائمہ فن کے استاد ہیں اور امام مزنی و امام ربیع مرادی کے شاگرد ہیں اور مرو کے علاقہ میں فقہ شافعی کو اول اول فروغ دینے والے ہیں اس لیے ان کا ذکر ان صفحات میں ضروری سمجھا گیا۔

نام: عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ نام ہے، ابومحمد کنیت ہے اور مروی نسبت سے مروزی کہلاتے ہیں، عبداللہ سے زیادہ وہ عبدان کے نام سے مشہور ہوئے، امام سبکی، امام ذہبی اور سب سے بڑھ کر خطیب بغدادی نے عبدان بن محمد ہی لکھا ہے لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ صحیح نام عبداللہ ہے جیسا کہ ابن شہبہ اور امام ابن العماد حنبلی اور یاقوت حموی کا قول ہے(۱)، امام سمعانی نے عبیداللہ نام نقل کیا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ عبدان اگرچہ لقب ہے لیکن شہرت اسی کو ملی۔(۲)

پیدائش: وہ عرفہ کی شب ۲۲۰ھ میں جنوجرد میں پیدا ہوئے، یہ مرو کا ایک قصبہ تھا اور نیشاپور جانیوالی شاہراہ پر پہلی منزل پر واقع تھا، یاقوت حموی نے ۶۱۴ھ میں اس کو دیکھا تھا، اس وقت وہاں عمدہ اور بڑے بازار، خوبصورت عمارتیں، نہایت کشادہ جامع مسجد اور باغات تھے، اسی قصبہ جنوجرد کی ایک اور بڑی ہستی ابوالحسن سورۃ بن شداد جنوجری ہیں جنھوں نے تابعین میں ابویحییٰ زرنی بن عبداللہ الموذن صاحب انس بن مالک وسفیان ثوری سے روایت حدیث کی۔

---

(۱)طبقات شہبہ: ج۱ص۳۴ وشذرات الذہب: ج۲ص۲۱۵ ومعجم البلدان: ج۳ص۱۵۳ (۲)طبقات کبریٰ: ج۲ص۵۰

نشوونما: خاندان اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے حالات نہیں ملتے ہیں، مگر ایک علم پرور قصبہ کے ماحول اور پھر مرو میں علوم دینیہ کی نشر واشاعت سے وہ یقیناً متاثر ہوئے، میں نے یقیناً اس لیے لکھا کہ ایک واقعہ سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ امام احمد بن سیار جو مرو میں امام المحدثین تھے اور اس پایہ کے تھے کہ ان کو عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر محدث کے ہم پلہ محدثین میں شمار کیا جاتا ہے، وہ امام شافعی کے علم اور کتابوں کو جب پہلی بار مرو لائے تو وہاں کے لوگوں کو یہ کتابیں بہت پسند آئیں، بعض لوگوں نے مزید کتابوں کے لیے چاہا کہ کوئی لائق شخص مصر جا کر ان کتابوں کو نقل کر کے لے آئے تو اس کام کے لیے لوگوں کی نگہ انتخاب ہمارے امام ابو محمد مروزی پر پڑی لیکن ان کی اس رائے سے امام احمد بن یسار نے اتفاق نہیں کیا۔ (۱)

اس واقعہ کی اور تفصیلات کا ذکر ہم بعد میں کریں گے، یہاں صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ امام ابو محمد مروزی، بہت جلد اس مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اعلیٰ علمی کاموں کے لیے لوگوں کی نظریں اُن پر اُٹھتی تھیں۔

شیوخ اور اساتذہ: انھوں نے جن شیوخ سے حدیث کا علم حاصل کیا اور سماعت و روایت کی، ان میں قتیبہ بن سعید، علی بن حجر، ابو کریب محمد بن العلا، اسحاق بن راہویہ، عمار بن حسن رازی، موثرہ بن محمد المنقری، عبدالجبار بن العلا، عبداللہ بن محمد الزہری المکیین، محمد بن بشار محمد بن المثنیٰ، اسماعیل بن مسعود الجحدری، نبدار، جویریہ اور عبداللہ بن منیر وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ (۲)

مصر کا سفر: ان کی علمی زندگی میں تابنا کی مصر کے سفر و قیام سے آئی، مصر کے سفر کی وجہ وہ واقعہ ہے جس کی کچھ تفصیل ہم نے اوپر لکھی کہ مرو والوں نے چاہا تھا کہ یہ مصر جائیں اور امام شافعی کی کتابوں کو نقل کر کے لے آئیں لیکن امام احمد بن یسار محدث مرو نے اس رائے

طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۵۱ (۲) تاریخ بغداد: تذکرۃ الحفاظ: شذرات الذہب: طبقات شہبہ: وسبکی اور معجم البلدان وغیرہ مذکورہ حوالوں کے ساتھ۔

سے اتفاق نہیں کیا، تاہم امام ابومحمد مروزی کے دل میں مصر کے سفر کا جوشوق و ولولہ پیدا ہوا، وہ تیز تر ہوتا گیا، یہاں تک کہ انھوں نے جنوجرد میں اپنی جائداد کو فروخت کر دیا اور علم کی جستجو میں مصر تشریف لے گئے۔

امام مزنی و امام مرادی سے تعلق: مصر میں اس وقت تشنگان حدیث وفقہ، امام مزنی و امام ربیع مرادی کے سرچشموں سے سیراب ہو رہے تھے، چنانچہ امام مروزی نے فقہ شافعی کی تحصیل ان ہی دو نامور ترین بزرگوں سے کی اور اس طرح کہ خود فقہ شافعی میں ماہر ہوگئے (۱) یہاں انھوں نے امام شافعی کی تمام کتابیں نقل کیں اور امام سبکی کی روایت کے مطابق ان دونوں حضرات کے علاوہ ان کو بہت سے ایسے مشائخ اور علما سے ملاقات کرنے اور ان سے نفع و فیض حاصل کرنے کا موقع ملا جو ان سے پہلے ان کے کسی ہم وطن کو نصیب نہ ہوا تھا (۲)، اس کے بعد انھوں نے شام وعراق کا بھی علمی سفر کیا، بغداد میں انھوں نے مقاتل بن حیان وغیرہ سے کتاب التفسیر کی روایت کی (۳)، اس طرح وہ کامل ہوکر اپنے وطن واپس آئے۔

ابن یسار کی معذرت: علمی فتوحات کے ساتھ جب وہ مرو واپس آئے تو امام احمد بن یسار بقید حیات تھے، وہ باوجود اپنے درجۂ بلند اور کبر سنی کے خود ان کے پاس تشریف لائے اور مبارک بادی اور پہلے انھوں نے جو انکار کیا تھا اس کے لیے معذرت بھی کی، امام ابومحمد مروزی نے کہا کہ آپ معذرت نہ کریں، یہ تو آپ کا احسان ہے، ورنہ اگر مجھے چند کتابوں کے لیے مصر بھیج دیا جاتا تو شاید میں اسی پر اکتفا کر لیتا اور اب جو یہ موقع ملا وہ اس وقت مجھے نہ ملتا، امام احمد بن یسار اس سعادت مندانہ جواب سے خوش ہوئے۔ (۴)

مرو میں قیام: مصر سے واپسی کے بعد وہ مرو میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے اور اس طرح فقہ شافعی کو انھوں نے اس علاقہ میں بہت فروغ دیا، مصر سے وہ

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ج ۲ ص ۲۵۶ (۲) طبقات کبریٰ (۳) تاریخ بغداد: ج ۱۱ ص ۱۳۵ (۴) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۵۱

امام مزنی کی کتاب المختصر اپنے ساتھ لائے تھے، اس کتاب کو سب سے پہلے ان ہی نے عام کیا(۱) اور امام احمد بن یسار کے بعد فتاویٰ میں وہی مرجع انام ہوئے۔(۲)

مرتبہ و مقام: ان کی علمی شان اسی سے ظاہر ہے کہ وہ اہل مرو کے محدثین وفقہا کے امام تھے، یاقوت حموی نے تو ان کو دنیا کے اماموں میں سے ایک شمار کیا ہے۔(۳)

فضائل میں ان کے زہد کو خاص طور سے بیان کیا گیا ہے، امام سبکی نے لکھا ہے کہ ان کا نام حفظ اور زہد میں ضرب المثل ہو گیا تھا(۴)، امام خطیب بغدادی نے لکھا کہ وہ ثقہ، حافظ، صالح اور زاہد تھے(۵)، ان کی چار امتیازی خوبیوں کو بیان کیا گیا کہ وہ فقہ، حدیث، اجتہاد اور ورع وتقویٰ میں نمایاں تھے(۶)، ایک بار سفر حج کی راہ میں نیشاپور میں رکے ہوئے تھے، جہاں ان کے شاگرد اور نامور محدث امام ابن خزیمہ درس وافتا کی مسند پر متمکن تھے، اس عرصہ میں امام ابن خزیمہ استفتا کے تمام کاغذات امام ابومحمد مروزی کی خدمت میں پیش کر دیتے اور یہ فرماتے تھے کہ میں اس شہر میں فتویٰ نہیں دے سکتا، جہاں میرے استاد موجود ہوں(۷)، اس واقعہ سے امام ابومحمد مروزی کی جلالت شان کے ساتھ امام ابن خزیمہ کا پاکیزہ اور ارفع کردار بھی ظاہر ہے کہ وہ اپنے استاد کے اکرام وتعظیم کا کس قدر لحاظ کرتے تھے۔

وفات: وہ عرفہ کی شب میں پیدا ہوئے تھے اور عرفہ ہی کی رات میں ان کا انتقال ہوا، سن وفات ۲۹۴ھ ہے، اس طرح تقریباً ۷۳ برس کی عمر پائی۔

کتابیں: ان کی تصنیفات میں دو کتابوں کے نام ملتے ہیں، ایک تو کتاب المعرفت ہے جو تقریباً سو حصوں میں تھی، دوسری کتاب الموطا ہے لیکن شاید یہ کتابیں جلد ہی نایاب ہو گئیں کیوں کہ علامہ چلپی نے بھی ان کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔

---

(۱) طبقات کبریٰ: وطبقات شہبہ: ج۱ص۳۴ (۲) تذکرۃ الحفاظ: ج۲ص۲۵۶ (۳) معجم البلدان: ج۳ص۱۵۳ (۴) طبقات کبریٰ: حوالہ مذکورہ (۵) تاریخ بغداد: ج۱۱ص۱۳۵ (۶) طبقات حوالہ مذکورہ (۷) طبقات شہبہ: ج۱ص۳۴

تلامذہ: البتہ ان کے شاگردوں کی وجہ سے ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا، ان سے استفادہ کرنے والوں اور روایت کرنے والوں میں عمرو بن علک، ابوحامد ابن الشرقی، ابوالعباس دغولی، یحییٰ بن محمد العنبر ی، ابواحمد غسال، قاضی احمد بن کامل اور قاضی عبدالباقی بن قانع وغیرہ نامور محدثین اور فقہا ہیں۔(۱)

مروزیوں میں ابوبکر بن محمد محمودی، ابوالعباس سیاری اور ابواسحاق خالد آبادی وغیرہ ان کے خاص شاگرد ہیں۔(۲)

لیکن ان کے سب سے نامور شاگردوں میں امام محمد ابن خزیمہ، امام ابواسحاق مروزی اور ابوالقاسم طبرانی ہیں، آخرالذکر سے ان کی ملاقات حج کے دوران مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی (۳)، ان حضرات نے خاص کر ان سے فقہ کے علوم حاصل کیے۔

اقوال ومسائل: ان کے اقوال ومسائل کے متعلق ہم کو واقفیت نہیں، امام سبکی کی یہ عادت ہے کہ وہ ائمہ کے احوال کو نقل کرنے کے بعد ان سے مروی بعض اقوال، مسائل، غرائب یا اشعار وغیرہ ضرور نقل کر دیتے ہیں، مگر امام ابومحمد مروزی کے حالات میں انھوں نے بھی کچھ ذکر نہ کیا، البتہ امام رافعی نے بقول ابن شہبہ کچھ مسائل نقل کیے ہیں (۴) مگر وہ ہماری دست رس سے باہر ہیں۔

---

(۱) طبقات کبریٰ وتذکرۃ الحفاظ وتاریخ بغداد بحوالہ سابق (۲) طبقات کبریٰ (۳) تذکرۃ الحفاظ: ج۲ ص ۵۶ (۴) طبقات ابن شہبہ: ج ا ص ۳۴

امام محمد بن نصر مروزی

نام و پیدائش: اپنے عہد کے فقیہ، عابد، عالم اور فن حدیث میں بے نظیر (۱) امام محمد بن نصر کی کنیت ابو عبداللہ ہے، مروزی آبائی وطنی نسبت ہے، ۲۰۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، لیکن تعلیم و تربیت نیشا پور میں ہوئی، عہد جوانی کا اکثر حصہ علم کی طلب و جستجو میں گذرا، اس کے لیے انھوں نے بلاد اسلامیہ کے بیشتر مقامات کا سفر کیا، مستقل سکونت، سمرقند میں اختیار کی، اپنی اس دربدری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ خدا جانے موت کہاں آئے۔ (۲)

اساتذہ و شیوخ: چوں کہ کثرت سے سفر کیے تھے (۳)، اس لیے ان کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں سے چند نام نمایاں ہیں مثلاً ہشام بن عمار، ہشام بن خالد، میسب بن واضح، یحییٰ بن یحییٰ، علی بن بحر القطان، عمرو بن زرارہ، علی بن حجر، ہدبہ بن خالد، عبدان بن عثمان مروزی، صدقہ بن فضل مروزی، ابو قدامہ، سرخی، محمد بن بشار، ابراہیم بن المنذر، عبیداللہ بن معافر عنیری، محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب، ابو کامل مجدری، ابن المثنیٰ اور شیبان وغیرہ (۴)، ان کے علاوہ خراسان، عراق، حجاز، شام اور مصر کے دوسرے بہت سے لوگوں سے سماعت حدیث اور روایت حدیث کی۔ (۵)

فقہ شافعی سے وابستگی: برسہا برس علوم حدیث کی تحصیل میں گزارنے کے بعد بھی وہ امام شافعی اور ان کے مکتب فکر سے کچھ زیادہ متاثر نہیں تھے لیکن ایک خواب نے ان کو امام

---

(۱) طبقات جدید: سبکی ج ۲ ص ۳۴۷ (۲) تاریخ بغداد: خطیب ج ۳ ص ۳۱۵ (۳) تہذیب الاسماء: نووی ج ۱ ص ۹۲ (۴) البدایہ والنہایہ: ابن اثیر ج ۱ ص ۱۰۳ (۵) ایضاً و طبقات: سبکی ابن ہدایہ ج ۱

شافعی کے علم و مسلک کا شیفتہ بنا دیا، وہ خود کہتے ہیں کہ میں مسجد نبویؐ میں بیٹھا تھا کہ اچانک غنودی سی طاری ہوئی، میں نے نیند میں آنحضورؐ کی زیارت کی اور خود بخود سوال کیا کہ کیا میں ابوحنیفہ کے مسلک کو اختیار کروں، آپؐ نے فرمایا: نہیں، پھر عرض کیا کہ کیا امام مالک کی رایوں کو لکھوں، آپؐ نے فرمایا: ان رایوں کو قبول کرو جو میری حدیث کے موافق ہو، میں نے پھر پوچھا کہ کیا امام شافعی کی آرا کو اختیار کرو، یہ سن کر حضورؐ نے غصہ کے عالم میں سر مبارک کو جنبش دی اور فرمایا کہ تم رائے کہتے ہو، وہ رائے نہیں ہے وہ میری سنت کے مخالفوں کا رد ہے، امام محمد بن نصر نے اس جواب کے بعد مصر کا رخت سفر باندھا اور وہاں امام شافعی کی کتابوں کا علم حاصل کیا(۱) اور خوش قسمتی سے ان کو امام شافعی کے نامور ترین شاگردوں امام ربیع بن سلیمان مرادی اور یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی ابن عبدالحکم اور حارث محاسبی سے فقہ شافعی کے اخذ و استفادہ کا موقع ملا، اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ وہ فقہ شافعی میں صف اول کے فقہا میں شمار ہوئے۔

جلالت شان: ان کی فقہی جلالت شان کے بارہ میں خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ وہ علوم اختلاف صحابہ اور ان کے بعد کے علوم احکام سے سب سے زیادہ واقف ہیں، اس کے ساتھ ہی فن حدیث میں ان کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے وہ محمد بن اسحاق دبوسی کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ امام محمد بن نصر، علوم حدیث میں سمندر کی طرح بے کراں تھے(۲) امام نووی ان کو الامام البارع العلامہ فی فنون العلم کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں(۳)، امام یافعی ان کو فقہ و حدیث کے ساتھ ساتھ زہد و عبادت میں بھی ممتاز شمار کرتے ہیں، وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان کے عہد میں فقہائے شافعیہ میں ان کا کوئی نظیر و مثیل نہیں تھا۔(۴)

(۱) تہذیب الاسماء: نووی ج ا ص ۹۲، تعجب ہے کہ بالکل ایسا ہی ایک خواب ابوجعفر ترمذی نے دیکھا، اس خواب میں بعینہ یہی الفاظ ہیں جو امام مروزی سے منسوب ہیں اور خطیب، شیرازی، سبکی اور ابن ہدایہ نے بغیر کسی تعلیق کے دونوں جگہ ان خوابوں کا ذکر کیا ہے۔ (۲) تاریخ بغداد: خطیب ج ۳ ص ۳۱۶ (۳) تہذیب الاسماء: نووی ج ا ص ۹۳ (۴) مرآۃ الجنان: یافعی ج ا ص ۲۲۳

حدیث میں وہ ثقہ تھے(۱)،لیکن حدیث میں ان کے مرتبہ کو سب سے زیادہ خراج تحسین ابن الاخرم نے پیش کیا ہے،ان کے قول کے مطابق جتنے لوگوں نے سنن کو جمع اور مرتب کیا اور جو مفاہیم سنن کے عالم ہوئے اور صحت احادیث کے ماہر ہوئے اور مختلف فیہ مسائل کے جامع ہوئے،ان میں سب سے برتر و فائق محمد بن نصر مروزی ہیں،ابن الاخرم یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی حدیث نبوی یا اثر صحابہ کسی اور کے پاس نہیں ہے،صرف محمد بن نصر مروزی کے پاس روایت موجود ہے تو یہ بعید از صدق نہیں ہے۔(۲)

فقہ میں ان کا مرتبہ: فقہ میں ان کا یہ درجہ ہے کہ ابوبکر صیرفی کہتے ہیں کہ اگر امام مروزی نے صرف کتاب القامہ ہی لکھ دی ہوتی تو ان کا شمار افقہ الناس میں ہوتا(۳) حدیث و فقہ کی اس شاندار جامعیت کو ابو اسحاق شیرازی نے یہ لکھ کر ظاہر کیا کہ امام مروزی نے ایسی کتابیں لکھی ہیں جو حدیث و فقہ کا خوبصورت امتزاج ہیں،وہ واقعی احکام و مسائل کی واقفیت میں سب سے بڑھ کر تھے(۴)،ان کے زمانہ کے اور علما سے جب کوئی اہم مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ بھی یہی کہتے کہ اس مسئلہ کو امام مروزی سے دریافت کرو،اس دور کے علما و فقہا میں یہ قول مشہور تھا کہ آسمان خراسان کے ستارے چار ہیں:ابن المبارک،یحیٰی بن یحیٰی، اسحاق بن راہویہ اور محمد بن نصر مروزی(۵)،ابوذر بن یوسف القاضی کہتے تھے کہ امام مروزی ہمارے مشائخ میں گل سرسبد کے مانند ہیں لیکن خراسان کے علاوہ دوسرے علاقوں کے لوگ بھی اپنے علاقوں سے ان کا انتساب کرتے تھے اور اس پر فخر محسوس کرتے تھے، مثلاً امام مروزی کے قیام مصر کی وجہ سے محمد بن عبدالحکم جو فقہ میں امام مروزی کے شیخ تھے ان کو امام مصر کہتے تھے۔(۶)

عمدہ قول: لیکن اس باب میں عمدہ قول سلیمانی کا ہے،جو یہ کہتے ہیں کہ محمد بن نصر،امام الائمہ

(۱) تقریب التہذیب:عسقلانی (۲) طبقات:سبکی ج۲ ص۲۴۸ (۳) تاریخ:خطیب و تہذیب:نووی (۴) طبقات:شیرازی (۵) تہذیب الاسماء:نووی و طبقات:سبکی (۶) طبقات:سبکی حسن المحاضرہ: سیوطی ج۱ ص۱۴۴

ہیں اور قسام ازل کی جانب سے بہرۂ توفیق سے مالا مال ہیں۔(۱)

حسن عمل: حدیث وفقہ میں احسن مقام کے ساتھ ان کو حسن عمل اور حسن سیرت سے بھی حصہ ملا تھا، نہایت حسین تھے، سرخ وسفید اور شاداب، محسوس ہوتا تھا کہ رخ پر انار کے دانے بکھرے ہوئے ہیں اور گالوں پر گلاب کھلے ہیں، ڈاڑھی سفید تھی اور نہایت جاذب نظر تھی (۲) اس کے ساتھ ابوبکر احمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ نماز کی خوش ادائی اور حسن قیام وقعود میں ان سے بہتر کسی اور کو نہیں دیکھا، ایک بار نماز کی حالت میں ایک بھڑ نے ان کی پیشانی پر اس زور سے کاٹا کہ خون نکل آیا لیکن انھوں نے جنبش تک نہ کی، ابن الاخرم نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور بجائے پیشانی کے کان کا ذکر کیا ہے، پھر وہ کہتے ہیں کہ نماز میں ہم ان کے حسن ادا، خشوع اور ہیبت صلوٰۃ پر تعجب کرتے تھے، وہ اپنی تھوڑی کو سینہ کی جانب گویا ملائے رکھتے تھے اور اس طرح سیدھے کھڑے رہتے تھے، گویا کوئی چوب مستقیم کہیں نصب ہے۔(۳)

فنافی العلم: نماز کی طرح وہ فنافی العلم بھی تھے، ایک صاحب چالیس برس تک ان کی نشست میں بیٹھے لیکن ان کا کہنا ہے کہ اس طویل مدت میں بجز علم کے کسی اور موضوع پر گفتگو نہیں سنی(۴)۔

جودوسخا: علم وعبادت کا طبعی خاصہ دنیا سے بے رغبتی اور استغنا ہوتا ہے اور اس کا اظہار جودوسخا کے مظاہر سے ہوتا ہے، چنانچہ امام مروزی اس معاملہ میں بھی ممتاز تھے، ان کے زمانہ میں خراسان کا والی اسماعیل بن احمد تھا، وہ ان کا بڑا معتقد اور معترف تھا، وہ ان کو سالانہ چار ہزار درہم نذرانہ دیا کرتا تھا، اسی کے ساتھ اپنے بھائی اور دوسرے امرائے خراسان سے بھی آٹھ ہزار درہم دلایا کرتا تھا لیکن محمد بن نصر مروزی، ان درہموں کو بغیر اپنے گھر والوں

---

(۱) طبقات: سبکی، حسن المحاضرہ: سیوطی ج ۱ ص ۱۴۴ (۲) طبقات: سبکی، البدایہ: ابن اثیر ص ۱۰۳
(۳) تہذیب نووی، طبقات: شیرازی، شذرات الذہب: ابن عماد حنبلی ج ۲ ص ۲۱۷ (۴) تاریخ بغداد: خطیب ج ۳ ص ۳۱۶

کی پرواہ کئے ہوئے خلق خدا پر خرچ کر دیتے تھے، ایک بار ان سے کہا گیا کہ کسی موقع یا کسی خاص وقت کے لیے ان کو جمع رکھئے تو فرمایا: سبحان اللہ، میں برسوں مصر میں رہا اور میری غذا لباس، کاغذ، قلم اور ساری ضروریات پر سال میں صرف بیس درہم خرچ ہوتے تھے، اس وقت بھی کچھ باقی نہیں رہتا تھا تو یہ بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ (۱)

غیب سے دستگیری: مصیبت کے دنوں کو یاد کرتے تھے، ایک بار فرمایا کہ میں مصر سے روانہ ہوا، میرے ہم راہ باندی تھی، بحری راستہ کا سفر تھا، کشتی ڈوبی، میرے پاس دو ہزار جزو (رسالے) تھے وہ ضائع ہو گئے، فذهب منی الفاجزء کسی راستہ سے ایک ویران جزیرہ میں پہنچ گئے، پیاس بہت سخت تھی اور پانی دور دور نہیں تھا اور صرف موت کا انتظار تھا کہ اچانک ایک شخص آیا، اس کے ساتھ مشکیزہ تھا، اس نے کہا: لو پیو، میں نے خوب پیا، جان میں جان آئی لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا بندہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا (۲)، اسی قسم کی دست گیری کا ایک واقعہ اور بھی بیان کرتے تھے کہ ایک بار چار ہم عصر و نامور ہم نام محمد یعنی ابن خزیمہ، ابن ہارون رویانی، ابن جریر اور یہ خود ایک سفر میں اکٹھا ہوئے، راستہ میں زاد سفر ختم ہو گیا، کچھ بھی باقی نہ رہا، فاقہ کی نوبت آ گئی، آخر کار یہ طے پایا کہ قرعہ اندازی ہو، جس کا نام آئے وہ جائے اور کہیں سے قوت لایموت کا انتظام کرے، قرعہ میں ابن خزیمہ کا نام آیا، انھوں نے نماز استخارہ کی نیت کی، نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ دروازہ پر والی مصر کا فرستادہ آ موجود ہوا، اس نے چاروں کو نام بنام دریافت کیا اور ہر ایک کو پچاس دینار کی تھیلی دی اور کہا کہ امیر آرام کر رہے تھے کہ خواب میں کسی کو کہتے ہوئے سنا کہ محامد (چاروں محمد) بھوک سے نڈھال ہیں، اس نے فوراً یہ تھیلی بھیجی اور قسم دے کر کہا کہ جب یہ دینار ختم ہو جائیں تو آپ میں سے کوئی آ کر پھر خدمت لے سکتا ہے۔ (۳)

---

(۱) تاریخ بغداد، تہذیب الاسماء، البدایہ والنہایہ وغیرہ (۲) طبقات: سبکی، شیرازی، ابن ہدایہ اور شذرات: ابن عماد (۳) اس واقعہ کو ابن اثیر نے قدرے فرق کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ چاروں ایک گھر میں حدیث کی کتابت کر رہے تھے، اس روزان کے پاس (بقیہ حاشیہ ص ۱۳۴ پر)

امام محمد بن نصر مروزی جس عہد اور دور سے تعلق رکھتے ہیں، اس عہد میں رویا و مبشرات کا تذکرہ علم وفضل کے ذکر کے ساتھ ساتھ عام طور پر کیا جانے لگا، اس لیے ان کے حالات میں ایسی کئی روایتیں موجود ہیں، اسی قسم کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ سمرقند میں

ایک خواب: والی خراسان کا دربار لگا ہوا تھا، اتنے میں امام مروزی تشریف لائے، والی خراسان ان کی تعظیم میں دربار میں کھڑا ہو گیا، امام مروزی کے جانے کے بعد والی خراسان کے بھائی اسحاق نے اپنے بھائی سے ناخوشگوار لہجہ میں کہا کہ آپ والی خراسان ہیں، آپ کی رعایا میں ایک شخص آپ کے پاس آیا تو آپ اس کے لیے کھڑے ہو گئے، اس سے حکومت کا وبدبہ ختم ہوتا ہے، والی خراسان اسماعیل بن احمد پر اس بات سے ایک بوجھ سا رہا، رات کو سویا تو آنحضورؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ تشریف لائے ہیں، آپ نے اسماعیل کا ہاتھ دست مبارک میں لیا اور فرمایا: اے اسماعیل! تم نے محمد بن نصر کی تعظیم کی تو تمہارے اور تمہارے بیٹوں کے لیے اس ملک کی بادشاہت یقینی ہے، اسحاق نے ان کا استخفاف کیا تو اس سے اور اس کے بیٹوں سے بادشاہت جاتی رہی (۱)، چنانچہ اس بشارت کی برکت سے اسماعیل اور اس کے بیٹوں کی حکومت ایک سو بیس سال سے زیادہ تک قائم رہی۔ (۲)

انتقال: امام مروزی کا انتقال محرم ۲۹۴ھ میں سمرقند میں ہوا (۳)، اپنے مولد نیشاپور سے نکلنے اور بغداد و سمرقند میں ایک عرصہ گذارنے کے بعد وہ چاہتے تھے کہ نیشاپور میں ہی رہ جائیں، چنانچہ اس غرض سے انھوں نے شرکت مضاربت میں تجارت شروع کر دی، کاروبار کا انتظام ان کے شریک تجارت کرتے تھے، یہ خود علم و عبادت میں مشغول رہتے،

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ) کچھ بھی نہیں تھا، چنانچہ پھر قرعہ اندازی ہوئی، ابن اثیر نے نائب امیر کا نام بھی لکھا ہے، یہ امیر احمد بن طولون تھا، ابن اثیر نے بجائے دو سو دینار کے ایک ہزار کی رقم لکھی ہے، بعد میں اس مکان کو ابن طولون نے خرید لیا اور اسے مدرسہ حدیث بنا دیا، البدایہ ج ۱ ص ۱۰۳ (۱) تاریخ بغداد: خطیب، تہذیب: نووی، مرآۃ الجنان: یافعی وغیرہ (۲) تہذیب: نووی (۳) طبقات: سبکی ج ۲ ص ۲۵۰

لیکن پندرہ برس کے بعد سرزمین سمرقند نے جذب طلب میں زور کیا، نتیجہ میں وہ پھر سمرقند تشریف لے گئے اور تادم حیات وہیں کے ہوکر رہے۔(۱)

اولاد ظاہری: اولاد ظاہری کا ذکر تفصیل سے نہیں کیا گیا، تاہم ایک صاحبزادہ اسماعیل کا نام آتا ہے اور اس حکایت کے ساتھ آتا ہے کہ امام مروزی نے اپنے کبرسن میں اولاد کے لیے دعا کی، یہ دعا پوری ہوئی اور جوں ہی ان کو بیٹے کی پیدا ہونے کی خوشخبری ملی، انھوں نے دعائے براہیمی سے اپنے جذبات کا اظہار کیا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ إِسْمَاعِيْلَ اس طرح گویا ایک دعا میں تین سنتوں کو ادا کیا، ایک تو خوشخبری ملتے ہی خدا کا شکر ادا کیا، دوسرے بیٹے کا نام رکھنے میں تعجیل کی اور تیسرے یہ کہ یہ بیٹا چوں کہ کبرسن میں پیدا ہوا اس لیے سنت ابراہیم کی پیروی میں اسماعیل نام رکھا، ان اسماعیل کی والدہ، قاضی یحییٰ بن اکثم کی ہمشیر تھیں۔(۲)

تلامذہ اور رواۃ: ان سے احادیث کی روایت کرنے والوں اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد بہت ہے، ان میں چند مشہور حضرات کے نام یہ ہیں: ابوالعباس سراج، ابوعلی بلخی، عثمان بن جعفر اللبان، ابوحامد بن شرقی، محمد بن منذر شکر، ابوعبداللہ محمد بن یعقوب الاخرم، محمد بن اسحاق رشادی اور ان کے بیٹے اسماعیل مروزی۔(۳)

اولاد معنوی: امام مروزی کی چند کتابوں کا ذکر اوپر آچکا ہے(۴) خطیب بغدادی نے ان کو بہت سی کتابوں اور ڈھیری تصنیفات کا مؤلف ومصنف قرار دیا ہے(۵) اور ابن اثیر نے ان کی مفید پرمغز اور نفع بخش کتابوں کا ذکر کیا ہے(۶)، لیکن اس دور کی کتابوں کے

---

(۱) تاریخ بغداد: خطیب ج۳ص۳۱۷ (۲) البدایہ والنہایہ: ج۱۱ص۱۰۳ (۳) طبقات: تاریخ بغداد، مرآۃ الجنان وشذرات الذہب وغیرہ (۴) مثلاً کتاب القامہ کتاب فیما خالف فیہ ابوحنیفہ علیا وعبداللہ رضی اللہ عنہم اور کتاب الفقہاء وکتاب تعظیم قدر الصلوٰۃ (۵) تاریخ بغداد: خطیب ج۳ص۳۱۷ (۶) البدایہ والنہایہ: ابن اثیر ج۱۱ص۲۰۴، تعجب ہے کہ ابن ندیم نے اپنے فہرست میں امام مروزی اور ان کی تصنیفات کا مطلق ذکر نہیں کیا۔

ساتھ یہ المیہ وابستہ ہے کہ ہم محض ان کے ناموں سے واقف ہیں، گردش زمانہ کے نتیجہ میں وہ اب ہمارے فائدہ وخیر کے لیے موجود نہیں ہیں، امام مروزی کی کتابوں کا بھی یہی عالم ہے، تاہم شکر ہے کہ ان کے چند آثار اب بھی موجود ہیں اور اک گونہ فخر کی بات یہ ہے کہ ان کے تین قلمی رسالوں کو محفوظ رکھنے کی سعادت ہندوستان کے حصہ میں آئی، قیام اللیل، قیام رمضان اور کتاب الوتر، ان تین رسالوں کا ایک مجموعہ ۲۸۷ھ میں لکھا گیا تھا، جس کے منتخبات کو احمد بن علی مقریزی م ۸۴۵ھ (۱۴۴۲ء) نے نقل کیا تھا، ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ مجموعہ رسائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ورقہ ۱۳۱/۹۳۱ میں موجود ہے، ۱۳۲۰ھ میں یہ مجموعہ لاہور سے شائع بھی ہوا، اس مجموعہ کے علاوہ دارالکتب قاہرہ میں ان کی مسند ۱/۱۴۷ حدیث ۴۱۸/۹/۲۷ ورقہ سنہ کتابت ۹۵۶ھ موجود ہے، ایک رسالہ الورع ۱/۱۹۸ بھی وہیں محفوظ ہے (۱)، اختلاف الفقہا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس میں انھوں نے علما کے اختلاف کا ذکر کیا ہے اور ہر مسئلہ کا آغاز امام سفیان ثوری سے کیا ہے، یہ کتاب بشکل مخطوطہ قونیہ کے مکتب یوسف آغا (۴۸۲۰/۱ ورقہ ۱-۱۱۳) موجود ہے، اس کا سنہ کتابت ۶۴۹ھ ہے۔ (۲)

چند اقوال آرا: امام سبکی نے حسب عادت امام مروزی کے ذکر میں ان کی چند ایسی رایوں کو نقل کیا ہے جن میں وہ منفرد ہیں مثلاً ان کا قول ہے کہ اگر فجر کی نماز، صلوٰۃ الخوف کی حالت میں ادا کی جائے تو قصر کر کے صرف ایک رکعت ادا کی جائے گی، اسی طرح وہ عمامہ پر مسح کو وجوب مسح کے لیے کافی سمجھتے ہیں، اپنی کتاب تعظیم قدر الصلوٰۃ میں وہ نماز عشا کے بعد لوگوں کی تفریحی باتوں کو ممنوع قرار دیتے ہیں، وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چوں کہ نمازیوں کی خطائیں نماز کی ادائی سے معاف ہوجاتی ہیں، اس لیے اب پھر نماز کے بعد بے جا گفتگو سے اندیشہ ہے کہ غلطی یا گناہ کا ارتکاب ہو، گویا طہارت کے بعد پھر ناپاکی میں انسان ملوث ہوجائے، دوسری وجہیں بھی ہیں لیکن ان کی یہ وجہ بھی قابل قبول ہے، اسی طرح وہ وصیت پر گواہی دینے کے معاملہ میں یہ کہتے ہیں کہ اگر وصیت کرنے والے نے یہ کہا کہ یہ میری

(۱) تاریخ التراث العربی: فواد سزگین ج ۲ ص ۱۸۲ (۲) ایضاً

تحریر ہے اور جو اس میں ہے وہی میری وصیت ہے تو گو گواہ کو یہ نہیں معلوم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے، تاہم اس کی گواہی قابل قبول ہے یعنی صرف تحریر ہی شہادت کے لیے کافی ہے، لیکن مشہور مسلک شافعی یہ ہے کہ گواہ مقرر کرنا اور وصیت کے مشمولات کو کم از کم دو گواہوں کے لیے جاننا ضروری ہے۔(۱)

اختلاف الفقہا میں باب طلاق المکرہ عتاقہ میں انھوں نے حدیث رفع اللّٰہ عن ھذہ الامۃ الخطا و النسیان وما اکرھوا علیہ (اللہ نے اس امت سے خطاء نسیان اور مجبوریوں کو اٹھالیا ہے) کا ذکر کیا اور کہا کہ اس حدیث کی سند ایسی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ قابل حجت بن سکے، یہ حدیث دوسرے طرق اور متن کے الفاظ کے قدر فرق کے ساتھ بھی موجود ہے، مگر ہر سند میں کچھ نہ کچھ سقم ہونے کی وجہ سے امام مروزی کے علاوہ امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے کہ یہ حدیث غیر ثابت ہے(۲)، امام ابن حنبل نے فرمایا کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ خطا و نسیان مرفوع ہے، تو وہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کی مخالفت کرتا ہے، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قتل خطا میں کفارہ واجب کیا گیا ہے، اگر خطا و نسیان مرفوع ہوتے تو یہ کفارہ واجب نہ کیا جاتا۔(۳)

(۱) تہذیب الاسماء: نووی ج ا ص ۹۳ (۲) امام سبکی نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔ (۳) طبقات: سبکی ج ۲ ص ۲۵۰

امام ابوجعفر ترمذی

نام: محمد بن احمد بن نصر نام ہے، ابوجعفر کنیت اور ترمذی (۱) نسبت ہے، ان کے حالات کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں، مگر وہ علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے جن بلند مدارج پر فائز تھے اس کا تقاضا ہے کہ ہم ان کے مختصر مگر پاکیزہ حالات سے اپنے قلب وذہن کو منور کریں۔

پیدائش: امام ابوجعفر ترمذی ذی الحجہ ۲۰۰ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ (۲)

تعلیم اور شیوخ: ابتدائی تعلیم اور خاندان کے حالات کا ذکر نہیں ملتا، مگر ان کے حالات میں یہ بات خاص طور پر بیان کی گئی کہ انھوں نے طلب علم کے لیے سفر کی مشقتیں برداشت کیں (۳)، شیوخ میں یحییٰ بن بکر، یوسف بن عدی، ابراہیم بن منذر حزامی، یعقوب بن حمید اور قواریری وغیرہ ممتاز محدثین شامل ہیں۔

فقہ شافعی سے تعلق: ان کا شمار فقہائے احناف کے اکابر میں ہوتا تھا، بعد میں فقہ شافعی کی جانب طبیعت مائل ہوئی، چنانچہ اصحاب شافعی سے اخذ واستفادہ کیا، خصوصاً امام ربیع مرادی سے زیادہ کسب فیض کیا، فقہ شافعی سے تعلق قائم کرنے میں ان کے ایک خواب کو تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ۲۹ برس حدیث کا علم حاصل کیا اور امام مالک کے مسائل اور اقوال کی سماعت وروایت کی، امام شافعی کے بارہ میں میری رائے زیادہ اچھی نہیں تھی، ایک دن جب کہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا تھا کہ

(۱) ترمذ کو تین طرح پڑھا جاتا ہے، ایک تو تاء پر زبر اور میم کے زیر کے ساتھ، یہ مقامی باشندوں کے لہجہ کے مطابق ہے، دوسرے تاء اور میم دونوں کسرہ کے ساتھ اور تیسرے دونوں ضمہ کے ساتھ، اہل علم آخر الذکر تلفظ پر عمل پیرا ہیں۔ (۲) طبقات: ابن شہبہ ج ۱ ص ۳۹ (۳) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۲ ص ۱۸۷

اچانک نیند آگئی، اس کے بعد خواب میں انھوں نے دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں، انھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میں نے فقہ حنفی حاصل کیا ہے، کیا اسی پر عامل رہوں، آپؐ نے فرمایا: نہیں، پھر عرض کیا کہ کیا مالک بن انس کے مسلک کو اختیار کروں، فرمایا: جو میری سنت کے مطابق ہو وہ ان سے لے لو، انھوں نے پھر عرض کیا کہ کیا امام شافعی کے اقوال پر عمل کروں، آپؐ نے فرمایا کہ وہ ان کے اقوال نہیں، وہ تو سرتاسر میری سنت کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور سنت کے مخالفین کا رد کرتے ہیں (۱)، یہی خواب ان کے فقہی مسلک کی تبدیلی کا باعث ہوا، چنانچہ ابن ہدایہ نے رای مایقتضی انتقاله الی مذهب الشافعی (۲) (خواب دیکھا جو ان کے مسلک شافعی کی جانب منتقل ہونے کا سبب ہوا) کے جملہ سے تعبیر کیا، ابن شہبہ نے بھی لکھا ہے کہ کان حنفیا ثم صار شافعیا لمنام راه (وہ حنفی تھے پھر ایک خواب دیکھنے کے بعد وہ شافعی ہو گئے) (۳) امام ربیع مرادی سے فقہ شافعی کی تحصیل کی اور مسلک شافعی کو قبول کرنے کے بعد بغداد میں ان کی شہرت میں اور اضافہ ہوا، چنانچہ امام مزنی اور امام انماطی کے بعد بغداد میں فقہ شافعی کی شہ نشینی ان ہی کے حصہ میں آئی، بعد میں قاضی ابن سریج کی عظیم الشان شخصیت نے اس مسند کو زینت بخشی، جیسا کہ ابن شہبہ نے لکھا ہے کہ کان الشیخ الشافعیہ بالعراق قبل ابن سریج (وہ ابن سریج سے پہلے عراق میں شوافع کے شیخ تھے (۴)، ان سے ایک خلقت نے استفادہ کیا، ان کے مشہور رواۃ میں احمد بن کامل، عبدالباقی بن قانع، ابوالقاسم طبرانی اور احمد بن یوسف خلاد وغیرہ ہیں۔

زہد وورع: سوانح نگاروں نے ان کے زہد، عبادت، تقویٰ اور بے نیازی کو خصوصیت سے بیان کیا ہے، تقریباً سبھی نے ان کے بارہ میں الامام الزاہد الورع کے الفاظ بیان کیے ہیں، طبیعت میں دنیا اور اس کے لوازم سے حددرجہ استغنا تھا، بقدر ضرورت پر گذر بسر کرتے

(۱) تہذیب الاسماء: عسقلانی ج۲ص۲۰۲ (۲) طبقات: ابن ہدایہ ص۱۰ (۳) طبقات: ابن شہبہ
(۴) ایضاً

تھے، امام سبکی نے لکھا ہے کہ وہ بہت تھوڑے پر قناعت کرنے والے تھے(۱)، ابواسحاق ابراہیم بن سری لکھتے ہیں کہ فقر اور صبر اس درجہ تھا کہ مہینہ میں ان کے کھانے اور ضروریات زندگی پر صرف چار درہم خرچ ہوتے تھے، طبیعت میں بے نیازی اس قدر تھی کہ وہ کسی سے کچھ بھی نہیں چاہتے تھے۔(۲)

انھوں نے ایک بار خود اپنے ایک شاگرد سے بیان کیا کہ تقریباً دس گیارہ روز تک وہ محض ۵-۵ دانوں پر گذارا کرتے رہے، ان کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ ایک روٹی خرید کر کھا سکتے (۳)، ان کو بجا طور پر صبوراً علی الفقر یعنی فقر پر نہایت درجہ صابر و ثابت قدم کہا گیا ہے(۴) اور اسی وجہ سے ان کو عراق کے شافعیوں میں سب سے سر برآوردہ اور سب سے زیادہ متقی کہا گیا (۵) احمد بن کامل کہتے ہیں کہ جو لوگ فقر پر تونگری کو کسی بھی صورت میں ترجیح دیتے، ان کا امام ترمذی پر زور رد کرتے۔(۶)

امام دارقطنی ان کو ثقہ، مامون کے الفاظ کے ساتھ ناسک کے لفظ سے بھی یاد کرتے ہیں۔(۷) امام یافعی نے ان کا ذکر ثقہ من اهل العلم و الفضل و الزهد فی الدنیا کے الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔

وفات: ۱۱ محرم الحرام ۲۹۵ھ میں ان کا انتقال ہوا، طویل عمر پانے کے باوجود بڑھاپے کا زیادہ اثر نہیں تھا۔(۸)

افسوس ہے کہ اتنی جلیل القدر شخصیت کے حالات اس تفصیل کے ساتھ نہیں ملتے جس کے وہ مستحق تھے، ان کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے، صرف ایک کتاب کتاب اختلاف اہل الصلوٰۃ کا نام آتا ہے جو اصول فقہ میں تھی، ابن الصلاح نے اس کتاب کو دیکھا تھا مگر پھر شاید وہ زمانہ کی دست برد کی نذر ہوگئی، اس کتاب میں پہلی حدیث جو انھوں نے

---

(۱) طبقات: کبریٰ ج ۲ ص ۱۸۸ (۲) تہذیب الاسماء: ج ۲ ص ۲۰۳ (۳) مرآۃ الجنان: ج ۲ ص ۲۲۴ (۴) ایضاً (۵) طبقات: ابن ہدایہ ص ۱۰ (۶) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۱۸۸ (۷) ایضاً (۸) تہذیب الاسماء: ایضاً

ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت کی وہ یہ ہے۔ تفرق امتی علی ثلاث و سبعین فرقۃ۔

اس کتاب میں انھوں نے اپنے مختار اقوال کے بارہ میں رائیں دی تھیں۔(۱)

امام رافعی نے ان کے کچھ ایسے مسائل نقل کیے، جن میں وہ جمہور کے خلاف تھے مثلاً آیت سجدہ کی تلاوت کرنے والا اگر نماز سے باہر سجدہ کرتا ہے تو اس کے لیے تکبیر کہنا نہ واجب ہے اور نہ مستحب ہے، ایک مسئلہ یہ نقل کیا گیا کہ اگر کسی حربی کو تیر مارا گیا اور عین اسی وقت وہ مسلمان ہوگیا پھر اس کو تیر لگا تو پھر ضمان واجب نہیں ہوگا۔(۲)

ان کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ شیعوں میں ایک فرقہ ایسا ہے جس کا خیال ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں، مگر وہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، امام ابوجعفر ترمذی کہتے ہیں کہ اس قول سے یہ لوگ اہل بدعت میں شامل ہوگئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلاف کے مسلک کے خلاف یہ عقیدہ پسند کیا۔(۳)

ایک شخص نے ان سے حدیث ان اللّٰہ تعالیٰ ینزل الی سماء الدنیا کے بارہ میں دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ نزول کیا ہوگا، کیا اس کے اوپر علو اور فوق ہوگا؟ امام ابوجعفر نے جواب دیا کہ النزول معقول و الکیف مجہول و الایمان بہ واجب و السوال عنہ بدعۃ یعنی خدا کا نزول عقل میں آنے والی بات ہے، اس کی کیفیت کیا ہوگی اس کا علم نہیں، اس نزول پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کے بارہ میں سوال کرنا فضول بات ہے۔

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۱۸۸ (۲) تہذیب الاسماء: ج ۲ ص ۲۰۳ (۳) طبقات: سبکی ج ۲ ص ۱۸۸

امام ابن سریج

امام ابن سریج کی جلالت علمی وفقہی کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ان کو شافعی صغیر کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے، تذکرہ نگاروں نے ان کا ذکر پرشکوہ اور شاندار الفاظ میں کیا ہے، ان کے سوانح وحالات سے ثابت بھی یہی ہوتا ہے کہ تذکرہ نویسوں نے مبالغہ سے کام نہیں لیا۔

نام ونسب: احمد بن عمر بن سریج نام اور ابوالعباس کنیت اور بغدادی نسبت وطنی ہے، سنہ پیدائش مذکور نہیں لیکن خطیب بغدادی نے ان کی عمر قریب ۵۸ سال بتائی ہے(۱)، ان کا سال وفات بالاتفاق ۳۰۶ھ ہے، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے، ان کے جد امجد سریج کے متعلق لکھا گیا ہے کہ وہ تقویٰ اور شرافت کی خوبیوں کی وجہ سے بڑے نیک نام تھے۔(۲)

اساتذہ وشیوخ: علم حدیث میں عباس بن محمد دوری، علی بن اسکاب اور امام ابوداؤد سے سماعت کی، ان کے علاوہ محمد بن سعید عطار، آملی بن حسن، عباس بن عبداللہ اور عباس بن عبدالملک کے اسمائے گرامی بھی ان کی فہرست شیوخ میں شامل ہیں جن سے انھوں نے روایت وسماعت کی(۳)، ان کے علاوہ انھوں نے امام حسن بن محمد زعفرانی سے بھی سماعت حدیث کی، امام زعفرانی کا فقہ شافعی میں جو مرتبہ بلند ہے اس کے پیشِ نظر یہ عین ممکن ہے کہ حدیث کے علاوہ فقہ میں بھی ان سے کسب فیض کیا ہو لیکن فقہ شافعی میں ان کے استاذ خاص

(۱) تاریخ بغداد: ج۴ص۲۹۰ (۲) طبقات ابن ہدایہ ص۱۲ (۳) طبقات کبریٰ: ج۲ص۲۱ و تاریخ بغداد ج۴ص۲۸۷

امام ابوالقاسم انماطی ہیں، مشہور صوفی اور زاہد و عابد و عالم جنید بغدادی سے اکتساب علم کی کوئی واضح روایت نہیں ہے، تاہم ان کی مجلس میں ابن سریج کی شرکت خود اس روایت سے ظاہر ہے کہ ایک بار ابن سریج نے مجلس میں گفتگو کی جس کا حاضرین پر بڑا اثر ہوا تو فرمایا کہ اثر کی یہ برکت ابوالقاسم جنید کی مجالس میں حاضری کا ثمرہ ہے۔

تلامذہ: عام طور سے یہ مسلم ہے کہ ان کا حلقۂ تلامذہ بہت وسیع تھا، فقہائے اسلام کی ایک بڑی جماعت نے ان سے علوم فقہیہ کی تحصیل کی اور ان ہی کی ذات بابرکات سے فقہ شافعی تمام عالم میں عام ہوئی (۱)، ان کے خاص شاگرد ابن القاص ہیں، ان کو صاحبِ ابن سریج بھی کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ ابوالقاسم طبرانی، ابوالولید نیشاپوری، ابواحمد غطریفی، ابواسحاق مروزی، ابوالحسین ابن قطان بغدادی، ابوطیب بن سلمہ بغدادی، ابوبکر صیرفی، ابوبکر فارسی صاحب عیون المسائل، ابوجعفر احمد بن استر آبادی، ابوبکر احمد بن ابراہیم جرجانی، ابوعلی بن محمد روذباری، ابن خفیف، محمد بن شعیب نیشاپوری، ابوعلی حسن بن الحسین بن ابی ہریرہ ابوالحسین محمد بن حسین آبری جیسے کبار محدثین وفقہا اور اہل تقویٰ بھی ان کے خاص شاگردوں میں شامل ہیں، امام قفال شاشی کے متعلق ابواسحاق شیرازی نے لکھا کہ وہ بھی ابن سریج کے شاگرد تھے اور انہی کے ذریعہ ماوراء النہر میں فقہ شافعی کو قبولیت عام حاصل ہوئی (طبقات شیرازی، ص ۹۰) لیکن ابن الصلاح کے نزدیک یہ خیال درست نہیں، امام سبکی نے لکھا کہ ابن سریج کے انتقال کے وقت امام شاشی کی عمر سات سال تھی لیکن اس میں ان کو اشتباہ ہوا ہے، امام شاشی کا سال ولادت ۲۹۱ھ ہے جب کہ امام ابن سریج کا انتقال ۳۰۶ھ میں ہوا، اس لحاظ سے امام شاشی کی عمر اس وقت قریب ۱۶ سال تھی (۲)، مشہور مؤرخ علی بن حسین مسعودی صاحبِ مروج الذہب نے بھی ابن سریج کی مجلس میں حاضر باشی کا شرف حاصل کیا تھا، انھوں نے ابن سریج کا ایک رسالہ 'رسالۃ البیان عن اصول الاحکام' بھی نقل کیا (۳)

---

(۱) وفیات الاعیان: ج ۱ ص ۳۰ (۲) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۰۲-۲۰۱ (۳) ایضاً، ترجمہ مسعودی ج ۳ ص ۴۵۷-۴۵۶

ان کے ایک شاگرد ابو غانم عمر بن محمد بھی ہیں جن کو ملقی ابن سریج کہا جاتا ہے، ملقی موجودہ دور کی اصطلاح میں پرائیوٹ سکریٹری کے مفہوم میں ہے(۱)، ان کے ایک شاگرد ابو جعفر محمد بن جعفر خازمی جرجانی بھی ہیں، ان کے متعلق ابن سریج کا یہ قول بھی منقول ہے کہ ''نہروان کے پل کو ان سے بلند تر کسی اور فقیہ نے عبور نہیں کیا''۔(۲)

شان و مرتبت: ان کے علمی مرتبہ و منزلت کے لیے ان کے جلیل القدر ائمہ فن تلامذہ کے اسمائے گرامی ہی کافی ہیں، تاہم تذکرہ نگاروں کے بعض اعترافات بھی یہاں پیش کیے جاتے ہیں، قریب تمام تذکروں میں ان کو خاص طور پر الباز الاشہب (شیر باز) کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، فن بحث و جدل میں ان کی کاملیت اور فریق ثانی کو مغلوب کر لینے کی صلاحیت کی وجہ سے یہ لقب واقعی ان کو زیب دیتا ہے، امام سبکی نے شاید اسی لیے ان کو الاسد الضاری علی خصوم المذہب (مسلک شافعی کے مخالفوں کے لیے ضیغم گرسنہ) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، شیخ حامد اسفرائینی کا یہ قول بھی مشہور ہے کہ ہم ابن سریج سے صرف ظواہر فقہ میں بحث کر سکتے ہیں دقایق میں اس کی ہمت نہ تھی(۳)، بحث و مناظرہ میں ان کے خاص حریف ابن داؤد ظاہری تھے، ابوالحسن عبداللہ بن المغلس داؤدی کی روایت ہے کہ قاضی ابوعمر محمد بن یوسف کی مجلسوں میں ابن داؤد اور ابن سریج پابندی سے شریک ہوتے تھے اور ان دونوں میں نہایت دلچسپ اور بلند پایہ مناظرے بھی ان مجلسوں میں ہوتے تھے اور اکثر ان میں ابن سریج ہی غالب رہتے، ایک موقع پر از راہ مذاق ابن داؤد نے کہا کہ آپ مجھے مقابلہ میں تھوک ہی نگلا دیجیے، اس پر ابن سریج نے فی البدیہہ کہا کہ میں آپ کو دریائے دجلہ نگلنے پر مجبور کر دوں گا، اسی طرح ایک موقع پر ابن داؤد نے کہا کہ مجھے ایک ساعت کی مہلت دیجیے، انھوں نے فوراً جواب دیا کہ میں آپ کو اس ساعت سے قیامت کی ساعت تک مہلت دیتا ہوں(۴)، باوجود مسلسل بحث و مناظرہ کے ان کے دل

---

(۱) طبقات کبریٰ: ترجمہ ابی غانم ج ۲ص ۱۷۴ (۲) ایضاً ترجمہ خازمی ج ۲ص ۱۳۰ (۳) وفیات الاعیان: ج ۱ص ۳۰ (۴) طبقات کبریٰ: ج ۲ص ۲۴

میں ابن داؤد کی جو محبت و وقعت تھی وہ بھی پڑھنے کے لایق ہے، ابن داؤد کا انتقال ہوا تو ابن سریج ان کے جسد خاکی کے قریب بیٹھے اور حسرت سے فرمایا کہ مجھے ابن داؤد کی زبان کا غم ہے، مٹی ایسی زبان کو کس طرح کھا سکے گی؟(۱)، نظر و بحث میں ان کی کاملیت کا ایک اعتراف ابوحفص مطوعی نے یوں کیا کہ ابن سریج پہلے شخص ہیں جنھوں اس فن کا باب کھولا(۲)، اگرچہ صاحب غایۃ المرام امام فخر الدین نے لکھا ہے کہ ابن سریج فقہ کی طرح علوم کلام میں بھی ماہر تھے، تاہم ان کے شاگرد ابوالولید نیشاپوری نے ابن سریج کا یہ قول بھی نقل کیا کہ میں نے علوم فقہیہ کے کسی ایسے طالب علم کو کامیاب نہ دیکھا جو علم کلام سے بھی شغف رکھتا ہو، ایسے طالب علم کو نہ تو فقہ کا صحیح علم حاصل ہو پاتا ہے نہ اسے علم کلام میں مہارت حاصل ہوتی ہے(۳) لیکن بعض کلامی آرا مثلاً "یجب شکر المنعم عقلا" کے متعلق ان کی پسندیدگی کا ذکر بھی ہے لیکن اس کے متعلق ابواسحاق اسفرائینی کا خیال ہے کہ آخر عمر میں انھوں نے معتزلہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور بعض عبارتوں کی تحسین کی تھی، تاہم چوں کہ علم کلام میں ان کو رسوخ حاصل نہیں تھا، اس لیے اس قسم کی تحسین و تائید کو علم کلام کی تائید سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔(۴)

حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ علوم فقہیہ، اصول و فروع، فرائض و حساب اور جدل و بحث کے امام تھے، قرآن و حدیث سے استنباط و استدلال کی بعض مثالوں سے کتاب و سنت پر ان کی عمیق نظر کا مشاہدہ ہوتا ہے، امام ذہبی نے لکھا کہ میں نے علم حدیث میں ان کی کئی کتابیں دیکھی ہیں، وہ احادیث سے اس طور پر استدلال کرتے ہیں جو علوم حدیث میں ان کے فہم صحیح پر دال ہیں، افسوس ہے کہ اب یہ کتابیں دستیاب نہیں، تذکروں میں البتہ ایک دو مثالیں ملتی ہیں مثلاً حضرت عائشہؓ سے یہ صحیح حدیث مروی ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ینام وھو جنب ولا یمس ماءا (جناب رسول اللہ ﷺ حالت

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۲ص ۲۴ (۲) ایضاً ص ۲۲ (۳) تذکرۃ الحفاظ: ذہبی ج ۳ص ۳۴ (۴) طبقات ترجمہ قفال شاشی ج ۲ص ۲۰۲

جنابت میں نیند فرماتے اور پانی کو نہیں چھوتے تھے) ایک اور حدیث صحیح میں حضرت عمرؓ نے آپؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ اینام احدنا وھو جنب؟ قال: نعم اذاتوضأ (اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہم میں سے کوئی حالت جنابت میں سوتا رہے، فرمایا: ہاں، جب اس نے وضو کرلیا ہو)، بظاہر یہ دونوں متناقض صورتیں ہیں، اسی لیے امام ابن سریج سے ابوالولید نیشاپوری نے ان احادیث کے متعلق سوال کیا انھوں نے جواب دیا کہ الحکم بھما جمیعا دونوں کا حکم ساتھ ساتھ ہے، حدیث عائشہؓ کا منشا یہ ہے کہ آنحضو صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے لیے پانی نہیں چھوتے تھے یعنی بغیر غسل کے نیند فرماتے اور حضرت عمرؓ کی روایت میں وضو کا ذکر ہے اور ہمارا عمل اسی پر ہے۔(۱)

اسی طرح ایک بار ان سے پوچھا گیا کہ اس حدیث شریف وقل ھو اللہ احد تعدل ثلث القرآن کا مفہوم کیا ہے، فرمایا کہ قرآن کا ایک تہائی حصہ احکام، دوسرا تہائی حصہ وعدہ و وعید اور تیسرا حصہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر مشتمل ہے، سورۂ اخلاص میں اسماء و صفات کا ذکر جس جامعیت سے ہے، اس کی وجہ سے اسے ثلث القرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

عہدۂ قضا: فقہ میں اس مقام بلند کے سبب وہ شیراز کی مسند قضا پر بھی متمکن ہوئے (۲)، لیکن دوسرے اصحاب شافعیہ کو یہ عمل شاید پسند نہ آیا، خود ابن سریج کے ہم درس ابن خیران نے اس پر یہ کہتے ہوئے اعتراض کیا کہ عہدہ قضا کی ذمہ داری اصحاب شافعیہ کا پسندیدہ امر نہیں، یہ تو اصحاب ابی حنیفہ کا وطیرہ ہے، امام سبکی نے حسب معمول وضاحت کرتے ہوئے جواب دیا کہ امام ابن خیران کے اس قول سے عراق کے اصحاب شافعیہ کا عمل مراد ہے، ورنہ مصر و شام میں قاضی بکار کے سوا کبھی کوئی حنفی قاضی مقرر نہیں ہوا، پہلے مصر میں مالکی اور شام میں اوزاعی قضاۃ تھے، مسلک شافعی کے عام ہونے کے بعد ان دونوں ملکوں میں شافعی المسلک قضاۃ مقرر ہوتے رہے (۳)، ایک اور جگہ امام سبکی نے یہ بھی لکھا کہ ابن سریج نے

(۱) طبقات کبریٰ: ترجمہ ابوالولید نیشاپوری ج۳ص ۲۲۹ (۲) ایضاً (۳) ایضاً ترجمہ ابوعلی بن خیران ج۳ص ۲۷۲

بہت پہلے یہ ذمہ داری قبول کی تھی، بعد میں ان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔(۱)

مجدد: علم وفضل کے اس بدر کامل کے متعلق ابن خلکان نے لکھا کہ ابن سریج کے زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ پہلی صدی ہجری کے خاتمہ پر عمر بن عبدالعزیز نے سنت کا احیا اور بدعات کا خاتمہ کیا اور اس صدی کے مجدد ہوئے، دوسری صدی ہجری میں احیائے سنت ورد بدعات کا یہی مجددانہ فریضہ امام شافعی نے انجام دیا اور تیسری صدی ہجری کے آخر میں ابوالعباس ابن سریج نے سنت کو قوت دی اور بدعات کا قلع قمع کیا(۲)، ایک روایت میں ابوعلی بن خیران نے اس مجلس کا ذکر کیا، جس میں ایک اہل علم بزرگ نے ابن سریج کے سامنے ان خیالات کا اظہار کیا اور یہ اشعار بھی پڑھے(۳):

اثنان قد مضیا و بورك فیهما　　　عمر الخلیفة ثم خلف السودد

الشافعی الا لمعی محمد　　　ارث النبوة و ابن عم محمد

ابشر ابا العباس انك ثالث　　　من بعدهم سقیا لنوبه احمد

ان اشعار کو سن کر ابن سریج رو دئے اور کہنے لگے کہ اب میرا وقت قریب آگیا ہے۔

یہاں امام ذہبی کا یہ قول بھی لائق ذکر ہے کہ یبعث الله من یجدد، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو بھیجے گا جو دین کی تجدید کریں گے، یہ جمع کے لیے ہے، صرف واحد ہی کا حصر نہیں ہے مثلاً چوتھی صدی میں فقہ میں امام ابن سریج مجدد ہیں تو اصول دین میں امام اشعری اور حدیث میں امام نسائی بھی مجدد ہیں، اسی طرح چھٹی صدی میں حدیث میں حافظ عبدالغنی اور کلام میں امام فخر الدین درجہ مجددیت پر فائز تھے۔(۴)

ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا کہ دنیا میں انسان بیٹے کی تمنا کرتا ہے اور

(۱) ج ۳ ص ۲۴ (۲) وفیات: ج ۱ ص ۳۰ (۳) تذکرۃ الحفاظ: ج ۳ ص ۴۳ (۴) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۶

صاحب اولاد ہونا دنیا میں خوش بختی کی علامت ہے تو کیا جنت میں بھی یہ آرزو کی جائے گی؟ جواب دیا کہ دنیا میں اولاد کی خواہش دنیا سے محبت کی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جب وہ دنیا میں نہ رہے گا تو اس کی اولاد سے اس کی وراثت قائم رہے گی لیکن جنت میں چوں کہ نعمتیں لازوال ہوں گی اور زندگی بھی ہمیشہ ہمیش کی ہوگی، اس لیے ظاہر ہے وراثت کے مستحق کی آرزو کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔(۱)

امام شافعی کی مدح و تحسین میں ایک بار فرمایا کہ جو عقل و دانش کا متلاشی ہو وہ فقہ میں امام شافعی کے مسلک، قرأت میں ابوعمرو اور شعر میں ابن المعتز کی پیروی کرے(۲)، وہ اپنے علم و صلاحیت کی نعمت سے واقف تھے، بطور تحدیث نعمت ایک بار فرمایا کہ ایک بار میں نے خواب میں کبریت احمر کی بارش ہوتے دیکھی جس سے میرا دامن لبریز ہوگیا، اس خواب کی تعبیر یہ بیان کی گئی کہ مجھے کبریت احمر کے مانند قیمتی اور نایاب علم کا حصہ وافر ملے گا(۳)، اسی ضمن میں ان کا یہ قول بھی ہے کہ 'قیامت کے روز امام شافعی رب کے حضور میں ہوں گے، ہاتھوں میں امام مزنی کی المختصر ہوگی اور وہ کہیں گے کہ یارب اس نے (امام مزنی) میرے علوم میں فساد پیدا کیا، اس وقت میں کہوں گا کہ رکیے، میں مستقل اس فساد کی اصلاح کرتا رہا۔(۴)

خطیب بغدادی نے ان کا ایک اور خواب نقل کیا ہے جو انھوں نے مرض الموت کے زمانہ میں دیکھا تھا، فرمایا کہ آج رات میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ تمہارا رب ہے تم سے مخاطب ہے، تب میں نے یہ آواز سنی کہ 'ماذا اجبتم المرسلین؟' میں نے عرض کیا کہ ایمان اور تصدیق سے لیکن پھر یہی سوال دہرایا گیا تو میں نے سوچا کہ شاید جواب میں مزید کسی بات کا مطالبہ ہے تب میں نے کہا کہ 'ایمان اور تصدیق سے الا یہ کہ میں گنہگار بھی رہا' اس جواب کے بعد آواز آئی کہ اب میں تم کو

---

(۱) طبقات کبریٰ: ترجمہ محمد بن جعفر خوارزمی ج ۳ ص ۱۲۹ (۲) تہذیب الاسماء: ص ۶۴ (۳) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۲ (۴) ایضاً ص ۲۶

بخش دوں گا۔(۱)

وفات: مذکورہ بالا خواب دیکھنے کے بعد ان کو یقین ہوگیا تھا کہ اب مالک حقیقی سے وصل و لقا کا وقت قریب آگیا ہے، چنانچہ یہ فرمایا بھی کہ احسب ان المنية قد قربت ، چنانچہ اس خواب کو دیکھنے کے اٹھارہ دن بعد ۲۵ر جمادی الاولیٰ ۳۰۶ھ کو بغداد میں انتقال ہوگیا، وفات کے وقت حیات مستعار کے ساڑھے ستاون سال پورے کر چکے تھے(۲)، ایک روایت میں دوشنبہ ۲۵ر ربیع الاول آیا ہے، ابن ندیم نے ۳۰۵ھ اور ابن ہدایہ نے سنہ وفات ۳۴۷ھ لکھا ہے لیکن یہ روایتیں قطعاً غلط ہیں، بغداد کے سویقہ غالب کے ایک حجرہ میں دفن کیے گئے، ابن خلکان کے زمانہ تک ان کی قبر نمایاں اور زیارت گاہ خلایق تھی۔

اولاد: اولاد میں صرف ایک صاحبزادے ابوحفص عمر کا ذکر آتا ہے جو صاحب علم و فضل اور ایک کتاب تذکرۃ العالم والمتعلم کے مؤلف تھے، انھوں نے اپنے والد سے کئی روایتیں بھی نقل کی ہیں۔(۳)

تالیفات: ان کی تالیفات و تصنیفات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قریباً چار سو تھیں لیکن امام سبکی لکھتے ہیں کہ ہمیں ان کی چند کتابوں کا ہی علم ہے، انھوں نے ایک کتاب کا ذکر کیا جو دراصل امام ابوداؤد کے ان اعتراضات کا رد ہے جو انھوں نے امام شافعی سے منقول بعض مسائل پر کیے تھے، بقول امام سبکی یہ نہایت نفیس کتاب ہے، ایک کتاب 'کتاب الخصائل' کا بھی انھوں نے ذکر کیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ ان کے صاحبزادے ابوالحفص عمر کی ہے(۴) امام شیرازی نے ان کی ایک شرح کا ذکر کیا ہے جو مختصر المزنی کے متعلق ہے(۵)، ابن خلکان نے امام محمد کی کتاب پر ان کی ایک تعلیق کا ذکر کیا ہے(۶)، امام ذہبی نے یہ تو لکھا ہے کہ 'میں نے علم حدیث میں ان کی کئی کتابیں دیکھی ہیں لیکن کسی

---

(۱) تاریخ بغداد: ج ۴ ص ۲۹۰ (۲) وفیات الاعیان: ج ۱ ص ۳۰ (۳) طبقات کبریٰ: ترجمہ ابی حفص عمر ج ۳ ص ۴۷۱ (۴) طبقات کبریٰ: ترجمہ ابی حفص عمر ج ۳ ص ۲۵ (۵) طبقات شیرازی: ص ۹۰ (۶) وفیات الاعیان: ج ۱ ص ۳۰

کتاب کے نام کا ذکر نہیں کیا(۱)، امام خطیب بغدادی نے بھی لکھا کہ انھوں نے المذہب کی شرح و تلخیص کی اور فروع میں مسائل کو مرتب کیا اور اہل رائے کی رد میں متعدد کتابیں لکھیں لیکن متعین طور پر انھوں نے بھی کتابوں کے نام نہیں لکھے(۲)، البتہ ابن الندیم نے کتاب الرد علی محمد بن الحسین، کتاب الرد علی عیسیٰ بن ابان، کتاب التقریب بین المزنی و الشافعی، کتاب جواب القاشانی اور کتاب مختصر فی الفقہ کا ذکر کیا ہے(۳)، ہم ان کی کسی کتاب سے براہ راست واقف نہیں اس لیے ان کے متعلق قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے، البتہ مذکورہ معلومات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں اکثر مخالفین مسلک شافعی کے رد اور جواب میں ہیں، یہی خوبی ان کے سوانح میں نمایاں ہے اور اسی وجہ سے ان کو الباز الاشہب اور الاسد الضاری علی خصوم المذہب کے القاب دیے گئے۔

اقوال و آرا: امام سبکی نے حسب عادت ان کے بعض فقہی اقوال اور روایات حدیث کو بیان کیا، فقہی اقوال مسح، غسل، وراثت، وصیت، شہادت، عتاق و طلاق کے متعلق ہیں مثلاً کان کے مسح کے متعلق ان کا عمل یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے کانوں تک نو مرتبہ پانی پہنچاتے تھے، تین مرتبہ چہرہ کے ساتھ، تین مرتبہ سر کے مسح کے ساتھ اور تین مرتبہ علاحدہ۔

بعض مسائل میں وہ احناف کے ہمنوا بھی نظر آتے ہیں مثلاً مسئلہ تسمیۃ الحاکم الشہود میں ان کا یہ قول ہے کہ جب حق ثابت ہو جائے تو حاکم کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے رجسٹر میں گواہی کا اندراج نہ کرے بلکہ یہ کہے کہ 'میرے نزدیک قابل قبول شہادت ثابت ہو چکی ہے، اس میں محکوم لہ کے حق میں یہ احتیاط ملحوظ ہے کہ طعن و اعتراض سے وہ محفوظ رہے گا اور آیندہ کے لیے کسی اور مخاصمت کی راہ نہ کھلے گی۔

امام سبکی نے ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں جن سے ان کی شعر گوئی کی صلاحیت ظاہر ہوتی ہے، مختصر المزنی کے متعلق ان کے یہ اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ج ۳ ص ۳۴ (۲) تاریخ بغداد: ج ۴ ص ۲۸۷ (۳) الفہرست

لضيق فوادی منذ عشرين حجة　　وصيقل ذهنی المفرج عن همی
عزيز علی مثلی اعازه مثله　　لما فيه من علم لطيف ومن نظم
جموع لاصناف العلوم باسرها　　فاخلق به ان لا يفارقه كمی

ان کے یہ اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں:

ولو كلما كلب عوی ملت نحوه　　اجاوبه ان الكلاب كثير
ولكن مبالاتی بمن صاح او عوی　　قليل فانی بالكلاب بصير

امام سبکی نے ما کے ساتھ لو کی ترکیب پر بعض معترضین کا جواب بھی دیا ہے کہ نحوی لحاظ سے یہ قطعی درست ہے۔

☆☆☆

امام ابن خیران

امام ابن خیران بغداد کے تین ائمہ کبار میں سے ایک ہیں، باقی دو امام ابن سریج اور امام اصطخری ہیں، امام ابن خیران کے حالات کو تقریباً سبھی تذکرہ نگاروں نے نہایت اختصار سے بیان کیا ہے اور سب نے تقریباً ایک جیسے حالات لکھے لیکن ہم نے ان کے مختصر تذکرہ کو یہاں اس لیے شامل کیا کہ امام سبکی نے ان کو مسلک شافعی کے ارکان میں شمار کیا ہے۔

نام ونسب: ان کا پورا نام حسین بن صالح بن خیران ہے، ابوعلی کنیت ہے لیکن ابن خیران کی نسبت سے بھی مشہور ہیں، وطنی نسبت بغدادی ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بغداد کے باشندے تھے، ورنہ ان کے حالات اس قدر پردۂ خفا میں ہیں کہ بقول امام ذہبی یہ نہیں معلوم کہ ان کے اساتذہ کون تھے؟ کن شیوخ سے انھوں نے سماعت و روایت کی؟ اس کے علاوہ ان کے شاگردوں اور رواۃ کا بھی کہیں نام نہیں ملتا (۱)، امام سبکی نے البتہ اپنا خیال یہ کہہ کر ظاہر کیا کہ شاید انھوں نے امام ابن سریج سے یا ان کے شیوخ سے اکتسابِ فیض کیا ہو۔ (۲)

تقویٰ اور جلالت علمی: اگرچہ ان کے احوال پوشیدہ ہیں مگر ان کی جلالت علمی کا اعتراف کیا گیا ہے، امام سبکی نے ان کو مکتب فقہ شافعی کے ارکان و اساطین میں شمار کیا، خصوصاً بغداد میں تو ان کی شان اس درجہ بلند تھی کہ امام ابن سریج اور امام اصطخری کے بعد انھیں کا نام لیا جاتا تھا، امام سبکی سے بہت پہلے امام خطیب بغدادی نے بھی لکھا تھا کہ وہ

---

(۱) طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۵۲ (۲) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۲۱۳

فاضل ترین شیوخ اور اماثل فقہا میں سے ہیں(۱)، ابن خلکان نے اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے(۲)، امام ابن کثیر نے ان کو فقیہ کبیر کے الفاظ سے یاد کیا(۳) اور امام اسنوی نے ان کو امام جلیل لکھا(۴)، لیکن ان کے اس علمی مرتبہ سے بڑھ کر جس خوبی کو تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے وہ ان کا تقویٰ اور دنیا سے بے نیازی ہے، امام سبکی نے ان کو زاہد، پرہیز گار اور متقشف متقی کہا ہے اور امام خطیب بغدادی کے الفاظ میں وہ نہایت متقی پرہیز گار تھے۔

ایک واقعہ: ان کی زندگی کا ایک واقعہ ایسا ہے جو دنیا سے بے نیازی کی مثال ہے، ان کے تفقہ، تقویٰ، دینداری اور پرہیز گاری کے سبب خلیفہ مقتدر باللہ نے ان کو بغداد کا عہدۂ قضا پیش کیا، لیکن انھوں نے اس پیش کش کو رد کر دیا، دوبارہ پھر ان سے اس عہدہ کو قبول کرنے کے لیے کہا گیا اور انھوں نے انکار کیا تو خلیفہ کے وزیر ابوالحسن علی بن عیسیٰ نے شدت سے اصرار کیا، یہاں تک کہ اس نے گویا ان کے گھر کا محاصرہ کیا اور تقریباً ۱۶ دنوں تک وہیں جما رہا تاکہ ان کو اس عہدہ کو قبول کرنے کے لیے مجبور کر سکے اتنے دنوں امام ابوعلی گھر سے باہر نہیں نکلے اور گھر والوں کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، ضروری چیزوں کی قلت ہوگئی، یہاں تک کہ پانی بڑی مشکل سے پڑوسیوں کے ذریعہ مہیا ہوا، وہ یہ ساری مصیبتیں برداشت کرتے رہے مگر اپنے عزم اور فیصلہ میں ثابت قدم رہے، جب وزیر کو یہ حالات معلوم ہوئے تو وہ ناکام واپس ہوگیا اور بعد میں کہا کہ ہم ابوعلی کے خیر خواہ تھے اور ہمارے اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہماری مملکت میں ایک ایسی شخصیت بھی ہے، جسے عہدۂ قضا جیسا منصب جلیل پیش کیا گیا لیکن اس نے انکار کر دیا(۵) تقریباً یہی بات مشہور فقیہ ابوعبداللہ حسین بن محمد العسکری کے اس قول سے ظاہر ہے کہ ان کے والد نے کہا: بیٹے، یہ منظر دیکھ لو تاکہ کبھی لوگوں سے کہہ سکو کہ ایک شخص ایسے بھی تھے جن کو بادشاہ وقت اصرار کے قاضی کا عہدہ پیش کرتا تھا اور وہ انکار کرتے تھے(۶) خود امام

(۱) تاریخ بغداد: ج ۸ ص ۵۲ (۲) وفیات: ج ۱ ص ۲۵۸ (۳) البدایہ والنہایہ: ج ۱۱ ص ۱۷۱ (۴) شذرات الذہب: ج ۲ ص ۲۸۷ (۵) البدایہ والنہایہ: ج ۱۱ ص ۱۷۱ (۶) تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳-۵۲

ابوعلی نے بھی یہی بات کہی کہ میں نے اس لیے انکار کیا تا کہ یہ کہا جائے کہ ایک شخص کے گھر کا محاصرہ صرف اس لیے کیا گیا کہ وہ عہدۂ قضا کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔(۱)

ان کے اس قول سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علما و مشائخ کے لیے حکومت اور عہدوں کی دست نگری کو پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے امام ابن سریج پر ان کی جلالت شان کے باوجود اس لیے تنقید کی کہ انھوں نے عہدہ قضا کو قبول کرلیا تھا(۲)، ان کا کہنا تھا کہ اصحابِ شافعیہ کا طرز عمل یہ نہیں ہے، یہ تو امام ابوحنیفہ کے اصحاب اور ان کے مکتب فقہ کے ماننے والوں کا شیوہ ہے کہ وہ عہدوں کو خصوصاً عہدۂ قضا کو قبول کرتے ہیں۔(۳)

امام سبکی کا جواب: ان کے اس اعتراض کو نقل کرنے کے بعد امام سبکی نے لکھا کہ امام ابن خیران کا یہ قول عراق کی حد تک تو صحیح ہے، لیکن مصر و شام میں تو عام طور سے فقہا شافعیہ قاضی ہوتے تھے، وہاں سوائے قاضی بکار کے سب قاضی شافعی ہوئے اور شافعیوں سے پہلے مصر میں امام مالک کے متبعین اور شام میں امام اوزاعی کے پیرو عہدۂ قضا پر فائز ہوتے رہتے تھے، جب فقہ شافعی کو قبولیت حاصل ہوئی تو پھر ان دونوں ملکوں میں عام طور سے فقہاء شافعیہ ہی قاضی مقرر ہوئے۔(۴)

وفات: امام ابوعلی بن خیران کا انتقال بروز سہ شنبہ ۱۷ / ذی الحجہ ۳۲۰ھ کو ہوا، ان کی تاریخ پیدائش کا ذکر کسی نے نہیں کیا لیکن خیال ہے کہ عہد کہولت کو پہنچنے کے بعد ان کی وفات ہوئی(۵)، ایک اور روایت کے مطابق ۳۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا، امام خطیب بغدادی اور امام دارقطنی کی یہی رائے ہے(۶) مگر صحیح ترین روایت اول الذکر ہی ہے کیوں کہ ابن خلکان، ابن الصلاح، امام بن عماد حنبلی، امام سبکی اور خود خطیب بغدادی کی دوسری رائے اسی کے مطابق ہے۔

تصنیفات، تلامذہ اور مروی مسائل: ان کی کسی کتاب کا کہیں ذکر نہیں ہے، تلامذہ یا

---

(۱) وفیات: ج ۱ ص ۲۵۸ (۲) ایضاً (۳) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۲۱۴ (۴) ایضاً ص ۲۱۴-۲۱۳
(۵) ایضاً (۶) طبقات ابن شہبہ: ج ۱ ص ۵۲

صاحبزادوں کے کسی نام سے ہم آشنا نہیں، صرف امام ابن عماد حنبلی کے ایک جملہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان سے ایک جماعت نے علوم فقہ حاصل کیے۔(۱)

یہی حال ان کے اقوال کا بھی ہے، امام رافعی نے طہارت، تیمّم، مواقیت صلوٰۃ اور اذان وغیرہ کے باب میں ان کے بعض اقوال نقل کیے ہیں لیکن وہ ہماری دست رس سے اس لیے باہر ہیں کہ اب وہ نایاب ہیں، البتہ امام سبکی نے امام دارمی کے حوالہ سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر کہیں ایسے کئی بےلباس موجود ہیں، جن کے پاس صرف ایک کپڑا ہے، اگر باری باری وہ اس کپڑے کو پہن کر نماز ادا کرتے ہیں تو وقت ختم ہو جانے کا امکان ہے تو اس صورت میں امام ابوعلی ابن خیران کا قول یہ ہے کہ وہ سب بےلباسی کی حالت میں ہی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

ان کے ایک قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آقا اپنے مکاتب غلام کے حق میں گواہی دے سکتا ہے اور اسے زکوٰۃ کی رقم بھی ادا کر سکتا ہے، امام سبکی اس کے بعد کچھ لکھنا چاہتے تھے لیکن کتاب میں پھر بیاض ہے اور ان کا جملہ نامکمل ہی رہ گیا ہے۔

---

(۱) شذرات الذہب: ج ۲ ص ۲۸۷، البتہ ابن شہبہ نے امام ابوحامد مروزی کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ابن خیران کے سب سے سعادت مند شاگرد تھے۔

امام ابوسعید اصطخری

امام ابوسعید اصطخری فقہ شافعی کے ان ممتاز ترین فقہا میں ہیں جو درجہ و مرتبہ میں امام ابن سریج کے ہم پلہ ہیں اور جو عراق کے شیخ الشافعیہ کے لقب میں ان کے شریک ہیں۔

نام ونسب: ان کا پورا نام ونسب اس طرح ہے: حسن بن احمد بن یزید بن عیسیٰ بن الفضل بن بشار(۱) بن عبدالحمید بن عبداللہ بن ہانی بن قبیصہ بن عمرو بن عامر، ابوسعید کنیت اور اصطخری، وطنی نسبت ہے، اِصْطَخر (۲) فارس کا ایک شہر ہے۔

(۱) تاریخ بغداد: ج۷ص ۲۶۸، البدایہ والنہایہ میں بجائے بشار کے یسار کا لفظ ہے۔

(۲) اصطخر کی نسبت اصطخری اور اصطخرزی دونوں طرح مستعمل ہے، یہ فارس کا شہر ہے، ایران کے جنوب مغرب میں ہے، ایک زمانہ میں اس کا شمار بڑے شہروں اور مضبوط ترین قلعوں میں ہوتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد ایران کے قدیم شہر پرسیپولیس کے کھنڈروں پر رکھی گئی تھی، اصطخر بن طہمورث بادشاہ فارس اس کا بانی تھا، طہمورث فارسیوں کے نزدیک بمنزلہ آدم کے ہے، اصطخر فارسی بادشاہوں کا پایہ تخت بھی تھا، بعض روایتوں کے مطابق حضرت سلیمانؑ طبریہ سے یہاں صبح وشام آتے جاتے تھے، یہاں ایک مسجد 'مسجد سلیمانؑ' کے نام سے موجود تھی، فارسی روایات کے مطابق جم بادشاہ جو ضحاک سے پہلے ہوا وہ حضرت سلیمانؑ ہی تھے، یہاں اسلام سے پہلے بادشاہوں کے خزانے رکھے جاتے تھے، یہاں کے باشندوں کو شاہی حسب ونسب رکھنے پر فخر تھا، جودوسخاوت میں ان لوگوں کا مزاج بھی شاہانہ تھا، ساسانیوں کے دینی مرکز ہونے کا فخر بھی اسی شہر کو حاصل تھا، ۶۴۳ء میں یہ شہر اسلام کے زیر سایہ آیا اور ۶۸۴ء میں اس کے قریب شیراز کا شہر آباد ہوا، دنیاوی خزانوں کے ساتھ اس کی سرزمین بڑی مردم خیز رہی، نامور علما وفضلا اسی کی خاک سے اٹھے، جن میں ہمارے امام اصطخری کے علاوہ ابوسعید عبدالکریم اصطخری اور ابوالعباس زاہد اصطخری بہت نمایاں ہیں، جزیر بن الخطفی نے اس کی شان میں چند اشعار کہے تھے جن میں کہا گیا تھا کہ فارس وروم وعرب، اسحاقؑ وابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں، ان میں ایک شعر یہ بھی تھا:

وکان کتاب فیھم ونبوۃ　　　وکانوا باصطخر الملوك ونسترا

دیکھیے معجم البلدان: ج۱ص ۲۷۶-۲۷۵، اور المنجد ج۲ص ۵۰، اور ۱۲۵

سال پیدائش: وہ ۲۴۴ھ (۸۵۸ء) میں پیدا ہوئے، ابتدائی حالات دستیاب نہیں، قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علم کی تلاش میں سفر کر کے بغداد تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔

شیوخ واساتذہ: ان کے شیوخ واساتذہ میں بغداد کے نامور علما وفقہا کے اسمائے گرامی شامل ہیں مثلاً سعد بن نصر، حفص بن عمرو الربانی، احمد بن منصور رمادی، عیسیٰ بن جعفر الوراق، عباس بن محمد الدوری، احمد بن سعد الزہری، احمد بن حازم بن ابی غرزہ، محمد بن عبداللہ بن نوفل اور حنبل بن اسحاق (۱) وغیرہ، ایک روایت کے مطابق انھوں نے امام ابوالقاسم انماطی سے بھی علوم کی تحصیل کی۔ (۲)

تلامذہ: ان سے سماعت وروایت کرنے والوں میں محمد بن المظفر، ابوحفص بن شاہین یوسف بن عمر القداس، ابوالحسن بن جندی اور ابوالقاسم بن الثلاج وغیرہ نمایاں ہیں، مگر ان کے زیادہ مایہ ناز شاگرد امام ابوالحسن دارقطنی صاحب کتاب السنن وکتاب العلل ہیں جو اپنے زمانہ میں امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے مشرف تھے۔

فضل وکمال: تذکرہ نگاروں نے ان کو عراق کا شیخ الشافعیہ لکھا ہے، ان کے عہد میں امام ابن سریج اور امام ابوعلی بن خیران دونوں کے علم وفضل کا سکہ بغداد میں چلتا تھا مگر ان دونوں کی موجودگی میں ان کو شیخ الشافعیہ قرار دیا جانا ان کے غیر معمولی علم اور فقہی کمال کا ثبوت ہے، امام سبکی نے الامام الجلیل کے ساتھ احد الرفعاء من اصحاب الوجوہ (فقہ شافعی کے ناموروں میں رفیع الشان) کے الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے (۳)، امام اسنوی نے لکھا ہے کہ امام اصطخری اور امام ابن سریج دونوں بغداد میں شافعیوں کے شیخ تھے یہی قول ابن ہدایہ کا بھی ہے۔ (۴)

---

(۱) امام خطیب بغدادی نے بجائے حنبل کے جمیل بن اسحاق لکھا ہے۔ (۲) طبقات: ابن شہبہ ج ۱ ص ۷۶ (۳) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۱۹۳ (۴) شذرات الذہب: ج ۲ ص ۳۱۲

امام نووی نے ان کو فقہائے شافعیہ میں عالی مقام لکھا ہے۔(۱)

امام ابواسحاق شیرازی کا یہ قول تقریباً سب نے نقل کیا ہے کہ جب وہ بغداد آئے تو وہاں امام اصطخری اور امام ابن سریج کے بعد کوئی اور ایسا نہیں تھا کہ جس سے وہ اکتساب فیض کرتے، اس بنا پر امام خطیب بغدادی اور قاضی ابوالطیب طبری کا خیال ہے کہ امام ابوعلی بن خیران کی جلالت شان مسلم ہے لیکن امام اصطخری اور امام سریج سے کچھ کم تھے(۲) امام ابواسحاق کی جلالت شان مسلم ہے لیکن امام اصطخری کی موجودگی میں وہ کوئی فتویٰ نہیں دیتے تھے، ہاں جب خود امام صاحب ان کو اجازت دیتے تب وہ فتویٰ دیتے(۳)، اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ امام شافعی کی کتابوں پر امام اصطخری کی نظر بڑی گہری تھی۔(۴)

تقویٰ اور پرہیزگاری: ان کے ورع وتقویٰ اور زہد واستغنا کا ذکر خاص طور سے کیا گیا ہے، امام نووی نے صالح بن احمد الحافظ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام اصطخری فقیہ تو تھے ہی اسی کے ساتھ انھیں دیانت اور پرہیزگاری سے بھی بہرہ وافر ملا تھا(۵)، امام خطیب بغدادی نے لکھا کہ وہ بہت متقی، زاہد اور دنیا سے بے رغبت تھے(۶)، قاضی ابوالطیب کا یہ قول ہے کہ وہ ورع اور اتباع شریعت میں خاص مقام پر فائز تھے(۷)، طبیعت میں بڑی احتیاط تھی(۸) اور قلیل پر گزر بسر کرتے۔

ان کا کرتا پاجامہ اور چادر سب ایک ہی طرح کے ہوا کرتے تھے۔(۹)

عہدۂ قضا واحتساب: خلیفہ مقتدر باللہ نے ان کو سجستان کا قاضی مقرر کیا تھا(۱۰)، وہ شہر قم میں بھی عہدۂ قضا پر فائز رہے، سجستان کے زمانۂ قضا میں انھوں نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے نکاح کے باب میں ولی کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، انھوں نے اس سلسلہ میں بہت سختی کی اور جن نکاحوں میں ولی کی اجازت اور شرکت نہیں تھی ان کو باطل قرار دیا، وہ قم کے قاضی

---

(۱) طبقات ابن ہدایہ: ص۱۸ (۲) تاریخ بغداد و طبقات کبریٰ: بحوالہ سابق (۳) ایضاً (۴) تہذیب الاسماء: ج۲ص۲۳۸ (۵) ایضاً (۶) طبقات کبریٰ: (۷) ایضاً (۸) تہذیب الاسماء: حوالہ بالا (۹) البدایہ والنہایہ: ج۱۱ص۱۹۳؛ (۱۰) طبقات کبریٰ

تھے، تو وہاں ایک شخص کا انتقال ہوا، جس کے ورثا میں ایک بیٹی اور ایک چچا تھے جب میراث کا قضیہ شروع ہوا تو امام اصطخری نے نصف بیٹی کو اور نصف چچا کو دینے کا حکم دیا، اس فیصلہ سے قم والے خوش نہیں ہوئے، ان کا کہنا تھا کہ بیٹی کو کل میراث ملنی چاہیے، انھوں نے جواب دیا کہ شریعت کا فیصلہ یہی ہے، اس پر قم والے اس قدر ناراض ہوئے کہ ان کے قتل کی سازش کرنے لگے، چنانچہ وہ وہاں سے واپس بغداد آگئے، انھوں نے کہا کہ دراصل قم والوں کا مسلک، مسلک غرابیہ ہے جس میں میراث پوری کی پوری بیٹی کی ہوتی ہے اور ان کے مسلک کی اصل یہ تھی کہ وہ حضرت فاطمہؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کل میراث کا وارث سمجھتے تھے (۱)، وہ بغداد کے محتسب کے عہدہ پر بھی مامور ہوئے وہ پورے شہر کا دورہ کرتے اور تمام حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے، دورہ کے دوران اگر نماز کا وقت آجاتا تو اپنی سواری پر نماز بھی ادا کرلیا کرتے تھے (۲)، اپنی محتسبی کے زمانہ میں انھوں نے لہو ولعب کی جگہیں ختم کرادی تھیں۔ (۳)

خلیفہ قاہر ان سے فتویٰ لیا کرتا تھا، ایک مرتبہ صابیوں (ستارہ پرستوں) کے بارہ میں ایک استفتا کے جواب میں امام اصطخری نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا تھا اور یہود ونصاریٰ میں اور ان صابیوں میں فرق کی وجہ یہ بتلائی تھی کہ یہ لوگ ستاروں کو پوجتے ہیں لیکن یہ ستارہ پرست کسی طرح اپنی جان بخشی کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ (۴)

امام اصطخری کے تقشّف، زہد اور پھر قضا واحتساب کے عہدوں کی وجہ سے شاید مزاج میں کچھ تیزی تھی مگر وہ حاضر جواب بھی بہت تھے۔

حاضر جوابی: ایک مرتبہ امام ابن سریج نے ایک مجلس میں ان سے مزاحاً کہا کہ دیکھیے فلاں مسئلہ آپ سے پوچھا گیا مگر آپ نے اس کا غلط جواب دیا، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آپ کثرت سے سبزیاں کھاتے ہیں جس سے دماغ کام نہیں کرپاتا، امام اصطخری نے فوراً

(۱) طبقات کبریٰ: (۲) البدایہ والنہایہ: ج ۱۱ ص ۱۹۳ (۳) تاریخ بغداد: ج ۷ ص ۲۶۹ (۴) تاریخ بغداد: ج ۱۱ ص ۲۶۸

جواب دیا کہ ہاں آپ سرکہ اور مری کثرت سے کھاتے ہیں جس سے دین ہی جاتا رہتا ہے (مری ایک کھانا ہوتا ہے جونمک روٹی، شہد اور سیاہ مرچ جیسی چیز ملا کر تیار کیا جاتا تھا)(۱)

تصانیف: ان کی تصنیفات کے بارہ میں تذکرہ نگاروں نے عام طور سے لکھا کہ وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے اور ان کی کتابیں نفع بخش تھیں مگر ذکر ان کی صرف ایک کتاب کا ملتا ہے، یہ کتاب ادب القضا یا آداب القضا ہے یا کتاب الاقضیہ، علما نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے(۲)، امام ابواسحاق شیرازی نے اس کو عمدہ کتاب کہا اور امام نووی نے بہترین کتاب سے تعبیر کیا(۳)، امام خطیب بغدادی نے لکھا کہ اس کتاب سے ان کے علم کی وسعت اور فہم کی صحت آشکارا ہے(۴)، ابن کثیر نے اس کو بے مثل کہا(۵) اور ابن خلکان نے لکھا کہ یہ سب سے اچھی کتاب ہے(۶)، علامہ چلپی نے فقہ شافعی میں ادب القضا پر جن کتابوں کا ذکر کیا، ان میں اس کتاب کا ذکر کرنے کے بعد خاص طور سے لکھا کہ فقہ شافعی میں یہی کتاب مشہور ہے اور کوئی اور کتاب اس کے جیسی نہیں ہے۔(۷)

اجتہادی شان: دوسرے ممتاز فقہاء شافعیہ کی طرح امام اصطخری نے بھی بعض مسائل میں فقہ شافعی کے مسلمہ اصول سے جدا اپنی رائے دی ہے، امام رافعی نے ان سے کئی ایسے مسائل نقل کیے ہیں جن میں ان کی اپنی اجتہادی شان نمایاں ہے، مثال کے طور پر متوفی عنہا زوجہا (وہ عورت جس کا شوہر انتقال کر جائے) اگر حاملہ ہے تو امام شافعی کے قول کے مطابق اس کا نفقہ اب واجب نہیں ہوگا لیکن امام اصطخری نے فتویٰ دیا کہ نفقہ عورت کے لئے واجب رہے گا ان کے اس فتویٰ پر لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا یہ امام شافعی کا مسلک نہیں ہے، اس پر انھوں نے جواب دیا کہ یہ امام شافعی کا مسلک خواہ نہ ہو لیکن یہ حضرت علیؓ وحضرت عباسؓ کا مسلک ضرور ہے۔

ان کا ایک قول یہ ہے کہ غیر مجتہد اگر عہدۂ قضا پر مامور کردیا گیا ہے اور اس کا فیصلہ

---

(۱) تاریخ بغداد: بحوالہ سابق (۲) شذرات الذہب: بحوالہ سابق (۳) طبقات شیرازی: ص ۹۱ و تہذیب الاسماء حوالہ سابق (۴) تاریخ بغداد (۵) البدایہ والنہایہ: بحوالہ سابق (۶) وفیات الاعیان: ج ۱ ص ۳۲۹ (۷) کشف الظنون: ج ۱ ص ۴۳

حق کے مطابق ہے تو حکومت اس کے فیصلہ کو نافذ کرے گی۔

ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک سوار جو مسافر نہیں بلکہ مقیم ہے، وہ نفل نمازوں میں سواری کی حالت میں اگر قبلہ رخ نہیں بھی ہے تو نماز ہو جائے گی، ان کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح مسافر کو استقبال قبلہ میں تردد ہوتا ہے، اسی طرح اس سوار کو بھی ہو سکتا ہے جو اگر چہ اقامت کے حکم میں ہے مگر چوں کہ وہ سواری پر ہے اس لیے نفل نمازوں میں اس کے لیے رخصت ہے، خود وہ جب بغداد کا دورہ اپنی سواری پر کرتے تو ان کا عمل اسی کے مطابق ہوتا۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو گواہ کسی معاملہ میں قاضی کے سامنے گواہی دیں اور قاضی اس گواہی کو قبول کرنے کے بعد قضیہ کو کسی دوسرے قاضی کی جانب منتقل کر دے اور اس دوسرے قاضی کے سامنے وہ دونوں گواہ اس تحریری گواہی کو پیش کر دیں جسے پہلے قاضی نے قبول کیا تھا تو اب دونوں گواہوں کو نئے سرے سے گواہی دینے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن امام اصطخری اس قول سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں بلکہ دونوں گواہوں کو پھر سے گواہی دینا ہوگی، امام اصطخری نے بعض اور مسائل میں بھی امام شافعی کے اقوال سے اختلاف کیا ہے، جس سے ان کی اجتہادی شان ظاہر ہوتی ہے، اس اختلاف کی وجہ سے بعض متاخرین نے ان کو کثیر الھفوات بھی کہہ دیا ہے(۱)، جو نہ صحیح ہے اور نہ اس سے ان کی فقہی عظمت و منزلت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

وفات: حدیث وفقہ کی خدمت کرتے ہوئے اور زہد و ریاضت کا پاکیزہ نمونہ پیش کرتے ہوئے تقریباً چوراسی برس کی عمر میں ۳۲۸ھ (۹۴۰ء) میں بغداد میں وفات پائی، امام خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ۱۳ر جمادی الاخریٰ بروز پنج شنبہ انتقال ہوا اور جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے ان کی تدفین ہوئی، مہینہ کے متعلق اختلاف ہے، روایات کے مطابق شعبان، جمادی الاولیٰ، ربیع الآخر وغیرہ کے نام لیے گئے ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ جمادی الاخریٰ کا مہینہ تھا، تدفین بغداد کے باب حرب میں ہوئی۔

---

(۱) طبقات کبریٰ:

ابن القاص

نام ونسب: احمد بن ابی احمد القاص طبری نام ہے اور کنیت ابو العباس ہے، صاحب ابن سریج کے نسبت سے معروف ہیں، لیکن مشہور ابن القاص کے نام سے ہیں، اگر چہ ابو سعد بن السمعانی نے ان کو صرف القاص کہا ہے، اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ وعظ وتذکیر میں مصروف رہتے تھے اور ان مواعظ میں گذشتہ قوموں کے قصے اور داستانیں اکثر سنایا کرتے تھے، اسی لیے قاص یعنی قصہ گو کہلائے۔(۱)

لیکن چند دوسرے تذکرہ نگاروں نے ان کے بجائے ان کے والد ابواحمد کی یہ صفت بیان کی ہے کہ اصلاً ابواحمد قصہ گو و واعظ تھے اور اسی حالت وعظ میں خشیت الٰہی کے غلبہ سے ان کا انتقال بھی ہوا تھا۔(۲)

امام سبکی نے ابن القاص کو شیخ، امام، اپنے وقت کے امام، جلیل القدر امام اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے من اخشع الناس کے الفاظ سے یاد کیا (۳)، لیکن ابن القاص کو جس چیز نے دوسروں سے ممتاز وارفع کیا وہ ان کا امام ابن سریج

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۲ ص ۵۹، قاص کا لقب صرف احمد بن ابی احمد کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا، بلکہ واعظوں اور قصہ گویوں کی ایک جماعت تھی جس میں ہر دور میں نمایاں افراد نظر آتے ہیں، مثلاً محمد بن کعب ابوحمزہ اور احمد بن قیس القاص کا ذکر ابن اثیر نے خاص طور سے کیا ہے، یہ لوگ حضرت زیدؓ بن ارقم اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے واقعات خصوصیت سے بیان کرتے تھے، اللباب فی الانساب: ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲۶ (۲) طبقات: ابن ہدایہ ص ۱۹۰ البدایہ: ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۱۹ (۳) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۲ ص ۵۹ طبع قدیم

سے رشتۂ تلمذ ہے، علم حدیث میں ابن القاص نے ابوحنیفہ محمد بن عبداللہ المطین الخضری، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، یوسف بن یعقوب قاضی اور عبداللہ بن ناجیہ وغیرہ سے سماعت و روایت کی (۱)، مگر ان کے اصل جوہر، علم فقہ میں امام ابن سریج سے کسب فیض کے بعد کھلے اور انھوں نے ان سے اس درجہ استفادہ کیا کہ صاحب ابن سریج کہلائے، ابن القاص طبرستان میں پیدا ہوئے، سنہ پیدائش کا ذکر کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا، اس لیے کچھ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ کب پیدا ہوئے، نشوونما اور ابتدائی تعلیم اور پھر تدریسی و علمی زندگی کا آغاز طبرستان سے ہی ہوا۔(۲)

طبرستان میں علوم شافعی کی ترویج کا وہ بڑا ذریعہ بنے، یہاں تک کہ اپنے دور میں امام طبرستان کہلائے (۳) لیکن پھر وہ طرطوس (۴) شہر میں آئے اور عہدہ قضا پر فائز ہوئے اور پھر آخر دم تک اسی شہر میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی زندگی بسر کرتے رہے۔(۵)

ویسے تو طبرستان اور طرطوس کے اکثر علما نے ابن القاص سے استفادہ کیا لیکن ان کے سب سے نامور شاگرد اور راوی امام قاضی علی یا ابوعلی الزجاجی الطبری ہیں، یہ خود صاحب کتاب اور نامور اہل علم و فضل ہیں (۶) اور ابن القاص کے زمانہ قیام طبرستان سے ہی ان کے شاگرد ہیں۔

ابن القاص کی جلالت علمی کے متعلق اوپر امام سبکی کے الفاظ گذر چکے ہیں، ان

---

(۱) طبقات کبریٰ: سبکی ج ۲ ص ۵۹ طبع قدیم (۲) طبقات: شیرازی ص ۹۱ و ابن ہدایہ ص ۱۹ و تاریخ التراث العربی: فواد سزگین ج ۲ ص ۱۸۵ (۳) وفیات ابن خلکان: ج ۱ ص ۳۰ (۴) طرطوس: یہ شام کا ایک ساحلی شہر ہے، مرقب و عکا کے (مامون الرشید کی قبر بھی یہیں ہے معجم البلدان) درمیان واقع ہے، یہاں کے ابوعبداللہ حسین بن محمد بن الحسین المقری الطرطوسی بھی بہت مشہور ہیں، یاقوت حموی: ج ۶ ص ۴۰ (۵) طبقات کبریٰ: وفیات، البدایہ والنہایہ، شیرازی و ابن ہدایہ وغیرہ (۶) طبقات: شیرازی ص ۹۱

کے علاوہ دوسرے تذکرہ نگار حضرات بھی ان کا ذکر شاندار الفاظ میں کیا ہے مثلاً امام نووی فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے ممتاز متقدمین اور ہمارے بڑے ائمہ میں سے ایک ہیں، انہ من اصحاب الوجوہ المتقدمین او من کبار ائمۃ اصحابنا ، ابواسحاق شیرازی کا قول ہے کہ ابن القاص ہمارے اصحاب ائمہ میں سے ہیں (۱)، قاضی ابن شہبہ لکھتے ہیں کہ ابن القاص فقہ شافعی کے امام ہیں، وہ ابن باطیش کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ ابن القاص کا مثیل ونظیر، ان کے زمانہ میں کوئی نہیں تھا، ان کی ساری زندگی علم وزہد، درس وتدریس اور وعظ وتصنیف میں گذری (۲)، تضرع اور خشوع کا یہ عالم تھا کہ وعظ کے دوران خشیت اور رقت طاری ہوجایا کرتی تھی، طرطوس کی ایک مجلس میں خدا کا ذکر کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت، اس کی شان ملکوتیت وسطوت کے ذکر سے ایسی خشیت طاری ہوئی کہ وہیں غش کھا کے گر پڑے اور اسی عالم میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے (۳)، سنہ وفات ۳۳۵ھ ہے، گو یہ واقعہ ان کے والد سے بھی منسوب کیا جاتا ہے، مگر اکثر تذکرہ نگار حضرات مثلاً ابن خلکان، ابن اثیر، سبکی وغیرہ نے اس واقعہ کی نسبت ابن القاص کی جانب کی ہے۔

ابواسحاق شیرازی نے ابن القاص کی شان میں شاعر کا یہ شعر نقل کیا ہے، جس کو ابوعبداللہ الختن اسماعیلی نے دہرایا تھا کہ (۴):

عقم النساء فما یلدن شبیھہ ان النساء بمثلہ عقیم

عورتیں معذور ہیں کہ ان جیسی ہستی کو جنم دیں، اب عورتیں ان جیسا کسی کو جنم بھی نہیں دے سکتیں

لیکن افسوس ہے کہ اس شان کے باوجود ان کے کما حقہ حالات اور کارناموں سے تذکروں کے صفحات خالی ہیں اور ان کے حالات کے جویا کو تشنگی کا واضح احساس ہوتا ہے، ان کی چند کتابوں کا ذکر البتہ ملتا ہے، خصوصاً التلخیص کا، یہ اس درجہ اہم کتاب ہے کہ ابن القاص کو محض صاحب التلخیص کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے (۵)، تلخیص کے علاوہ

(۱) طبقات شیرازی: ص ۹۱ (۲) طبقات: قاضی ابن شہبہ دمشقی ج ۱ ص ۷۲ (۳) طبقات: سبکی ج ۲ ص ۵۹ (۴) طبقات الفقہا: شیرازی ص ۹۱ (۵) تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۲۵۲

المفتاح (۱)، ادب القاضی یا ادب القضا، کتاب المواقیت، کتاب دلائل القبلہ اور اصول فقہ میں ایک ایک رسالہ ان کی یادگار ہیں (۲)، ان کے علاوہ ایک رسالہ احرام المرأۃ اور حدیث یا ابا عمیر، مافعل النغیر پر ہے (۳)، ان کی کتابوں کے بارے میں عام طور سے یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ یہ کتابیں حجم میں کم لیکن فائدہ میں زیادہ ہیں (۴)، ان میں سے اکثر میں تاریخی روایات اور عجائبات ارض کی حکایتیں بھی ملتی ہیں (۵)، کتاب التلخیص کے بارہ میں امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ ان کی نفیس ترین کتابوں میں ہے ومن انفسها التلخیص ایسی کتاب اپنے مخصوص اسلوب میں نہ تو پہلے لکھی گئی اور نہ بعد میں (۶)، اس کتاب میں ہر باب کے تحت منصوص اور تخریج شدہ مسائل کو ذکر کیا ہے، پھر ایسے مسائل کو جمع کیا ہے، جن پر احناف اپنے ہی اصولوں کے برخلاف عمل کرتے ہیں (۷)، اس کتاب سے علما نے خاص اعتنا کیا، چنانچہ عبداللہ الختن اور بوعلی سنجی اور امام قفال وغیرہ نے اس کی شرحیں لکھیں (۸) تلخیص بھی ان کی دوسری کتابوں کی طرح ایک مختصر رسالہ ہے لیکن اس کی جامعیت اور اہمیت اس درجہ ہے کہ امام الحرمین نے متعدد جگہ اس کا ذکر کیا، اسی طرح امام غزالی نے مختلف موقعوں پر اس سے استفادہ کیا (۹)، اب اس رسالہ کا ایک نسخہ ایا صوفیا کے کتب خانہ میں موجود ہے (۱۰) اور ہماری دسترس سے باہر ہے، المفتاح جو التلخیص کے بعد علما کے لیے لائق اعتنا رہی، معلوم حد تک معدوم ہے، تاہم دلائل القبلہ اور کتاب ادب القاضی، بیروت کے کتبہ خانہ میں موجود ہے، کتاب ادب القاضی میں حنفی مکتب فقہ کے متعلق مختلف

---

(۱) اس کتاب کو امام نووی کتاب لطیف کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں (۲) کشف الظنون: حاجی خلیفہ ج ۲ ص ۴۷ (۳) سبکی، ابن خلکان، نووی، شیرازی، ابن اثیر، ابن بدایہ وغیرہ (۴) شذرات الذہب: ابن عماد حنبلی ج ۲ (۵) وفیات: ابن خلکان ج ۱ ص ۳۰، شذرات الذہب: ابن عماد حنبلی ج ۲ (۶) شذرات ابن عماد حنبلی ج ۲ (۷) تہذیب الاسماء: نووی ج ۲ ص ۲۵۳ (۸) طبقات ابن شہبہ: ج ۱ ص ۲۷ (۹) طبقات کبریٰ: سبکی، تہذیب الاسماء، نووی والبدایہ والنہایہ، ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۱۹ (۱۰) تاریخ التراث العربی فواد سزگین ج ۲ ص ۱۸۵

نقطہ ہائے نظر کا ذکر ہے۔(۱)

اسی طرح حدیث: یـا اباعمیر مافعل النغیر پر ان کا ایک رسالہ جو ان کے خاص شاگرد ابوعلی الزجاجی نے نقل کیا تھا وہ دارالکتب قاہرہ میں فوائد ابی عمر بن ابی طلحہ زید بن سہل الانصاری الصحابی کے نام سے موجود ہے۔(۲)

مگر تعجب کی بات ہے کہ ابن ندیم نے ابن القاص اور ان کی مشہور کتابوں کا ذکر نہیں کیا، البتہ حاجی خلیفہ نے فتاویٰ ابن القاص کا ذکر کیا ہے، مگر بغیر کسی تفصیل کے۔(۳)

---

(۱) تاریخ التراث العربی فواد سزگین ج ۲ ص ۱۸۵ (۲) ایضاً (۳) کشف الظنون: حاجی خلیفہ ج ۲ ص ۱۲۱۹

امام ابوبکر بن الحداد مصری

شیخ الشافعیہ اور مصر میں فقہ شافعی کے لیے باعث زیب و زینت مجمع علوم نوادر معانی، اپنے عہد کے فقہائے شافعیہ میں فائق تر، صاحب مناظرہ اور قاضی مصر امام ابوبکر بن الحداد کے ذکر کے بغیر فقہائے شافعیہ کا تذکرہ مکمل نہیں کہا جا سکتا۔

ولادت اور نام ونسب: وہ ۲۶ر رمضان المبارک ۲۶۴ھ میں مصر میں پیدا ہوئے (۱)، پیشہ آباء آہن گری تھا، الحداد کا جدی نام اسی نسبت سے ہے (۲) مشہور ہے کہ جس دن امام مزنی کا انتقال ہوا وہی ان کا یوم ولادت ہے۔ (۳)

اساتذہ وشیوخ: ابتدائی تعلیم وتربیت اور دوسرے خاندانی حالات مذکور نہیں، البتہ علوم فقہ کی تحصیل مصر میں ابوسعید محمد بن عقیل فریابی، بشر بن نصر غلام عرق اور منصور بن اسماعیل الضریر سے کی ۳۱۰ھ میں بغداد تشریف لائے اور یہاں محمد بن جریر سے خاص طور پر اکتساب فیض کیا، ان کے علاوہ امام صیرفی اور امام اصطخری جیسے ائمہ فن کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوئے، البتہ امام ابن سریج بغداد میں ان کی آمد سے پہلے دنیا سے رخت سفر باندھ چکے تھے، ان سے ملاقات نہ ہونے اور استفادہ سے محروم رہنے کا قلق آخر دم تک رہا، اکثر فرماتے کاش میں ان کے دیدار ہی سے مشرف ہوا ہوتا۔ (۴)

مصر میں جب امام ابواسحاق مروزی اپنے آخر عمر میں تشریف لائے تو علم کی طلب، امام ابن الحداد کو کشاں کشاں ان کی خدمت میں بھی لے گئی۔

---

(۱) پورا نام محمد بن احمد بن محمد بن جعفر ہے، ابوبکر اور ابن الحداد کنیت ہے۔ (۲) وفیات الاعیان: ابن خلکان ج ۲ ص ۲۳۶، مرآۃ الجنان: یافعی ج ۲ ص ۳۳۶ (۳) طبقات کبری: سبکی ج ۳ ص ۷۹ (طبع جدید) (۴) ایضاً

ابن خلکان نے عماد الدین بن باطین کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ابن الحداد کا شمار امام مزنی کے اصحاب میں ہوتا ہے، لیکن خود ہی اس روایت کی تردید بھی کردی کہ یہ سراسر وہم ہے کیوں کہ یہ روایت متفق علیہ ہے کہ ابن الحداد کا یوم ولادت امام مزنی کا روز وفات ہے۔

فقہ کے علاوہ علم حدیث میں ان کے شیوخ، محمد بن عقیل فریابی کے علاوہ ابو یزید القراطیسی، عمر بن مقلاص اور امام نسائی بھی ہیں۔

امام نسائی سے انھوں نے خاص طور پر سماعت حدیث کی، امام دارقطنی کا قول ہے کہ ابن الحداد کثیر الحدیث تھے لیکن انھوں نے امام نسائی کے سوا اور کسی سے روایت نہیں کی، ان کے متعلق وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان امام نسائی کو حجت و دلیل بنالیا ہے۔(۱)

علم لغت میں وہ محمد بن ولاد کے تلمیذ تھے، اس طرح حدیث، فقہ اور لغت میں بلند ترین نسبتوں کے جامع ہوئے، علاوہ بریں علم القرآن، رجال حدیث کے اسماو کنی، مغازی، ایام جاہلی، نحو اور شعر و ادب میں بھی ان کو دست گاہ کامل حاصل تھی، بے شمار اشعار ان کے ذہن میں محفوظ اور زبان پر جاری تھے، حفظ قرآن مجید کی دولت ان کو پہلے ہی حاصل ہوچکی تھی اور بقول امام سبکی وہ حفظ قرآن میں لاثانی تھے۔(۲)

علم و فضل: ابن الحداد کی جلالت علمی اور مقام بلند کے ذکر سے صفحات معمور ہیں، ابن خلکان نے جملہ علوم میں ان کو بے نظیر لکھا ہے(۳)، انھوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ابن الحداد کے زمانہ میں بعض عجائبات عالم میں ان کی قوت ردو بحث بھی شمار ہوتی تھی، امام نووی کے الفاظ میں مصر کی امامت ان پر ختم تھی(۴)، ابو اسحاق شیرازی نے لکھا کہ وہ فقیہ دقیقہ رس تھے(۵)، امام یافعی کی نظر میں وہ صاحب وجہ متفنن فی العلوم اور فقہ میں بحر ذخار تھے(۶)، علامہ اسنوی نے لکھا کہ وہ مصر کے لیے باعث عز وافتخار تھے(۷)، امام سبکی کا قلم

(۱) طبقات کبریٰ: ج۲ص۸۰ (۲) ایضاً (۳) وفیات: ج۲ص۲۳۶ (۴) تہذیب الاسماء: ج۲ص۱۹۲
(۵) طبقات شیرازی: ص۹۳ (۶) مرأۃ الجنان: ج۲ص۳۳۶ (۷) شذرات الذہب: ج۲ص۳۶۷

ان کی مدح وتحسین میں بے اختیار سا ہو گیا ہے، لکھتے ہیں کہ ''وہ حفظ قرآن میں لاثانی، فقہ میں امام دوراں، لغت میں بحر مواج تھے، مجالس کی وہ روح تھے، بحر معانی میں ان کی غواصی اور فن فروع میں ان کے حسن استخراج کے بارے میں تو سب متفق اللسان ہیں کہ اس باب میں وہ فرد فرید تھے، کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا''، امام سبکی نے یہ قول بھی داد دیتے ہوئے نقل کیا کہ وہ تفقہ میں شافعی، تفنن میں اصمعی اور زہد وورع میں تابعیوں کی شان رکھتے تھے، امام سبکی عموماً مدح وثنا کے الفاظ میں احتیاط سے کام لیتے ہیں مگر ابن الحداد کے ذکر میں مذکور خیالات پر وہ اکتفا نہیں کر سکے، ایک نہایت خوبصورت عبارت میں انھوں نے جس طرح شاندار الفاظ واسلوب میں ان کا ذکر کیا ہے وہ یہاں نقل کرنے کے لائق ہے، لکھتے ہیں:

''صاحب الفروع وصاحب ذيل الفضل الذى هو على الرووس محمول و على العيون موضوع، ذو الفكرة المستقيمة و الفطرة السامية، فكره فى محتجبات المعانى سارية وفى سماء المعانى سامية و قريحة عجيبة الحال ماادراك ماهيه! نارحامية، امام لايدرك محله و جواد لايجاريه الا ظله سارت مولداته فى المغارب و المشارق وطرق فكره الاسماع وما ادراك ماالطارق و ناطق قال فكان له من القول بسيطه ووجيزه ومصرى صحى على نقد الاذهان ابريزه ووضح حليه فعوذ من شر الوسواس الخناس واصطفت الائمة معه فقال لسان الحق، مروا ابابكر فليصل بالناس۔''

قرآنی اسلوب میں امام ابن الحداد کے علم وفضل، فکر مستقیم، فطرت بلند، دقیقہ سنجی، جودت طبع اور جود وسخا اور عوام وخواص میں مرجعیت وغیرہ کا یہ انداز، امام سبکی کے قلم سے

غیر معمولی ہے۔

عبادت وریاضت وتقویٰ: علم کی نعمت بے پایاں کے علاوہ وہ عمل کی دولت اور توفیق سے بھی بہرہ مند تھے، متعدد تذکرہ نگاروں نے ان کو کثیر العبادہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے، آخر عمر تک وہ صوم داؤدی کے عامل تھے، اپنے دوسرے علمی اشغال کے باوجود ہر شب وروز میں قرآن مجید ایک بار ختم کر لیتے تھے، ابن ہدایہ اور خود سبکی نے بھی یہ لکھا ہے کہ جمعہ کے دن وہ نماز سے پہلے دو رکعتوں میں ایک اور قرآن پڑھ لیتے تھے، تلاوت قرآن مجید کا یہ شوق ان کو امام شافعی کی سیرت کے مطالعہ سے حاصل ہوا، ایک بار انھوں نے اس کا اظہار بھی کیا کہ امام ربیع نے امام شافعی کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ تراویح کے علاوہ رمضان المبارک میں ٦٠ ختم کرتے تھے، میں نے بھی اس روایت کی تقلید کی مگر میں ٥٩ سے زیادہ ختم نہ کرسکا(١)، اس حسن عبادت کا ثمرہ تھا کہ ان کے علم وفضل پر انگشت نمائی نہ کی جاسکی اور ان کی زبان، طاقت اور جذبات کی ثقاہت پر سب کو اعتماد رہا، خصوصاً ان کی پاکیزگی اور پاک بازی پر تو اتفاق کامل ہے۔مجموعا علی صیانته و طهارته(٢)

عہدہ قضا: علم وفضل اور تقویٰ وطہارت کے ان محاسن عالیہ نے ان کی شخصیت کو اور پرکشش بنادیا تھا، وہ خلوت میں بھی ہوتے تو ان کے اردگرد شیدائیان علم کا حلقہ بن جاتا امراء وسلاطین بھی ان سے متاثر تھے، بقول امام سبکی: وله كلمة نافذة عندالملوك، ابن خلکان نے بھی لکھا کہ بادشاہ اور عوام اکثر معاملات میں ان سے فتویٰ لیا کرتے تھے(٣)، اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ انھوں نے ابوعبید القاضی سے معاملات قضا کی تربیت حاصل کی تھی اور خود علم القضا میں کامل الفن ہوگئے تھے، چنانچہ والی مصر محمد بن طغج الاخشید نے ان کو ٣٢٤ھ میں مصر کا عہدۂ قضا پیش کیا، یہ تقرری چند مہینوں کی رہی، اس کے بعد ٣٣٣ھ میں وہ پھر قاضی مقرر ہوئے لیکن قریب نومہینوں کے بعد وہ اس سے سبک دوش ہوگئے(٤)، وہ مصر

(١) طبقات سبکی: وطبقات ابن ہدایہ ص ٢١ (٢) ایضاً (٣) وفیات الاعیان: ج ٢ ص ٢٣٥ (٤) کتاب الولاۃ والقضاۃ: ص ٢٩١

کے مشہور قاضی ابن ابی زرعہ کے نائب کی حیثیت سے ان کے آخر عمر میں بھی فریضہ قضا انجام دیتے رہے، ابن ابی زرعہ ان کا ادب واحترام اس درجہ کرتے کہ کبھی کسی معاملہ میں ان سے اختلاف نہیں کیا۔(۱)

خوش لباسی: ان کے سوانح میں ان کا یہ وصف خاص طور پر بیان کیا گیا ہے کہ وہ لباس نہایت نفیس وعمدہ زیب تن فرماتے، سواری بھی قیمتی اور شاندار رکھتے تھے۔(۲)

تلامذہ: ان کے حالات سے ظاہر ہے کہ ان سے اکتساب فیض کرنے والے بے شمار ہیں، ان کے مشغلہ تدریس کا ذکر بھی کیا گیا ہے(۳) لیکن ان کے اہم تلامذہ کے نام کسی تذکرہ نگار نے نہیں لکھے، ایک جگہ ایک روایت کی سماعت کے ضمن ابو اسحاق ابراہیم بن محمد المعدن النسوی کا نام ملتا ہے، اس عدم ذکر کی وجہ تلامذہ وفیض یافتگان کی غیر معمولی کثرت عین قرین قیاس ہے۔

تصنیفات: ان کی مشہور ترین تصنیفات میں کتاب الفروع ہے، امام سبکی نے ان کا تذکرہ صاحب الفروع کے نام سے شروع کیا، کتاب الفروع کا مکمل نام کتاب الفروع المولدات المختصر ہے، ابن خلکان نے اس کا کتاب الفروع فی المذہب کے نام سے ذکر کیا ہے، یہ حجم میں مختصر تھی لیکن اسے متفقہ طور پر کثیر الفائدہ لکھا گیا ہے، صاحب البدایہ والنہایہ نے اسے غریب الشکل سے تعبیر کیا ہے(۴)، بقول ابن خلکان فن فروع فقہ کی اس نادر کتاب میں ابن الحداد نے نہایت دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا ثبوت دیا ہے، چنانچہ اس کی اہمیت کے پیش نظر کبار فقہائے شافعیہ نے اس کی شرحیں لکھیں، ان میں امام قفال، شیخ ابوعلی سنجی، قاضی ابوالطیب طبری اور قاضی حسین مروزی جیسے ائمہ بھی شامل ہیں، امام قفال مروزی کی شرح درمیانی حجم کی ہے لیکن قاضی ابوالطیب طبری نے اس کی ضخیم شرح کی ہے، شیخ ابوعلی سنجی کی مکمل شرح کو ابن خلکان نے احسن الشرح قرار دیا ہے، امام یافعی کا بھی یہی خیال ہے(۵) علم فقہ میں ان کی ایک اور اہم تصنیف کتاب الباہر کے نام سے ہے، جس کے متعلق کہا جاتا

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۸۲ (۲) ایضاً وشذرات الذہب: ج ۲ ص ۳۶۸ (۳) مرآۃ الجنان: ج ۲ ص ۳۳۶ (۴) البدایہ والنہایہ: ج ۱۱ ص ۲۲۹-۲۳۰ (۵) وفیات الاعیان: ج ۲ ص ۲۳۵

ہے کہ وہ سو اجزا میں تھی (۱)، ادب القضا بھی ان کی مشہور کتاب ہے، یہ چالیس حصوں میں تھی، ابن العماد نے اس کو ادب القاضی لکھا ہے (۲)، افسوس علم و حکمت کے یہ نادر موتی گردش روزگار کی تہوں میں مستور ہیں، ہم صرف اب ان کے نام سے ہی واقف ہیں۔

وفات: فقہ شافعی کا یہ شمس بازغہ ۳۳۴ھ میں حج بیت اللہ سے واپس ہوتے ہوئے مصر کے قریب جمیزہ کے مقام پر ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، یہ محرم الحرام کی ۲۶ ر تاریخ اور سہ شنبہ کا دن تھا، امام سبکی نے ۳۴۵ھ لکھا ہے، قریب ۸۰ سال کی عمر پائی، چہار شنبہ کو نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ میں والی مصر ابوالقاسم الاخشید کے علاوہ ابوالمسک کافور اور دوسرے اعیان مملکت بھی موجود تھے، سفح مقطم میں والدہ کی قبر کے پاس سپرد خاک کیے گئے۔

(۱) طبقات ہدایہ: ص ۲۱ و طبقات ابن قاضی شہبہ: ج ۱ ص ۱۰۴ (۲) شذرات الذہب: ج ۲ ص ۳۶۷

امام ابو احمد ابن القاضی خوارزمی

امام ابو احمد خوارزمی کی حیثیت فقہائے شافعیہ میں اپنے علم و فضل کے علاوہ اس لیے بھی نمایاں ہے کہ وہ امام ماوردی اور امام ابو القاسم فورانی جیسے جلیل القدر ائمہ کے استاذ ہیں۔

نام و نسب: محمد بن سعید بن محمد بن عبداللہ بن ابی القاضی یہ سلسلۂ نسب ہے، ابو احمد کنیت ہے اور ابن القاضی کی عرفیت سے مشہور ہیں، خوارِزمی وطن کی نسبت ہے۔

خوارزم (۱) میں ان کا خانوادہ یعنی خاندان ابی القاضی اپنی عزت و شرافت کی وجہ

---

(۱) خوارِزم یا خوی، یہ شہر روسی ترکستان میں دریائے جیحون کے زیریں حصے کے کنارے واقع ہے (المنجد ج ۲ ص ۲۷۴) یہ پرانا تاریخی شہر ہے، اس کی قدامت کا اندازہ اس روایت سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت اسحاقؑ کے چار صاحبزادے: خزر، بزر، البرسل اور خوارزم نامی تھے، یہ شہر آخر الذکر صاحبزادے کے نام پر ہے، اموی دور حکومت میں قتیبہ بن مسلم باہلی نے اس کو فتح کیا۔

یاقوت حموی نے ۶۱۶ھ میں اس شہر کو دیکھا تو کہا کہ "اس سے زیادہ آباد اور پر رونق شہر اور کوئی نہیں، سرسبز درختوں سے یہ شہر ڈھکا ہوا ہے، خصوصاً شہتوت کے درختوں سے، خوارزم جس قدر وسیع ہے وہاں کے رہنے والوں کے دل اس سے زیادہ کشادہ ہیں۔

بوریحان بیرونی نے تاریخ خوارزم لکھی، شعرا نے اس شہر کی شان میں اشعار کہے، محمد بن نصر دمشقی کے دو اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

خوارزم عندی خمر البلاد — فلا اقلعت سحبها المغدقه
وطوبی لوجه امری صبحت — به اوجه فتیانها المشرقه

اور ابوالمؤید موفق بن احمد المکی ثم خوارزمی نے یہ اشعار کہے: (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

سے بہت ممتاز تھا اور اپنی نجابت، علم اور خیر کے اوصاف کی بنا پر اسے حد درجہ نیک نامی حاصل تھی، تاریخ خوارزم کے مصنف نے لکھا ہے کہ جس طرح حضرت یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ کے سلسلہ زریں کو الکریم ابن الکریم بن الکریم بن الکریم سے تعبیر کیا جاتا ہے، ہم اسی طرح محمد بن سعید بن محمد بن عبداللہ کے متعلق العالم بن العالم بن العالم بن العالم لکھ سکتے ہیں کہ یہ سب علما اور متقی تھے۔(۱)

ایسے علمی خاندان میں ان کی نشو ونما ہوئی، شہر میں بھی ہر طرف علم کے سرچشمے رواں دواں تھے، بقول یاقوت حموی اس شہر کی خاک سے اتنے علما وفضلا اٹھے کہ ان کا شمار دشوار ہے(۲)، اس علمی فضا میں وہ پروان چڑھے، مزید تعلیم کے لیے وہ عراق گئے اور امام ابواسحاق مروزی جیسے یگانہ روزگار سے فقہ میں اکتسابِ فیض کیا، ان کے علاوہ امام صیرفی سے بھی فقہ کا علم حاصل کیا۔(۳)

ان دو حضرات کے علاوہ ان کے ہم عصر علما سے بھی فیض حاصل کرنے کے بعد وہ وطن خوارزم واپس تشریف لائے اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے(۴)، ساتھ ہی وہ وعظ و نصیحت کا فریضہ بھی انجام دیتے، نہایت رقیق القلب تھے،

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ)

ابکاك لما ان بکی فی ربا نجد   سحاب ضحوك البرق منتحب الرعد

له قطرات کالآلی فی الثری   ولی عبرات کالعقیق علی خدی

تلفت منها نحو خوارزم والها   حزیناً ولکن این خوارزم من نجد

اس شہر کے باشندوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس شہر پاکیزہ کے باشندے عالم، فقیہ، متقی، پرہیزگار اور صاحبِ ثروت اور کشادہ دست ہیں، جب ۶۱۸ھ میں تاتاریوں نے اس پر حملہ کر کے اس کو تباہ و برباد کر دیا تو یاقوت حموی نے نوحہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں خوارزم جیسا کوئی شہر ہوگا، جس میں خیر و برکت اور جس کے باشندوں میں دین و شریعت سے اس قدر وابستگی ہوگی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (معجم البلدان ج ۳ ص ۴۷۴ ذکر خوارزم)

(۱) ایضاً (۲) طبقات ذہبیہ وطبقات کبریٰ (۳) [illegible] (۴) ایضاً

جب وعظ کرتے تو رو رو کر دوسروں کو رلاتے تھے۔(۱)

جلالتِ علمی: امام سبکی اور ابن شہبہ دونوں نے ان کو امام کبیر کے الفاظ سے یاد کیا ہے(۲) امام سبکی نے صاحب الکافی مورخ تاریخ خوارزم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ابو احمد خوارزم کے لیے باعثِ فخر تھے، ان کے کسی ہم عصر کو ان پر تقدم حاصل نہیں تھا اور آل ابی قاضی میں وہ سب سے افضل، سب سے اکرم اور سب سے بڑے فقیہ تھے، وہ دین اور دینی علوم دونوں میں ممتاز تھے، علمائے سلف کے افکار پر ان کی گہری نظر تھی، ائمہ فقہا کے اصول وفروع سے بھی وہ پوری طرح واقف تھے(۳)، صاحب الکافی کے الفاظ میں وہ فقیہ خالص تھے، کیوں کہ حدیث میں ان کی کسی روایت کا ذکر نہیں ملتا۔

سخاوت: کشادہ دست تھے، ابوسعید کرابیسی کہتے ہیں کہ وہ کثرت سے صدقہ وخیرات کرتے اور نہایت خاموشی کے ساتھ یہ کام کرتے تھے۔

ان کے ایک رفیق نے کہا کہ وہ ان کو رقم دے کر کہتے کہ وادی میں جا کر ایک طرف کھڑے ہو جایئے اور پھر یہ رقم ان غریبوں اور ناداروں میں تقسیم کر دیجیے جو اپنے کندھوں پر لکڑیاں اٹھاتے ہیں اور خاندان کی کفالت کا بار برداشت کرتے ہیں۔(۴)

علمی ورثے: ان کے سرچشمہ علم سے سیراب ہونے والے کثرت سے ہوں گے مگر ان کے شاگردوں میں سب سے نمایاں نام امام ابوالحسن علی بن محمد ماوردی اور امام ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد فورانی کے ہیں(۵)، یہ دونوں حضرات اپنے عہد کے نابغۂ روزگار اہل علم وفضل ہیں۔

ان دونوں شاگردوں کے علاوہ ان کی علمی میراث میں فقہ کی دو قدیم ترین کتابیں یعنی کتاب الحاوی اور کتاب العمد ہیں۔

انھوں نے ۳۴۲ھ میں حج کیا، واپس ہوئے تو بغداد میں قیام کیا، یہاں وہ اپنے علم واخلاق کی وجہ سے مرجع خلایق ہوئے اور اسی عرصہ قیام میں انھوں نے کتاب العمد تصنیف کی۔

---

(۱)طبقات کبریٰ (۲)طبقات شہبہ وسبکی (۳)طبقات کبریٰ (۴)طبقات کبریٰ بحوالہ سابق
(۵)طبقات کبریٰ وشہبہ بحوالہ سابق

کتاب الحاوی، فروع فقہ میں ہے اور اس کی بنیاد امام مزنی کی جامع الکبیر ہے۔

اصول فقہ میں انھوں نے کتاب الہدایہ لکھی، جو اپنے موضوع پر ایک عمدہ اور نافع تصنیف ہے، علما خوارزم اس کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھتے اور استفادہ کرتے تھے۔

ایک اور کتاب الرد علی المخالفین کے نام سے بھی ہے۔(۱)

لیکن تعجب ہے کہ ان کتابوں کے ذکر سے ہم کشف الظنون کے صفحات کو خالی پاتے ہیں، تلاش بسیار کے باوجود ہم علامہ چلپی کی کسی تعارفی تحریر سے واقف نہ ہو سکے۔

وفات: حج سے واپسی کے بعد جب بغداد میں قیام کیا اور کتاب العمد تصنیف کی تو وہاں کے لوگوں کا اصرار ہوا، اب بغداد ہی میں قیام کریں، لیکن انھوں نے انکار کیا اور خوارزم واپس تشریف لائے اور چند برسوں کے بعد انتقال کیا۔

جمعہ کے دن وفات پائی اور سنیچر کو تدفین ہوئی، ان کے دونوں تذکرہ نویسوں امام سبکی اور قاضی ابن شہبہ نے قطعیت کے ساتھ سال وفات نہیں لکھا، تاہم ۳۵۰ھ سے پہلے اور ۳۴۱ھ کے بعد غالباً ۳۴۸ یا ۳۴۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

لوگوں نے ان کے سانحہ ارتحال پر کثرت سے مرثیے اور نوحے لکھے، احمد بن محمد بن ابراہیم بن قطن نے ان کا ایک طویل مرثیہ لکھا، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

نبیك وما من كان للدين باكيا	فان امام الناس اصبح ثاويا
فقدنا بفقدان الفقيه محمد	مكارم غادرون العيون هواميا
تشب ابا كراما كانهم	مصابيح تجلوا المظلمات الدواجيا
سعيدا وعبدالله والشيخ ذا النهى	محمد البر العفيف المواليا
دعائم هذا الدين عاشوا اعزة	وماتوا كراما لم يجوزوا المساويا

پس ماندگان میں ایک صاحبزادے ابوبکر عبداللہ کا ذکر آتا ہے، جو صالحیت، فضیلت علم اور زہد و تقویٰ میں اپنے قابل فخر آباء و اجداد ہی کے درجہ کے تھے۔

---

(۱) طبقات کبریٰ و شہبہ بحوالہ سابق

امام قفال کبیر شاشی

فقہ شافعی کے آسمان کے روشن ترین ستاروں میں سے ایک امام قفال کبیر شاشی ہیں، جن کا ذکر تذکرہ نگاروں نے بڑی آب وتاب کے ساتھ کیا ہے، مثلاً ابن خلکان کی عادت ہے کہ جب وہ اعیان علما وفضلا کا ذکر کرتے ہیں تو عنوان میں محض نام، کنیت اور نسبت یا لقب کی سرخی دیتے ہیں مگر جب انھوں نے امام قفال کبیر کا ذکر کیا تو اس عنوان کے ساتھ سرخی قایم کی۔

القفال (ابوبکر محمد بن علی بن اسماعیل القفال الشاشی الفقیہ الشافعی امام عصرہ بلامدافعہ)(۱)

اسی طرح امام سبکی نے...... مقفی ومسجع جملوں سے ان کا تعارف نہایت دل کش انداز سے پیش کیا ہے مثلاً

الامام الجلیل احد ائمة الدھر، ذوالباع الواسع فی العلوم، والید الباسطة، والجلالة التامه، والعظمة الوافرة، افصح الاصحاب قلما، اسرعھم بیانا، اثبتھم جنانا، اعلاھم اسنادا، ارفعھم عمادا(۲)

نام ونسب، پیدائش: امام قفال کبیر ۲۹۱ھ (۹۰۴ء) میں پیدا ہوئے، ان کا پورا نام و نسب اس طرح ہے، محمد بن علی بن اسماعیل، ابوبکر کنیت ہے، قفال اور شاشی کی نسبتوں سے مشہور ہوئے، قفال کبیر اس لیے کہا گیا کہ فقہ شافعی کے ایک دوسرے اہم فقیہ امام قفال مروزی ہیں، جو امام شاشی کے بعد ہوئے، اس لیے فرق کی خاطر امام قفال شاشی کو امام قفال

(۱) وفیات: ج ۲ ص ۲۳۶ (۲) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۲۰۰

کبیر بھی کہا جانے لگا، قفال کی نسبت پیشہ کے لحاظ سے ہے، چوں کہ وہ قفل ساز تھے اس لیے قفال کہلائے (۱)، شاشی (۲) نسبت وطنی ہے، شاش میں فقہ شافعی کی ترویج انہی کی رہین منت ہے، اگر چہ ان سے پہلے اسی شہر میں ایک دوسرے نامور شافعی فقیہ ابوالحسن علی بن الحاجب بھی ہوئے، جنھوں نے خراسان، عراق، حجاز، جزیرہ اور شام وغیرہ جا کر علوم کی تحصیل کی اور امام شافعی کے شاگرد یونس بن عبدالاعلیٰ سے فقہ کے علوم حاصل کیے، تاہم اس علاقہ میں فقہ شافعی کی ترویج امام قفال کے ذریعہ ہی ہوئی۔

---

(۱) کتاب الانساب: سمعانی ج ۲ ص ۴۵۰ (۲) شاش، ماوراء النہر (یعنی دریائے اموددریا جیحون روسی ترکستان) سے لے کر وسط ایشیا کے علاقے میں سمرقند کے شمال مشرق میں واقع ایک بستی ہے (المنجد ج ۲ ص ۲۸۱) شاش کے باشندے ترک ہیں، کبھی علما وفضلا سے یہ شہر معمور تھا اور نہایت خوبصورت سبز پوش مقام تھا، کہا جاتا تھا کہ ماوراء النہر میں اس سے زیادہ نزہت آفریں جگہ اور کہیں نہیں، یہ شہر اس لیے بھی ممتاز حیثیت رکھتا تھا کہ گو چہ ماوراء النہر کے مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی پر عمل پیرا تھی، لیکن اس شہر کے باشندے عام طور پر مسلک شافعی کے پابند تھے، اسی شاش کے متعلق ابوالربیع بلخی نے یہ اشعار کہے تھے:

الشاش بالصيف جنة ومن اذى الحر جنبه

لكنني يعتريني بها لدى البرد جنبه

یاقوت حموی متوفی ۶۲۶ھ نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس شہر کو خوارزم شاہ محمد بن تکش نے تاخت وتاراج کر دیا، یہاں کے باشندے جلاوطن کر دیے گئے اور عمارتیں، درخت، چشمے اور چمن وغیرہ ویران ہو کر رہ گئے اور اسے جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی شاید کبھی نہ ہو سکے، معجم البلدان ج ۵ ص ۲۱۳-۲۱۲، شاش کے علما میں عبداللہ بن غرابہ شاشی بھی بہت مشہور ہیں، جنھوں نے علی بن حجر اور امام احمد بن حنبل سے حدیث کی سماعت کی، ان کے علاوہ ابوموسیٰ بن ہارون شاشی اور ابوعلی الحسن ابومحمد جعفر بن شعیب وغیرہ بھی اہل شاش کے نامور علما میں سے ہیں۔ الانساب ج ۲ ص ۳۲۵

ابتدائی حالات، تعلیم واساتذہ: ان کے ابتدائی حالات، خاندان اور والدین کے ذکر سے ہم محروم ہیں، البتہ ان کے اساتذہ وشیوخ میں امام ابن خزیمہ، ابن جریر، عبداللہ المدائنی، محمد بن باغندی، ابوالقاسم بغوی اور ابوعروبہ (عروہ) جیسے اور ائمہ فن ہیں، شام میں ابوالجہم اور ان کے ساتھیوں سے درس لیا، ان کے علاوہ کوفہ کے علما سے بھی اکتساب علم کیا(۱)، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علم کی طلب اور تلاش میں انھوں نے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، چناں چہ ان کے تمام تذکرہ نگاروں نے ان کی اس خوبی کا ذکر اہمیت کے ساتھ کیا ہے، ابن خلکان نے لکھا کہ ان سفروں کی وجہ سے ان کی علمی شہرت پورے عالم اسلام میں عام ہوئی(۲)، ان کے شیوخ میں امام ابن سریج کا بھی نام آتا ہے، امام ابواسحاق شیرازی اور سمعانی وغیرہ نے صراحت کے ساتھ لکھا کہ انھوں نے امام ابن سریج سے علوم فقہ حاصل کیے(۳) لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ امام ابن سریج سے ان کی ملاقات ہی نہیں ہوئی، امام ابن سریج کی وفات کے وقت امام قفال شاشی کی عمر صرف سات برس کی تھی(۴)، ابن شہبہ نے ابن الصلاح کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ امام قفال جب بغداد تشریف لائے تو اس وقت امام ابن سریج کا انتقال ہو چکا تھا، چنانچہ بغداد میں امام ابن سریج کے ایک شاگرد ابواللیث شاشوی سے انھوں نے فقہ شافعی کو حاصل کیا۔(۵)

روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے امام اشعری سے علم کلام کی تحصیل کے لیے رشتہ تلمذ قایم کیا، امام سبکی لکھتے ہیں کہ انھوں نے کبر سنی میں امام اشعری سے علوم کلام سیکھے، لیکن ہمارے نزدیک امام قفال اس وقت کبیر السن نہیں تھے، کیوں کہ جس وقت امام اشعری کا انتقال ہوا ہے، اس وقت امام قفال کی عمر صرف تیس برس کی تھی۔

جلالت علمی: اساتذہ وشیوخ کے ناموں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ امام قفال کا ذوق،

(۱) طبقات: ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۳۰-۱۲۹ (۲) وفیات: ابن خلکان ج ۲ ص ۲۳۶ (۳) طبقات شیرازی: ص ۹۱، سمعانی: ج ۲ ص ۵۰ (۴) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۲۰۱ (۵) طبقات ابن شہبہ: ج ۱ ص ۳۰-۱۲۹

معیار اور انتخاب کس درجہ بلند تھا، چناں چہ اسی کا ثمرہ تھا کہ بعد میں امام قفال علم وفقہ کی دنیا میں آفتاب و ماہتاب بن کر روشن ہوئے، اوپر ہم نے ان کی شان میں چند جملے نقل کیے ہیں، ان کے علاوہ امام سبکی نے نہایت شاندار اور پرشوکت الفاظ میں ان کی جلالت علمی کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ امام قفال تفسیر، حدیث، کلام، اصول، فروع، زہد و ورع اور لغت وشعر میں یکساں طور پر درجہ امامت پر فائز تھے، وہ یکتائے زمانہ میں سے ایک تھے۔(۱)

امام عبادی کا قول ہے کہ فقہائے شافعیہ میں ان کی تحریر سب سے زیادہ فصیح ہے، علوم شریعت میں وہ سب سے زیادہ دقیقہ سنج ہیں۔

امام قفال کے لیے ایک شاگرد حلیمی نے کہا کہ اپنے زمانہ میں میں جن لوگوں سے ملا، ان میں امام قفال سب سے بڑے عالم تھے۔(۲)

امام ابواسحاق شیرازی نے لکھا کہ بے نظیر تصانیف کے وہ مصنف تھے اور انہی کے ذریعہ ماوراء النہر میں فقہ شافعی کو فروغ حاصل ہوا۔(۳)

ابن خلکان نے ان کو امام العلوم لکھتے ہوئے کہا کہ کم از کم ماوراء النہر کے شافعیوں میں ان کا ثانی نہیں تھا۔(۴)

امام ذہبی نے ان کو شیخ الشافعیہ کے لقب سے یاد کیا، انھوں نے یہ بھی لکھا کہ وہ محدث، فقیہ اور اصول فقہ کے عالم تو تھے ہی، ان کے اشعار بھی بہت خوب ہیں۔(۵)

امام نووی نے ان کو امام زمانہ لکھا اور خاص طور سے اصول فقہ میں ان کے تبحر کا ذکر کیا(۶)، امام نووی نے تفسیر، حدیث، اصول فقہ اور کلام کے مباحث میں بار بار امام قفال شاشی کا حوالہ دیا ہے، جب کہ فقہیات میں وہ امام قفال مروزی کے اقوال کی تکرار کرتے ہیں، ابن الصلاح نے ان کی شخصیت کو مجمع علوم سے تعبیر کیا۔(۷)

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج۲ص۲۰۰ (۲) طبقات مصنف: ص۲۷ (۳) طبقات شیرازی: ص۹۱ (۴) وفیات: ج۲ص۲۳۶ (۵) شذرات الذہب: ج۳ص۵۱ (۶) تہذیب الاسماء: ج۲ص۲۸۳-۲۸۲ (۷) طبقات کبریٰ: ج۲ص۲۰۰

صاحب شمشیر: امام قفال کی حیات اس لیے اور بھی تابدار نظر آتی ہے کہ قلم کے ساتھ ساتھ انھوں نے شمشیر وسناں سے بھی کام لیا، حلیمی نے اسی لیے ان کو ناصر الدین بالسیف والقلم کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان سرحدی جنگیں ہوتی رہتی تھیں، ۳۴۹ھ میں سیف الدولہ ابن حمدان سے رومیوں کی سخت جنگ ہوئی تھی، مسلمانوں کی فوج میں دوسرے لوگوں کے ساتھ خراسان اور ماوراء النہر کے مسلمان بھی شامل تھے، جن کے قائد امام قفال شاشی تھے، جنگ کے دوران بادشاہ روم نقفور کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف ایک منظوم رزم نامہ آیا جس میں مسلمانوں پر بہتان، دشنام اور الزام تراشیاں کی گئی تھیں، ساتھ ہی دھمکیاں دی گئی تھیں، مسلمانوں کے لشکر میں اگرچہ خراسان، شام، مدائن اور عراق وغیرہ کے ایسے اشخاص موجود تھے، جن کا شمار ادیبوں، شاعروں اور اہل زبان میں ہوتا تھا، تاہم جواب دینے کی سعادت اور شرف امام قفال کو حاصل ہوا۔

نقفور کے رجزیہ کے بعض اشعار یہ ہیں:

من الملك الطهر المسيحى رسالة	الى قائم بالملك من آل هاشم
اما سمعت اذناك ما انا صانع	بلىٰ فعداك العجز عن فعل حازم
نعم و فتحنا كل حصن ممنع	فسكانه نهب النسور القشاعم
سبينا و سقنا خاضعات حواسرا	بغير مهور لا و لا حكم حاكم
وكم وقعة فى الدرب ذاقت كماتكم	فسقناكم سوقا كسوق البهائم
ومصر سافتحها بسيفى عنوة	واحرز اموالاً بها فى غنائم
فان تهربوا تنجو كراما اعفة	من الملك المغرى بترك المسالم
فعودوا الى ارض الحجاز اذلة	وخلوا بلاد الروم اهل المكارم
سافتح ارض الشرق طرا و مغرباً	وانشر دين الصلب نشر العمائم

اس رجز نامہ کے تقریباً انچاس (۴۹) اشعار امام سبکی نے نقل کیے ہیں اور اس کے جواب

میں امام قفال کے تقریباً ستر اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں، بعض اشعار اس طرح ہیں:

اتــانــی مـقــال لامری غیر عـالم — بطرق مجاری القول عند التخاصم

تسمی بطهر وهو انجس مشرك — مدنسة اثوابه بالمراسم

تثبت هداك الله ان كنت طالبا — لحق فليس الخبط فعل المقاسم

ولاتتكبر بالذی انت لم تنل — كلابس ثوب الزور وسط المقاوم

تری نحن لم نوقع بكم و بلادكم — وقائع يثنی ذكرها فی المواسم

وعظمت من امر النساء وعندنا — لكم الف الف من اماء وخادم

ولكن كرمنا اذ ظفرنا وانتم — ظفرتم فكنتم قدوة للألائم

فمن مبلغ تقفور عنی مقالتی — جوابا لما ابداه من نظم ناظم

لقد اسلمت بالشرق هند وسندها — وصين واتراك الرجال الاعاظم

اتتك خراسان تجر خيولها — مسومه مثل الجراد السوائم

غزاة شروا ارواحهم من الاهبهم — بجناته والله اوفی مساوم

تعالوا نحاكمكم ليحكم بيننا — الی السيف ان السيف اعدل حاكم

ونرجو بفضل الله فتحا معجلا — ننال بقسطنطين ذات المحارم

وان تسلموا فالسلم فيه سلامة — واهنا عيش للفتی عيش سالم

امام قفال کا جواب جب قسطنطنیہ پہنچا تو وہاں کے مسیحی علما نے تعجب سے پوچھا کہ یہ اشعار کس شخص کے ہیں، بعض نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہیں۔(۱)

امام قفال کے شمشیر وسناں کے شور وشغب میں اس قدر طویل رزم نامہ سے ان کی حمیت اور جرأت کے علاوہ ان کی قادر الکلامی اور برجستہ گوئی کا اندازہ ہوتا ہے، ان کے علاوہ امام نووی نے بھی ان کے کچھ دوسرے اشعار نقل کیے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۲۰۵

اوسع(۱)رحلی علی من نزل وزادی مباح علی من اکل
نقدم حاضر ما عندنا وان لم یکن غیر خبز و خل
فاما الکریم فیرضی بہ واما اللئیم فمن لم ابل

مسلک اعتزال کا شبہ: امام قفال شاشی سے ایسے کئی مسائل اور اقوال منسوب تھے جن کے بارہ میں علما کا خیال تھا کہ یہ معتزلہ کے اصولوں پر مبنی ہیں، چناں چہ علما میں جب بھی اس بات پر بحث و مباحثہ کا دور چلتا تو نتیجہ کے طور پر امام قفال کا معتزلی ہونا قرین قیاس معلوم ہوتا، ایک بار ابوسہل الصعلوکی سے امام قفال کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ایک رخ سے تو وہ پاک صاف ہے، لیکن اس کا دوسرا پہلو پاکیزہ نہیں ہے، انکے اس قول کی وضاحت میں کہا گیا کہ معتزلہ کی طرف میلان ہونے کی وجہ سے ہی یہ دوسرا پہلو بدنما ہے(۲)، امام سبکی لکھتے ہیں کہ امام قفال کے اس میلان کی وجہ سے ان کے ذہن میں تشویش تھی مگر جب حافظ ابوالقاسم ابن عساکر کا یہ قول ان کے سامنے آیا کہ امام قفال اولاً اعتدال سے ہٹ کر اعتزال کی طرف مائل تھے، لیکن پھر انھوں نے اشاعرہ کے مسلک کی جانب رجوع کرلیا تو پھر امام سبکی کی یہ تشویش دور ہوگئی۔(۳)

بعض مسائل میں دیگر فقہائے شافعیہ حتی کہ امام ابن سریج کے مسلک میں معتزلہ کا رنگ پایا جاتا ہے لیکن ان کو اس لیے معذور قرار دیا گیا کہ علم کلام میں ان کو کامل دسترس حاصل نہیں تھی لیکن امام قفال شاشی تو علم کلام میں درجہ امامت رکھتے تھے اس لیے ان کو معذور قرار نہیں دیا جاسکتا، اسی لیے جب عساکر کے بیان کے مطابق امام قفال کا رجوع ثابت ہوگیا تو پھر علمائے شافعیہ کی ایک بڑی خلش دور ہوگئی۔

تلامذہ: امام قفال کے شاگردوں اور ان سے روایت کرنے والوں میں ابوعبداللہ نیشاپوری عبدالرحمٰن سلمی، ابوعبداللہ حلیمی، ابن مندہ اور ابونصر عمر بن قتادہ وغیرہ ہیں، ان میں ابوعبداللہ

---

(۱) تہذیب الاسماء: ج ۲ ص ۲۸۳، امام سبکی نے بھی انہی اشعار کو نقل کیا ہے مگر دوسرے شعر میں بجائے غیر خبز کے غیر بقل کا لفظ ہے۔(۲) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۲۰۱ (۳) ایضاً

حاکم نیشاپوری نہایت نامور اور صاحب مستدرک ہوئے، ان کی تصانیف کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ تقریباً ڈیڑھ ہزار اجزا میں تھیں۔

امام اشعری سے امام قفال نے علم کلام کا درس لیا تھا اور بعض روایتوں کے مطابق امام اشعری نے ان سے علوم فقہ بھی حاصل کیے، اس سے امام قفال کے علوئے مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے کہ گو وہ عمر میں بہت چھوٹے تھے، تاہم امام اشعری جیسے یگانۂ روزگار ان سے علم حاصل کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے تھے، اگرچہ قاضی شہبہ نے اس روایت کی صحت میں شک کا اظہار کیا ہے اور اس کی وجہ ان کے نزدیک یہی ہے کہ امام اشعری ایک ۲۵-۲۶ سال کے نوجوان سے فقہ کا علم کیسے حاصل کر سکتے تھے، ان کا کہنا ہے کہ اسی قسم کی روایت امام ابواسحاق مروزی کے بارے میں مشہور ہے اور وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے(۱)، لیکن ہمارے نزدیک امام قفال کے متعلق بھی یہ روایت صحیح ہو سکتی ہے کہ علم کے حصول میں عمروں کا تفاوت کوئی امر مانع نہیں ہے۔

صاحبزادے: امام قفال سے روایت کرنے والوں میں ان کے ایک صاحبزادے القاسم کا نام بھی شامل ہے، امام غزالی نے کتاب الرہن میں ان کا ذکر کیا لیکن بجائے القاسم کے انھوں نے ابوالقاسم لکھا ہے(۲)، ان کی ایک کتاب 'کتاب التقریب' اہل علم میں متداول تھی (۳)، العجلی نے لکھا ہے کہ اصلاً یہ کتاب امام قفال کی ہی ہے لیکن ابن خلکان نے لکھا کہ انھوں نے ۶۶۵ھ میں دمشق کے مدرسہ عادلیہ کے کتب خانہ میں 'کتب التقریب' کی ۶ جلدیں دیکھی ہیں جو شاید دس حصوں میں تھیں، ان پر لکھا ہوا تھا کہ یہ ابوالحسن القاسم بن ابی بکر القفال الشاشی کی تصنیف ہے۔(۴)

تصنیفات: امام قفال کی تصنیفات کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ وہ خوب ہیں اور بے مثل و بے نظیر ہیں(۵)، امام نووی نے لکھا کہ ان کی کتابوں کا شمار وقیع ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔(۶)

---

(۱) طبقات ابن شہبہ: ج اص ۱۳۰ (۲) وفیات ج ۲ص ۲۳۶ (۳) شذرات الذہب ج ۳ص ۵۱

(۴) وفیات: ج ۲ص ۲۳۶ (۵) کشف الظنون ج اص ۳۸۹ (۶) تہذیب الاسماء: ج ۲ص ۲۸۳

فقہ کے علوم میں ایک شاخ علم الجدل کی بھی ہے، اس علم میں اولین باضابطہ کتاب امام قفال ہی نے لکھی(۱)، امام شافعی کے الرسالہ کی انھوں نے شرح بھی لکھی، علامہ چلپی نے امام صیرفی، امام ابوالولید حسان بن محمد نیشاپوری، امام ابوبکر محمد جوزقی شیبانی کی نمایاں ترین شرحوں کے ساتھ ان کی شرح کا ذکر کیا ہے(۲)، انھوں نے ان کی ایک کتاب ادب القاضی کا بھی نام لیا ہے(۳)، کشف الظنون میں ایک اور کتاب محاسن الشریعہ فی فروع الشافعیہ کا ذکر آتا ہے، یہ کتاب نادر مسائل پر مشتمل تھی، بقول علامہ چلپی بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں، اس کا ایک نسخہ قاہرہ کے مدرسہ فاضلیہ میں موجود تھا، یہ تین جلدوں میں تھی، پہلی جلد کا آغاز اس طرح ہوا تھا۔

الحمدلله الغنی الحمیدذی العرش المجید ذکر فیها الفها جوابا لمن سال عن علل الشریعة الخ (۴) ان کتابوں کے علاوہ تفسیر کبیر اور دلائل النبوۃ کا نام بھی ان کی کتابوں کی فہرست میں شامل ہے(۵)، امام نووی نے لکھا ہے کہ دلائل النبوۃ ان کی نہایت نفیس کتاب ہے۔(۶)

وفات: تقریباً نصف صدی تک علم و عرفان سے مخلوق خدا کو فیض پہنچانے کے بعد ۷۴ سال کی عمر میں ذی الحجہ ۳۶۵ھ (۹۷۶ء) بمقام شاش ان کا انتقال ہوا، مگر امام ابواسحاق شیرازی نے لکھا ہے کہ یہ ۳۳۶ھ ہے(۷) اور سمعانی کی ایک روایت کے مطابق یہ ۳۶۶ھ کا سال تھا مگر یہ دونوں روایتیں سہو پر مبنی ہیں، صحیح اور متفقہ قول ۳۶۵ھ ہی کا ہے۔

بعض منفرد اقوال: امام سبکی نے ان کے ذکر میں ان کے اقوال و مسائل کی سرخی تو قائم کی ہے مگر پھر بیاض ہی ہے، شاید وہ یہاں مسائل نقل کرنا بھول گئے یا پھر مخطوطہ سے وہ صفحہ

---

(۱) تہذیب الاسماء: ج۲ص۲۸۳ (۲) کشف الظنون: ج۱ص۵۵۵ (۳) ایضاً ص۴۷
(۴) کشف الظنون: ج۱ص۳۸۹ (۵) طبقات: ابن شہبہ ج۱ص۱۳۱ (۶) تہذیب الاسماء: ج۲ص۲۸۳ (۷) طبقات شیرازی: ص۹۱

حادثات کی نذر ہو گیا (۱)، البتہ امام نووی نے دو تین اقوال نقل کیے ہیں۔

امام قفال کا ایک قول یہ تھا کہ بیماری کے عذر کے پیش نظر جمع بین الصلاتین جائز ہے۔

عقیقہ کے مسئلہ میں ایک صورت یہ ہے کہ عقیقہ میں اتنی تاخیر ہوئی کہ بچہ جوان ہو گیا تو اب عقیقہ کا حکم غیر مولود کے حق میں ساقط ہو جاتا ہے اور اب اس جوان کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اپنی طرف سے اپنا عقیقہ کر سکتا ہے، باپ یا سرپرست پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے، اس مسئلہ میں امام شاشی اس رائے کو مستحسن سمجھتے ہیں کہ وہ جوان اپنی طرف سے عقیقہ کرے کیوں کہ ایک روایت کے مطابق جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی ہونے کے بعد اپنی طرف سے اپنا عقیقہ کیا لیکن امام شافعی کا ایک قول امام بویطی کے حوالہ سے یہ ہے کہ وہ جوان اپنا عقیقہ نہ کرے۔ (۲)

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۲۲۲ (۲) تہذیب الاسماء: ج ۲ ص ۲۸۳

امام ابوالقاسم دارکی

فقہائے شافعیہ میں اجتہادی شان رکھنے والے اور امام ابوحامد اسفرائنی جیسے قابل فخر شاگرد کے استاذ کی حیثیت سے امام دارکی کا ذکر ان صفحات میں ناگزیر ہے، گو ان کے حالات بھی تشنہ و مختصر ہیں، تاہم ان کے ذکر سے تاریخ و تراجم کے صفحات خالی بھی نہیں ہیں۔

نام و نسب: ان کا پورا نام و نسب یہ ہے: عبدالعزیز بن عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز، حاکم ابوعبداللہ نے تاریخ نیشاپور میں عبدالعزیز بن حسن بن احمد لکھا ہے (۱)، مگر یہ ان کا سہو ہے، حسن امام دارکی کے نانا کا نام ہے، شاید حاکم ابوعبداللہ کو بعد میں اپنی اس غلطی کا احساس ہوگیا تھا اس لیے امام سبکی نے ان کا یہ عذر نقل کیا ہے کہ امام دارکی زیادہ تر بغداد میں رہے، نیشاپور بہت کم آئے، اسی لیے ان کو زیادہ معلومات نہ مل سکے۔ (۲)

امام دارکی کی کنیت ابوالقاسم ہے، دارکی وطنی نسبت ہے، 'دارک' اصفہان کا ایک گاؤں تھا اور مردم خیز تھا، بقول یاقوت حموی یہاں بہت سے اہل علم ہوئے (۳) جن میں سب سے زیادہ شہرت ہمارے امام دارکی نے حاصل کی۔

تعلیم و تربیت: ان کا خاندان اہل علم کا خاندان تھا، والد اپنے زمانہ میں اصفہان کے محدثین میں شمار ہوتے تھے (۴) اور نانا حسن بن محمد دارکی وہاں کے مشہور محدث تھے، انھوں نے حدیث کی سماعت و روایت اور علومِ حدیث کی تحصیل اپنے نانا ہی سے کی۔ (۵)

فقہ کا علم امام ابواسحاق مروزی سے حاصل کیا۔

---

(۱) انساب: ج ۲ ص ۲۱۸ (۲) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۲۴۰ (۳) معجم البلدان: ج ۳ ص ۱۲ (۴) طبقات ہدایہ: ص ۳۱ و انساب: حوالہ مذکورہ (۵) تاریخ بغداد: ج ۱۰ ص ۴۶۴-۴۶۳

نیشاپور اور بغداد کا قیام: تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ ایک عرصہ تک نیشاپور میں درس دیتے رہے (۱)، ایک عرصہ کی تشریح 'کئی برس' سے کی گئی (۲)، لیکن ابن ہدایہ نے لکھا کہ انھوں نے نیشاپور میں دو برس تک قیام کیا (۳)، ابن خلکان کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۳۵۳ھ میں نیشاپور آئے (۴)، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تقریباً پچاس برس کی عمر میں نیشاپور آئے اور دو برس یہاں قیام کرنے اور درس و تدریس کے بعد بغداد تشریف لے گئے، اس سے پہلے کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، گمان غالب یہ ہے کہ انھوں نے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد یا تو دارک میں یا پھر اصفہان میں سکونت اختیار کی، نیشاپور کے سفر کے بعد انھوں نے بغداد کا قصد کیا اور پھر مستقل طور پر عمر کا آخری حصہ وہیں گزارا، نیشاپور میں ان کے حلقہ درس کی خاص بات یہ تھی کہ مختلف مکاتب فکر کے لوگ اس میں یکساں طور پر شامل ہوتے تھے۔ (۵)

بغداد میں ان کے اصل جوہر کھلے، یہاں انھوں نے درب ابی خلف کی ایک مسجد 'مسجد دعلج بن احمد سنجری' میں حدیث وفقہ کا درس دینا شروع کیا، جس میں کثرت سے بغداد اور دوسرے علاقوں کے علما و طالبین علم شریک ہوتے تھے، امام احمد بن محمد ابوحامد اسفرائینی کے شیخ علی بن ابن المرزبان کا انتقال ہوا تو پھر وہ ان کے درس میں شریک ہوئے اور ان کے خاص شاگرد کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔

بغداد کی جامع مسجد میں ان کا ایک خاص حلقہ تھا، جس میں مسائل پر غور وخوض کیا جاتا اور دریافت طلب مسائل اور استفتا میں حد درجہ احتیاط و تحقیق کے بعد جوابات دئے جاتے۔ (۶)

بعض اوقات ان کے جوابات امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے اقوال کے مخالف

---

(۱) طبقات شہبہ: ج۱ص۱۱۹ (۲) المنتظم ج۷ص۱۲۹ (۳) طبقات ہدایہ: ص۳۱ (۴) وفیات: ج۱ص۵۲۷ (۵) تاریخ بغداد: ج۱۰ص۴۶۴ (۶) المنتظم حوالہ مذکورہ و البدایہ والنہایہ: ج۱۱ ص۳۴۷

ہوتے، ان سے جب اس سلسلہ میں کہا جاتا تو فرماتے کہ افسوس، جب فلاں نے فلاں سے روایت کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول نقل کیا ہے تو اس کے مقابلہ میں امام شافعی وامام ابوحنیفہ کے اقوال کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اختیار کرنا ہی بہتر ہے، ہم حدیث کو قبول کریں گے اور جو قول اس کے مخالف ہوگا اسے ترک کردیں گے۔(۱)

علمی وفقہی شان: ان کے اس غیر تقلیدی رجحان کی وجہ سے امام سبکی نے ان کو مجتہد کہا ہے اور لکھا ہے کہ وہ بسا اوقات اجتہاد سے کام لیتے تھے، انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام دارکی فقہائے شافعیہ میں درجہ امامت پر فائز تھے اور ارفع مقام رکھتے تھے(۲)، ابن خلکان نے ان کو فقہائے شافعیہ کے بڑوں میں شمار کیا ہے(۳)، وہ لکھتے ہیں کہ فقہ شافعی میں ان کے دلائل اور افکار وآرا اعلیٰ درجہ کے ہیں، جن سے ان کی علمی متانت کا اندازہ ہوتا ہے(۴) حاکم ابوعبداللہ ۳٦٧ھ میں جب بغداد گئے تو انھوں نے دیکھا کہ امام دارکی بغداد کے امام ہیں(۵)، تقریباً سبھی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بغداد کی ریاست علم اور فقہ شافعی کی تدریس ان پر ختم تھی، ابن عماد حنبلی نے لکھا کہ فقہائے شافعیہ میں ان کی ایک شخصیت تھی(٦) لیکن سب سے شاندار خراج عقیدت ان کے مایہ ناز شاگرد امام ابوحامد اسفرائینی نے یہ کہہ کر پیش کیا کہ میں نے ان سے بڑا اور ان سے بڑھ کر کوئی اور فقیہ نہیں دیکھا(۷)، امام خطیب بغدادی نے ان کو ثقہ اور امین لکھا اور امام دارقطنی نے جب بھی ان کا ذکر کیا تو تعریف وتوصیف کے الفاظ سے ان کو یاد کیا۔(۸)

اعتزال کا الزام: ان کے بارے میں کچھ لوگوں نے یہ لکھا کہ ان کا رجحان اعتزال کی جانب تھا اور وہ معتزلی ہوگئے تھے(۹)، مگر اس روایت کے راوی ابن الفوارس خود کہتے ہیں

---

(۱) المنتظم، البدایہ والنہایہ اور طبقات کبری بحوالہ سابقہ (۲) طبقات کبریٰ (۳) وفیات (۴) البدایہ والنہایہ (۵) انساب (٦) شذرات الذہب (۷) طبقات شہبہ: طبقات ہدایہ منتظم اور شذرات وغیرہ (۸) شذرات الذہب وطبقات شہبہ (۹) ایضاً

کہ یہ اتہام والزام ہے کیوں کہ میں نے ان سے کچھ نہیں سنا، جب وہ حدیث بیان کرتے تو میں موجود نہ ہوتا اور جب ان کی مجلس میں موجود ہوتا تو دوسرے مسائل پر گفتگو ہوتی، اس لیے ان سے اس سلسلہ میں کچھ سننے کی نوبت نہیں آئی (۱) امام اسفرائینی نے تو صاف کہا کہ یہ محض اتہام ہے۔(۲)

وفات: بغداد میں جمعہ کی شب ۱۳ر شوال ۴۷۵ھ کو انتقال ہوا (۳)، جمعہ کے دن شونیزیہ کے قبرستان میں جعفر خلدی کی قبر کے پاس دفن ہوئے، ایک قول کے مطابق ذی القعدہ میں وفات ہوئی مگر یہ صحیح نہیں جیسا کہ امام خطیب بغدادی کا خیال ہے، انتقال کے وقت ستر سال سے کچھ اوپر کی عمر تھی۔

علمی ورثا: ان کے کسی صاحبزادے یا پس ماندگان میں کسی شخص سے ہم واقف نہیں لیکن ان کے شاگردوں اور ان سے روایت کرنے میں چند اہم ناموں کا ذکر ضرور ملتا ہے، امام ابوحامد اسفرائینی کا ذکر تو اوپر گزر چکا ہے، ان کے علاوہ ابومحمد جلال، ابوالقاسم زہری (ازہری) جو لغت میں امام اور نہایت صالح فقیہ تھے، علی بن محمد الحسن الحربی، عبدالعزیز بن علی ازجی، (ارجی) ابوالحسن عتیقی، ابوالقاسم تنوخی اور حاکم ابوعبداللہ حافظ جیسے اپنے وقت کے ممتاز ترین محدث وفقہا ان کے زمرہ تلامذہ میں شامل ہیں۔

امام سبکی نے ان سے منسوب دو تین مسائل نقل کیے ہیں اور یہی اب ان کی فقہی امانت ہیں، ان کی کسی تصنیف سے بھی ہم واقف نہیں ہو سکے۔

---

(۱) تاریخ بغداد (۲) انساب (۳) تاریخ بغداد

امام ابوالقاسم صیمری

امام ابوالقاسم صیمری کے حالات کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، تاہم اس سے ان کے درجۂ امامت اور ان کی تصنیفات کی اہمیت میں کمی نہیں آئی ہے، امام ماوردی کے استاد ہونے کی وجہ سے ان کا درجہ اور بھی بلند ہے، ہم نے ان ہی باتوں کے پیش نظر ان کا تذکرہ یہاں ضروری سمجھا۔

نام: عبدالواحد بن الحسین بن محمد نام ہے، ابوالقاسم کنیت ہے، القاضی اور نزیل البصرہ کی نسبتوں سے بھی معروف ہیں لیکن وطن کی نسبت صیمری ہے اور اصلاً شہرت اسی نسبت سے پائی۔

ان کی پیدائش کس سن میں ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ اور خاندان اور ابتدائی نشو ونما کی کیا تفصیلات ہیں؟ ان سوالوں کا جواب دستیاب نہیں۔

البتہ صیمری کی نسبت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صیمر میں پیدا ہوئے ہوں گے، اس نام کے دو علاقے ہیں، ایک تو صیمرہ ہے جو دیار جبل اور مغربی ایران کے صوبہ خوزستان کے درمیان ایک بستی تھی اور اپنی آبادی اور مساجد و منابر کی کثرت کی وجہ سے مشہور تھی (۱)، ابن باطیش کے قول کے مطابق امام ابوالقاسم صیمری یہیں کے رہنے والے تھے (۲)، دوسرا قول یہ ہے کہ بصرہ کے دریاؤں یا نہروں میں سے ایک کا نام صیمر یا صیمرہ ہے، اس دریا کے کنارے کئی بستیاں آباد تھیں، ان کے باشندوں کو صیمری کہا جاتا تھا (۳) یہ مردم خیز بستی تھی، چنانچہ ابوعبداللہ حسن بن علی قاضی مدائن و کرخ نہایت فاضل اور صاحب نظر بزرگ اور

(۱) الانساب: ج ۲ ص ۳۵۹ (۲) تہذیب الاسماء: ج ۲ ص ۲۶۵ (۳) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۲۴۳

ابوالعنبس محمد بن ماہان مشہور شاعر اسی صیمرہ کے رہنے والے تھے(۱)، امام سبکی، امام نووی اور ابن الجوزی وغیرہ کا خیال ہے کہ امام ابوالقاسم صیمری بھی اسی بستی کے رہنے والے تھے۔(۲)

بصرہ میں سکونت: وہ اگرچہ صیمرہ سے وطنی نسبت رکھتے تھے مگر ان کی سکونت بصرہ میں تھی، بصرہ ان کا وطن ثانی تھا، اسی لیے نزیل بصرہ بھی کہلائے۔(۳)

اساتذہ: انھوں نے کن شیوخ سے فقہ وحدیث کے علوم حاصل کیے؟ اس سوال کا جواب بھی بہت مختصر ہے، اپنے وقت کے نامور امام فقہ اور امام ابوعلی بن خیران کے لائق ترین شاگرد امام قاضی ابوحامد مروزی بصرہ میں فقہ شافعی کے بڑے نمائندے تھے اور علم کے گویا بحر مواج تھے، بقول امام مطوعی وہ صدر من صدور الفقہ کبیر و بحر من ابحار العلم غزیر تھے، امام صیمری ان کی مجلس کے حاضر باشوں میں سے تھے اور کثرت سے ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے، بعد میں قاضی ابوحامد مروزی کے ایک شاگرد محمد بن الحسن بن منتصر ابوالفیاض بصری سے انھوں نے فقہ شافعی کا درس لیا۔

تلامذہ: تذکرہ نویسوں نے یہ تو لکھا ہے کہ علم کی طلب میں لوگ دور دراز علاقوں سے امام صیمری کے پاس آتے تھے(۴) اور ایک جماعت ہے جس نے ان سے استفادہ کیا(۵)، لیکن ہم ان کے شاگردوں کے نام سے واقف نہیں ہیں، تاہم ان کے ایک شاگرد کا نام ہی ان کی قدر ومنزلت کی معرفت کے لیے کافی ہے یعنی اقضی القضاۃ امام علی بن محمد ابوالحسن ماوردی بصری صاحب الحاوی و احکام السلطانیہ، جن کی جلالت علمی کا حال ہم آگے بیان کریں گے، انھوں نے فقہ میں امام صیمری سے کسب فیض کیا۔

علوئے مرتبت: امام سبکی لکھتے ہیں کہ اصحاب شافعیہ کے وہ امام تھے اور صاحب

---

(۱) الانساب: ج۲ ص۳۵۹ والمنجد فی الاعلام (۲) طبقات کبریٰ و تہذیب الاسماء حوالہ سابق

(۳) طبقات کبریٰ (۴) طبقات ابن شہبہ: ج۱ ص۱۷۷ (۵) طبقات ابن ہدایہ: ۴۳

وجیہ تھے۔(۱)

امام نووی نے لکھا ہے کہ وہ ہمارے اصحاب کبار میں سے ہیں اور صاحبِ امتیاز ہیں(۲)، امام ابو اسحاق شیرازی نے لکھا ہے کہ وہ مسلکِ شافعی کے حافظ تھے۔(۳)

تصانیف: ان کی تصنیفات کے بارے میں امام شیرازی نے لکھا کہ وہ بہترین کتابیں ہیں(۴)، خصوصاً الایضاح ان کی سب سے عمدہ تصنیف ہے، اس کا پورا نام الایضاح فی المذہب یا الایضاح فی الفروع(۵) ہے، ابن شہبہ نے لکھا تھا کہ یہ پانچ جلدوں میں ہے، لیکن علامہ چلپی نے اس کو سات جلدوں میں شمار کیا ہے(۶)، بقول امام نووی یہ نفیس ترین کتاب ہے، بے شمار فوائد پر مشتمل ہے مگر کمیاب ہے۔(۷)

اس کتاب کے علاوہ کتاب فی الشروط، کتاب فی القیاس والعلل، کتاب فی الادب المفتی والمستفتی اور کتاب الکفایہ کے نام بھی تذکرہ نگاروں نے لکھے ہیں، علامہ چلپی نے الکفایہ کا پورا نام الکفایہ فی القیاس لکھا ہے، انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام صیمری نے اپنی اس کتاب کی شرح ایک جلد میں لکھی اور الارشاد نام رکھا۔(۸)

وفات: ان کا انتقال ۳۸۶ھ میں ہوا لیکن ابن شہبہ لکھتے ہیں کہ ان کی وفات ۳۸۶ھ کے بعد ہوئی کیوں کہ امام ذہبی کہتے ہیں کہ امام صیمری ۴۰۵ھ میں موجود تھے، حالاں کہ وہ ان کی تاریخ وفات سے لاعلم ہیں لیکن اس پر انھیں یقین ہے کہ امام صیمری ۴۰۵ھ میں بصرہ میں موجود تھے۔(۹)

چند اقوال: امام رافعی نے آداب قضاء الحاجۃ، تیمّم، مسح الخف وغیرہ میں ان کے مسائل نقل کیے ہیں، امام نووی نے بھی ایک دو قول نقل کیے ہیں اور امام سبکی نے تلاش بسیار کے بعد ان کے چند مسائل پیش کیے ہیں، مثلاً:

---

(۱) طبقات کبریٰ (۲) تہذیب الاسماء (۳) طبقات شیرازی ص۱۰۴ (۴) ایضاً (۵) کشف الظنون: ج۱ ص۱۷۷ (۶) ایضاً (۷) تہذیب الاسماء (۸) کشف: ج۲ ص۳۲۴ (۹) طبقات ابن شہبہ. ج۱ ص۱۷۷

ایک قول یہ ہے کہ جس شخص کے بدن کا کچھ حصہ بھی ناپاک ہو، اس کے لیے قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے۔

اعتقاد اور اصرار کے ساتھ جو شخص صحابۂ کرامؓ پر سب وشتم کرے تو اس کا یہ فعل کفر ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ نعوذ باللہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کرے، ایک مالدار شخص اگر وقف اغنیا میں کسی چیز کے لیے دعویٰ کرے تو اس کے لیے بینہ (ثبوت وگواہ) پیش کرنا ضروری ہے لیکن اگر یہ وقف وقف علی الفقرا ہے اور دعویٰ کرنے والا صاحب فقر ہے تو پھر بینہ اس کے لیے ضروری نہیں۔

اہل حرب کے ہاتھوں ہتھیار یا گھوڑوں کی فروخت درست نہیں ہے، ان کی عبارت میں یہ بھی ہے کہ اگر ہم طاقتور ہیں تو اس بیع کو بزور توڑ دیں گے۔

امام ابوسلیمان خطابی بُستی

امام ابوسلیمان خطابی بستی فقہ شافعی کے ایسے نامور ائمہ کے زمرہ میں ہیں جو حدیث، ادب، شعر وغیرہ اصناف علوم میں نمایاں مقام رکھنے کے ساتھ ہی فقہ میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہیں۔

نام ونسب: حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطابی نام ونسب ہے، ابوسلیمان کنیت اور خطابی نسبت آبائی ہے، بستی وطنی نسبت ہے، ۳۱۷ھ (۹۲۹ء) میں بست میں پیدا ہوئے۔

حَمد میم کے فتحہ کے ساتھ ہے لیکن بعض نے حَمد میم کے سکون کے ساتھ نقل کیا ہے(۱)، ابومنصور ثعالبی نے ان کا نام احمد لکھا ہے جسے امام سبکی نے غلط بتایا ہے، لیکن ثعالبی کے علاوہ بعض دوسرے تذکرہ نویسوں نے بھی احمد لکھا ہے، صاحب کشف الظنون نے جہاں بھی ان کا ذکر کیا ہے وہاں احمد بن محمد تحریر کیا ہے، لیکن اس اشتباہ کا ازالہ امام ابن خلکان نے کردیا، انھوں نے حاکم کا قول نقل کرکے لکھا کہ جب امام خطابی سے ان کے اصل نام کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ میرا نام تو حمد ہی ہے لیکن جب لوگوں نے احمد لکھنا شروع کیا تو میں نے اسے رہنے دیا(۲)، ابن عماد حنبلی نے بات اور واضح کردی کہ لوگوں نے جب احمد لکھنا شروع کیا تو انھوں نے حمد کو ترک کردیا۔(۳)

خطابی کی نسبت یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ بن الخطاب کے خاندان اور بھائی حضرت ابوعبدالرحمٰن زیدؓ بن الخطاب بن نفیل العدوی کی نسل سے ہیں، تاہم ان کے شجرہ سے یہ بات زیادہ ثابت نہیں ہوتی(۴)، صحیح یہی ہے کہ یہ ان کے جدامجد کی نسبت ہے۔

(۱) شذرات الذہب: ج۳ص ۱۲۷ (۲) وفیات: ج۱ص ۲۹۶ (۳) شذرات: ج۳ص ۱۲۸
(۴) طبقات کبریٰ: ج۲ص ۲۱۷ و طبقات شہبہ: ج۱ص ۱۴۰

بستی کی وطنی نسبت سے زیادہ مشہور ہیں، بست کی بستی دیار کابل میں ہرات اور غزنین کے درمیان واقع تھی، المنجد کے مطابق یہ افغانستان کا قدیم شہر ہے اور بلوچستان اور ہندوستان کے درمیانی راستہ پر ہے، یہ شہر قدیم ایرانی تہذیب کے مراکز میں تھا، تیمور لنگ کے حملہ کا یہ بھی نشانہ بنا تھا(۱)، یہ شہر سجستان کے دریائے ہندمند کے کنارے آباد ہے، بہت پہلے ابن حوقل نے لکھا تھا کہ بڑا سرسبز وشاداب ہے، کھجور اور انگور کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے، ایک اور قول کے مطابق یہ بڑا خوبصورت، پانی اور سبزہ سے معمور شہر ہے، مساجد اور رباطوں کی کثرت سے اس کی رونق میں اور اضافہ ہوتا ہے(۲) لیکن یاقوت حموی کو اس شہر میں نہروں اور باغوں کے باوجود ویرانی سی نظر آئی تھی، تاہم علم وفضل کی گرم بازاری اس شہر کی سب سے امتیازی شان تھی، علماوفضلا کی ایک بڑی تعداد اسی کی خاک سے اٹھی جن میں نامور ترین لوگوں میں قاضی ابومحمد الکبیری ہیں، جو صاحب السنن تھے اور امام بخاری کے شیوخ میں سے اکثر سے ملے تھے اور ابوحاتم محمد بن حبان تمیمی جنھیں امام عصر مانا گیا ہے، وہ بھی اسی شہر کے فرزند تھے لیکن سب سے نمایاں نام ہمارے امام خطابی کا ہے جو بست کے لیے باعث افتخار ہوئے، کسی شاعر نے اسی نسبت کی شان میں یہ شعر کہا تھا۔(۳):

اذا قیل ای الارض فی الناس زینة اجبنا وقلنا ابهج الارض بستها

تلاش علم اور سفر: ابتدائی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں کچھ مذکور نہیں، تاہم ان کے طالب علمانہ شد رحال کا ذکر ملتا ہے، امام ذہبی نے ان کو محدث رحال کے الفاظ سے یاد کیا ہے(۴) ان کے طلب علم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انھوں نے مکہ مکرمہ میں ابوسعید بن الاعرابی سے، بغداد میں اسماعیل بن محمد الصغار اور ابوجعفر الرزاز سے اور بصرہ میں ابوبکر بن داسہ سے اور نیشاپور میں ابوالعباس بن الاصم اور ان کے ہم عصروں سے حدیث کی سماعت وروایت کی۔

زبان وادب کا علم ابوعمرو الزاہد سے بغداد میں حاصل کیا، ابوعمرو الزاہد جو غلام

---

(۱) المنجد: ج ۲ ص ۱۳۱ (۲) تقویم البلدان: ج ۱ ص ۳۴۴ (۳) الانساب: ج ۱ ص ۸۱ والبلدان: ج ۲ ص ۱۷۰ (۴) تذکرۃ الحفاظ: ج ۳ ص ۲۲۳

ثعلب کی نسبت سے اس لیے مشہور ہیں کہ وہ مشہور زبان داں اور لغوی ثعلب کوفی کے شاگرد تھے خود بھی اعلیٰ درجہ کے ادیب اور انشا پرداز تھے۔(۱)

فقہ کے علوم ابوعلی بن ابی ہریرۃ اور امام قفال شاشی جیسے جلیل القدر ائمہ فقہ سے حاصل کیے۔

جلالت علمی: اپنے وقت کے ممتاز ترین ائمہ اور اپنے اپنے علوم میں ماہر ترین علما سے اکتسابِ فیض کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ امامِ وقت کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔

امام سبکی نے لکھا کہ وہ فقہ و حدیث میں امام تھے اور ایسے ائمہ سنت میں ان کا شمار ہے، جن کی اقتدا کی جانی چاہیے، ان کے احکام اس لائق ہیں کہ قبول کیے جائیں۔(۲)

امام ابوالمظفر ابن السمعانی نے کتاب القواطع فی اصول الفقہ میں علت، سبب اور شرط کی بحث میں ان کا ذکر کیا اور لکھا کہ دنیائے علم میں وہ بلند ترین مقام پر فائز تھے(۳)

امام نووی نے کتاب التہذیب میں لغت کے سلسلہ میں ان کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا کہ علم میں مطلق طور پر اور لغت میں خاص طور پر وہ نہایت بلند مرتبہ ہیں۔(۴)

ابن کثیر نے ان کو اعیان مشاہیر اور صاحب اجتہاد فقہا میں شمار کیا۔(۵)

امام ابن خلکان نے لکھا کہ ابوسلیمان خطابی کو ابوعبید القاسم بن سلام سے تشبیہ دی جاتی تھی کہ وہ ان ہی کی طرح علم و ادب، زہد و ورع اور تدریس و تالیف میں نابغۂ عصر تھے۔(۶)

ابن العماد حنبلی نے لکھا کہ ان کا شمار اساطین علم میں ہوتا ہے، وہ اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔(۷)

امام ذہبی نے ان کو المفید الامام العلامہ، ثقہ اور ثابت اور محدث رحال جیسے

---

(۱)طبقات، ابن شہبہ: ج۱ص۱۴۰(۲)طبقات کبریٰ: ج۲ص۲۱۸(۳)ایضاً(۴)طبقات ابن شہبہ: ج۱ص۱۴۰(۵)البدایہ حوالہ سابق(۶)وفیات: ج۱ص۲۹۶(۷)شذرات: ج۳ص۱۲۸

القاب وصفات سے متصف کیا ہے۔(۱)

سمعانی نے ان کی تعریف میں امام فاضل، کبیر الشان، جلیل القدر اور ادیب فقیہ کے الفاظ سپرد قلم کیے۔(۲)

ابن شہبہ نے لکھا کہ وہ فقہ، عربیت اور ادب کی محفل کے صدر نشیں تھے۔(۳)

شاعری: اگرچہ ان کے علمی کارناموں کی تاریخ، حدیث وفقہ کے صفحات پر ثبت ہے لیکن تذکرہ نگاروں نے ان کی شعرگوئی کی اضافی صفت کا خاص طور سے ذکر کیا، ابن کثیر نے لکھا کہ وہ بہت اچھے شعر کہتے تھے، یہی بات ابن شہبہ نے کہی کہ ان کے اشعار عمدہ ہوتے تھے۔

ہم ان کے بعض اشعار جو متفرق جگہوں پر موجود ہیں ان کو یہاں نقل کرتے ہیں:

ارض للناس جميعاً　　مثل ما ترضى لنفسك
انما الناس جميعاً　　كهم ابناء جنسك
فلهم نفس كنفسك　　ولهم حس كحسك
وما غربة الانسان فى شقة النوى　　ولكنها والله فى عدم الشكل
وانى غريب بين بست و اهلها　　وان كان فيها اسرتى وبها اهلى

ان کا اخلاقی رنگ ان کے تمام شعروں میں نمایاں ہے:

فسامح ولاتستوف حقك كلهم　　وابق فلم يستوف قط كريم(٤)
ولا تقل فى شىء من الامر واقتصد　　كلا طرفى قصد الامور سليم
مادمت حيًا فدار الناس كلهم　　فانما أنت فى دار المداراة
من يدر دارى ومن لم يدرى سوف يرى　　عما قليل نديما للندامات

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ج۲ص۲۲۳ (۲) الانساب: ج۱ص۳۰۳ (۳) طبقات ابن شہبہ حوالہ سابق

(۴) بعض کتابوں میں بجائے فلم يستوف کے فلم يستفض بھی ہے اور بجائے ولا تقل کے ولا تفل یا ولا تغل اور چوتھے مصرع میں بجائے سلیم کی جگہ ذمیم ہے، وفیات وشذرات۔

شر السباع العوادی دونہ وزر	والناس شرھم ما دونہ وزر

کم معشر سلموا لم یوذھم سبع	وما تری بشراً لم یوذہ بشر

تلامذہ: ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں ایک مخلوق خدا شامل ہے، وہ جہاں بھی رہے ان کی ذات سرچشمہ علم وفیض بنی رہی، جیسا کہ ابوعبداللہ حاکم نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ وہ نیشاپور میں ہمارے یہاں دو برس تک قیام پذیر رہے، حدیث کا درس دیا اور بے شمار خدا کے بندوں کو فیض یاب کیا(۱) تاہم ان کے وہ تلامذہ اور رواۃ جو نہایت نامور ہوئے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، ابوحامد اسفرائینی، ابوعبداللہ حاکم الحافظ نیشاپوری، ابونصر محمد بن احمد البلخی الغزنوی، ابومسعود حسین بن محمد الکرابیسی، ابوعبید الہروی صاحب الغریبین، عبدالغافر بن محمد الفارسی، ابوالقاسم عبدالوہاب بن ابی سہل خطابی اور ابوعمرو محمد بن عبداللہ الزرجاہی، ان میں حافظ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری اور ابوحامد اسفرائینی تو اپنے زمانہ کے یگانہ روزگار فضلا میں شمار ہوتے ہیں۔

تصانیف: شاگردوں کی طرح انھوں نے بیش بہا تصنیفات کا ورثہ بھی دنیائے علم کے لیے پیش کیا، ان تصنیفات کے ناموں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فن حدیث کی کتابیں تھیں لیکن ان کی شرح وتفصیل میں انھوں نے فقہی مباحث کو شامل کیا ہے، اس طرح ان کو حدیث وفقہ کے مسائل کی جامع کتابیں کہا جاسکتا ہے، ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں: معالم السنن، یہ سنن ابی داؤد کی شرح ہے، اعلام البخاری یا اعلام السنن فی شرح البخاری، غریب الحدیث، شرح اسماء اللہ الحسنٰی، کتاب اصلاح غلط المحدثین، کتاب عزلہ، کتاب الغنیہ عن الکلام واہلہ، کتاب الشجاج، کتاب شان الدعاء۔

سنن ابی داؤد سے ان کو خاص شغف تھا، کہتے تھے کہ میرے شیخ ابوسعید الاعرابی مکی کے ہاتھوں میں ابوداؤد تھی اور وہ فرماتے تھے کہ اگر کسی کے پاس صرف قرآن مجید اور یہ کتاب یعنی سنن ابی داؤد ہو تو پھر وہ علم میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہوسکتا(۲)،

(۱) الانساب: ج۱ص۲۰۳ (۲) طبقات کبریٰ: ج۲ص۲۱۸ وتذکرۃ الحفاظ: ج۳ص۲۲۳

کشف الظنون کی تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنن ابی داؤد ۲۷۵ھ کی سب سے پہلی شرح یہی معالم السنن ہے، امام خطابی نے اس کا آغاز اس عبارت سے کیا تھا۔(۱)

الحمدلله الذی هدانا لدینه و اکرمنا بسنته بنبیه صلی الله علیه وسلم

الخ بعد میں حافظ شہاب الدین احمد بن ابراہیم المقدسی ۷۶۹ھ نے اس کی تلخیص کی اور عجالۃ العالم من کتاب المعالم نام رکھا، پھر امام سیوطی نے اس کی شرح مرقات الصعود الی سنن ابی داؤد کے نام سے کی۔

امام خطابی نے جب ابی داؤد کی شرح لکھی تو اس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ اس میں بیان السنن اور فقہی حدیثیں جمع کر دی جائیں۔(۲)

معالم السنن کو انھوں نے بلخ کے زمانۂ قیام میں مکمل کیا تھا، جب وہ اس کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو اہل بلخ نے فرمائش کی کہ وہ جامع بخاری کی بھی شرح لکھیں، انھوں نے یہ فرمائش قبول کی اور اعلام السنن کے نام سے جامع صحیح بخاری کی شرح ایک ضخیم جلد میں کی، اس کا آغاز انھوں نے الحمدللہ المنعم الخ کے الفاظ سے کیا، بخاری کی شرحیں کثیر تعداد میں کی گئیں، لیکن امام خطابی کی یہ شرح اولین شرحوں میں سے ہے، علامہ چلپی نے لکھا ہے کہ یہ نہایت لطیف و دقیق نکات و مباحث پر مشتمل ہے(۳)، ان کی ایک اور اہم کتاب غریب الحدیث ہے، اس کے متعلق لکھا گیا کہ یہ ان کی مشہور ترین اور آسان ترین کتاب ہے اور حُسن بیان و بلاغت میں بھی ممتاز ہے، غرائب حدیث میں اگرچہ بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن کا ذکر علامہ چلپی نے کیا ہے لیکن اس فن میں ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ بصری ۲۱۰ھ اور ابومحمد عبداللہ ابن قتیبہ دینوری ۲۷۶ھ کی کتابوں کے بعد تیسری سب سے اہم کتاب ہمارے امام خطابی کی ہے جو مذکورہ حضرات کے طرز پر تحریر کی گئی، علامہ چلپی نے لکھا ہے کہ اس فن میں یہی تینوں کتابیں امہات کتب کا درجہ رکھتی ہیں۔(۴)

(۱) کشف الظنون: ج ۳ ص ۲۲۳ (۲) کشف الظنون: ج ۲ ص ۳۵ (۳) ایضاً ج ۱ ص ۳۶۵
(۴) ایضاً ج ۲ ص ۱۵۶، شرح غریب الحدیث کا ایک نفیس نسخہ مکتبہ احمد حلب میں ہے، تقریباً ۲۰۰ صفحات کا، سن کتابت ۱۰۹۳ء ہے۔

امام خطابی نے غریب من الکلام کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ کلام کی غرابت یہ ہے کہ پیچیدہ اور بعید از فہم ہو جیسے انسان کی غرابت کہ غریب من الناس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ وطن سے دور اور اہل وعیال سے منقطع ہو، انھوں نے غریب الکلام کی دو قسمیں بتائیں، پہلی یہ کہ اس سے ایسے معنی مراد ہوں جو گنجلک، مشکل اور دور از کار ہوں اور خاصے غور وفکر کے بعد معنی ومطالب، فہم کی گرفت میں آئیں، دوسری قسم وہ کلام ہے جو قبائل عرب کے شذوذ میں سے ہو تو جب ان قبائل عرب کا کوئی ایسا غیر مانوس لفظ سامنے آئے گا تو وہ غریب الکلام میں شمار کیا جائے گا۔(۱)

ان کی ایک اور کتاب شرح اسماء اللہ الحسنٰی ہے، اسماء حسنٰی کی شرحیں لکھنا بھی علما کا خاص موضوع تھا، چنانچہ ابن برجان اندلسی ۵۳۶ھ ابومنصور ہروی ۴۳۸ھ، ابوالعباس اقلیشی ۵۵۰ھ، برہان الدین محمد نسفی ۶۸۷ھ، ابوالفضل محمد خوارزمی ۵۶۲ھ، امام بیہقی ۴۵۸ھ، امام جصاص حنفی ۳۷۰ھ، امام فخر الدین رازی ۶۰۶ھ اور امام غزالی سنہ وغیرہ کے علاوہ بیسیوں علما نے اس فن میں کتابیں لکھیں، امام جصاص حنفی ۳۷۰ھ کے بعد امام خطابی، علمائے شافعیہ میں پہلے شخص ہیں، جنھوں نے اس موضوع پر کتاب سپرد قلم کی۔(۲)

کشف الظنون میں ان کی کتاب اصلاح غلط المحدثین کا نام تو ملتا ہے لیکن اور کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے۔(۳)

ان کتابوں کے علاوہ امام ابن خلکان نے کتاب الشجاج، کتاب شان الدعا اور دوسروں نے کتاب العزلہ اور کتاب الغنیہ عن الکلام واہلہ کا بھی ذکر کیا ہے، امام سبکی کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر اللغۃ کے نام سے بھی امام خطابی کی کوئی کتاب تھی، ان کی ایک کتاب شان الادعیۃ الماثورہ کا ایک نسخہ دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں موجود تھا(۴)، اس کے ساتھ ہی ان کی کتاب الاعتصام اور کتاب العزلہ بھی تھیں (معالم السنن ۲۰ ص ۲۲۱)

---

(۱) کشف: ج ۲ ص ۱۵۵ (۲) ایضاً ص ۵ (۳) ایضاً ج ۱ ص ۱۱۲ (۴) وفیات: ج ۱ ص ۲۹۶، طبقات: ج ۲ ص ۲۱۸، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۲۳

لیکن ان کتابوں کے متعلق مزید معلومات سے ہم محروم ہیں لیکن یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ساری کتابیں علم و حکمت سے لبریز ہوں گی کیوں کہ تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ امام خطابی کی کتابیں جامع، نافع اور نادر تھیں۔

بعض اقوال و مسائل: امام سبکی نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے جو زبان و مطلب دونوں کے لحاظ سے بار بار پڑھنے اور سمجھنے کے لائق ہے، انھوں نے فرمایا کہ الغنا ما اغناك لا ما عناك یعنی تونگری تو وہ ہے جو تم کو بے نیاز کر دے، نہ کہ تم کو مجبور کر دے، ایک بار فرمایا کہ عش وحدك حتی تزور لحدك، احفظ اسرارك و شدعليك ازارك، عالم تنہائی میں رہو، یہاں تک کہ مکان تنہائی (قبر) دیکھ لو، اپنے رازوں کی حفاظت کرو اور کمر بستہ رہو۔(۱)

امام رافعی نے نمازِ جمعہ، مسافر کی نماز اور صلوٰۃ کسوف کے باب میں ان کے بعض اقوال کو نقل کیا ہے، یہ مسئلہ بھی ان سے منقول ہے کہ مسلک شافعی پر عمل کرنے والے سورج گرہن کی نماز میں جہر کریں گے، حالاں کہ یہ عام مسلک شافعی کے خلاف ہے۔(۲)

معالم السنن میں امام داؤد کی روایت کردہ ایک حدیث میں ہے کہ:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رد شهادة القانع لاهل البيت واجازها لغيرهم۔	کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں کے حق میں قانع کی شہادت کو رد فرمایا اور دوسروں کے لیے اس شہادت کی اجازت عطا فرمائی۔

امام خطابی نے قانع سے مراد سائل یا کھانا مانگنے والا لیا ہے، یہ بھی مفہوم بیان کیا کہ قانع وہ شخص ہے جو لوگوں کی خدمت کے لیے وقف ہو اور ان کی ضروریات پوری کرتا ہو اور وہ ایسے ہی ہے جیسے مزدور اور وکیل، جس طرح اجیر اور وکیل کی شہادت ان کے مالکوں کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی، اسی طرح قانع جن لوگوں سے متعلق ہے، ان کے حق میں اس کی گواہی بھی معتبر نہ ہوگی، کیوں کہ اس میں اس کا فائدہ اور نفع پہنچنے کا امکان ہے،

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۲۱۹ (۲) طبقات شہبہ: ج ۱ ص ۱۴۰

اسی قول پر قیاس کرتے ہوئے شوہر کی گواہی، بیوی کے حق میں معتبر نہ ہوگی، یہی امام ابوحنیفہ کا بھی قول ہے اور امام خطابی بھی اسی کے قائل ہیں۔(۱)

اس مسئلہ پر امام سبکی نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ اس حدیث سے شوہر کی گواہی والے مسئلہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لیے امام خطابی کے علوئے مقام کے باوجود ان کی رائے قبول نہیں کی جاسکتی۔(۲)

ایک پرلطف حکایت: امام خطابی نے خود لکھا ہے کہ ابراہیم بن السری الزجاج النحوی کا خیال تھا کہ صاد اور سین دونوں حروف کے مخارج تقریباً یکساں ہیں اس لیے صاد کو سین میں بدلا جاسکتا ہے، ایک دن وزیر علی بن عیسیٰ کے گھر پر اس مسئلہ پر زوردار بحث ہوئی لیکن زجاج نحوی اپنی بات پر قائم رہے، کچھ عرصہ کے بعد زجاج نحوی کو کسی حاکم سے کوئی ضرورت آن پڑی اور اس کے لیے انھوں نے وزیر علی بن عیسیٰ سے ایک سفارشی خط لکھنے کی فرمائش کی، علی بن عیسیٰ نے خط لکھ دیا اور آخر میں جب زجاج کا ذکر آیا تو لکھا کہ ''ابراہیم بن الزجاج من اخس اخوانی'' یہ دیکھ کر زجاج نے کہا ارے یہ آپ کیا لکھ رہے ہیں، اس پر علی بن عیسیٰ نے جواب دیا کہ میرا مقصد اخص اخوانی لکھنا ہے لیکن آپ کی زبان اور قاعدہ کے لحاظ سے میں نے صاد کو سین سے بدل دیا، ظاہر ہے اس کے بعد زجاج نحوی نے اپنی تجویز فوراً واپس لے لی۔(۳)

وفات: حدیث وفقہ، شعر ولغت اور حکمت ومعرفت کا یہ آفتاب تقریباً ۷۰ برس تک دنیائے علم کو روشن کرنے کے بعد ۳۸۸ھ (۹۹۸ء) میں شہر بست کی سرزمین میں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا، یاقوت کے مطابق ۳۸۶ھ میں انتقال ہوا، ماہ وفات میں اختلاف ہے، بعض جگہ ربیع الآخر ہے اور کچھ لوگوں نے ربیع الاول لکھا ہے، امام ذہبی نے تو ربیع الاول کی چھ تاریخ بھی لکھ دی ہے۔(۴)

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۲ص ۲۱۸ (۲) ایضاً ج ۲ص ۲۲۱ (۳) طبقات کبریٰ: ج ۲ص ۲۲۲ (۴) فہرس المکتبۃ السلطانیہ، مصر بحوالہ معالم السنن، جلد اول ص ۷

امام ابوسعد اسماعیلی جرجانی

جرجانی کے شیخ الشافعیہ امام ابوسعد(۱) اسماعیلی جرجانی کے سوانح بھی مختصر ہیں اوران کے علم وفضل اور دین ودنیا کی جامعیت اور جرجان کے فقہائے شافعیہ میں ان کی اہمیت کے پیش نظر یہ بے حد تشنہ ہیں۔

نام ونسب: اسماعیل بن احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن عباس نام ونسب ہے، ابوسعد اور ابن الامام ابی بکر کی کنیتوں سے معروف اور اسماعیلی کی نسبت سے مشہور ہیں، وطنی نسبت جرجانی ہیں۔(۲)

---

(۱) ابن کثیر نے ابوسعید اسماعیلی ابراہیم بن اسماعیل لکھا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ص ۳۳۶) اور امام یافعی نے ابوسعید بن اسماعیل تحریر کیا ہے (مرأۃ الجنان ج ۲ص ۴۴۸) اور ابن عماد حنبلی کی روایت کے مطابق ابوسعد بن اسماعیلی ہے مگر یہ روایتیں کسی سہو پر مبنی ہیں، کیوں کہ دوسرے تذکرہ نویسوں نے جن میں خطیب بغدادی، شیرازی اور ابن الجوزی بھی شامل ہیں وہی نام ونسب نقل کیا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔

(۲) جرجان بحر قزوین کے جنوب مشرق میں فارس کا ایک صوبہ ہے، قدیم زمانہ میں یہ ''ہیرکانیا'' کے نام سے موسوم تھا، ساسانی دور حکومت میں اس کو اہمیت حاصل ہوئی، ۷۱۶ء میں اسلامی سپہ سالار یزید بن ابی صفرہ نے اس کو فتح کیا اور شہر استر آباد کی بنیاد رکھی، یہی شہر اصلاً جرجان ہے۔ (المنجد ج ۲ص ۲۱۰) یہ بہت وسیع کشادہ اور خوبصورت ہے، پانی کی فراوانی ہے، کھیت ہرے اور باغات، زیتون، کھجور، اخروٹ، انار اور سنگترہ سے بھرے رہتے ہیں ریشم اور گنا بھی یہاں کی خاص پیداوار ہے، بڑے بڑے پتھر بھی ہیں، جن کے عجب خواص ہیں، اسی لیے (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

خاندان: جرجان میں ان کا خاندان اپنے علم وفضل اور عزت وثروت کی وجہ سے امتیازی شان رکھتا تھا، ان کے والد امام ابوبکر احمد کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ یکتائے روزگار اور شیخ المحدثین والفقہاء تھے اور ثروت وریاست اور مروت وسخاوت میں سب سے بڑھ کر تھے، امام جرجان کہلاتے تھے۔(۱)

اساتذہ وشیوخ: امام اسماعیل نے اپنے والد سے اکتسابِ علم کیا اور خاص طور سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور حدیث کی روایت بھی کی۔(۲)

والد کے علاوہ انھوں نے ابوالعباس اصم نیشاپوری، محمد بن احمد بن حفص دینوری،

---

(۱) طبقات ہدایہ: ص ۳۰ وطبقات کبریٰ: ج ۲ ص ۷۹ (۲) طبقات شیرازی: ۱۰۰

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ) یاقوت حموی نے لکھا کہ عراق کے بعد مشرق میں جرجان جیسا کوئی شہر اس قدر مکمل اور یہاں کے لوگوں خوبصورت نہیں ہے، یہ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں، وہ باوقار، بااخلاق، خوشحال اور کشادہ دست ہیں، یہاں کی خاک بڑی مردم خیز ہے، یہاں بے شمار ادیب، عالم، فقیہ، محدث اور نامور پیدا ہوئے، برمکی صاحب مامون الرشید اسی سرزمین کا فرزند تھا، مشہور محدث ابونعیم عبدالملک جرجانی اور ابواحمد بن القطان محدث کی نسبت کا شرف اسی کو حاصل ہے، ان کے علاوہ مشہور شاعر قاضی ابوالحسن علی جرجانی صاحب دیوان، مشہور لغوی عبدالقاہر جرجانی صاحب دلائل الاعجاز، مشہور فلسفی اور متکلم علی بن محمد، السید الشریف جرجانی صاحب شرح المواقف اور ابن سینا کے شاگرد اور نامور طبیب عیسیٰ بن یحییٰ صاحب کتاب المئیہ فی الطب اسی جرجان کی خاک سے اٹھے اور نیر اعظم بن کر چمکے، ایک شاعر ابوعمر نے جرجان کی شان میں یہ اشعار کہے تھے:

هی جنة الدنيا التی هی سجسج ... يرضی بها المحرور و المقرور
سهلية جبلية بحرية ... يحتل فيها منجد و معير
و نواشط من جنس ما هی افتتن ... رای العيون بها و هن النور
و كانما نوارها برياضها ... للمبصرية سندس منشور

معجم البلدان ج ۳ ص ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵

محمد بن علی بن دحیم کوفی اور عبداللہ بن عدی جرجانی وغیرہ سے بھی سماعت وروایت کی۔(۱)

تلامذہ: ان سے کسبِ فیض کرنے والوں میں نمایاں نام محمد بن احمد بن شعیب رویانی، ابومحمد الخلال اور علی بن محسن تنوخی وغیرہ کے ہیں۔(۲)

۳۸۵ھ میں جب وہ حج کے سفر پر نکلے تو راستہ میں بغداد آئے اور بعض مجبوریوں کی بنا پر وہ اس سال حج کے لیے آگے نہیں جاسکے، چنانچہ اس سال انھوں نے بغداد ہی میں قیام کیا اور اگلے سال حج کے لیے تشریف لے گئے، اس ایک سال کے قیام میں وہ بغداد والوں کے لیے سرچشمۂ فیض ہوگئے، کثیر تعداد میں لوگوں نے ان سے استفادہ کیا(۳)، امام دارقطنی جن کی تمنا تھی کہ وہ ان کے والد امام احمد سے روایت حدیث کرتے، لیکن ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوسکی تھی، انھوں نے بغداد میں امام اسماعیلی سے ان کے والد اور امام اصم بن عدی کے سلسلوں سے حدیث کی روایت کی۔(۴)

جلالت شان: ان کی شان اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ امام دارقطنی کے شیوخ میں سے ہیں، تذکرہ نویسوں نے شاندار الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے، امام خطیب بغدادی نے ان کو ثقہ، فاضل فقیہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ وہ نہایت سخی اور فیاض تھے، اہل علم پر تو خاص لطف وکرم کرتے تھے۔(۵)

امام ابواسحاق شیرازی نے ان کی خوبیوں میں ان کے ادیب ہونے کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ وہ جرجان میں دین ودنیا دونوں کی ریاست کے جامع تھے(۶)، انھوں نے صاحب ابن عباد کا ایک قول نقل کیا، جس میں ابن عباد نے امام ابوسعد اور ان کے بھائی ابونصر اور ان کے والد کے بارہ میں کہا تھا کہ ابونصر فقیہ جب حدثنا واخبرنا کہتے ہیں کہ تو وہ سچے، واضح ناقد وناطق نظر آتے ہیں اور آپ اے ابوسعد فقیہ ایسے شخص ہیں کہ جو شخص آپ

(۱) تاریخ بغداد: ج۶ص۱۰-۳۰۹ والمنتظم ج۷ص۲۳۱ (۲) تاریخ بغداد: المنتظم اور البدایہ والنہایہ ج۱۱ص۳۳۶ (۳) تاریخ بغداد بحوالہ سابقہ (۴) البدایہ والنہایہ: بحوالہ سابقہ (۵) تاریخ بغداد: حوالہ مذکورہ (۶) طبقات شیرازی: ص۱۰۰

کو درس دیتے ہوئے، فتویٰ دیتے ہوئے، تقریر کرتے ہوئے، روایت کرتے ہوئے اور املاد کتابت کراتے ہوئے دیکھے گا تو اقرار کرے گا کہ آپ حبر بن الحبر، بحر بن البحر اور ضیاء بن الفجر ہیں اور آپ دونوں کے والد صاحب کی مدح وثنا تو واجب ہے کہ اب ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں، جرجان والے تو ان پر اس وقت تک ناز کرتے رہیں گے جب تک جرجان کی وادیوں میں نہریں جاری رہیں گی اور جب تک اس کی فضاؤں میں اذانیں گونجتی رہیں گی۔(۱)

امام ابن شہبہ نے ان کو علامہ، اپنے عہد کا امام اور لغت، اصول فقہ، عربیت، انشاء پردازی علم شروط وعلم کلام کا ممتاز عالم لکھا، اس کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ وہ نہایت متقی (ورع الثخین) صاحب مجاہدہ، مسلمانوں کے خیر خواہ، فیاض اور شائستہ اخلاق تھے(۲)، ابن کثیر نے لکھا کہ ان کے تقویٰ اور جود وکرم کا اثر جرجان میں آج تک ہے(۳)، (امام ابن کثیر کا انتقال ۷۷۴ھ میں ہوا جب کہ امام اسماعیل کا انتقال ۳۹۶ھ میں ہوا تھا) یعنی امام اسماعیل کے انتقال کے تقریباً تین سو سال بعد تک ان کے حسنِ عمل کی برکت ان کی اولاد واحفاد میں ظاہر ہوتی رہی۔

بغداد میں اعزاز: اوپر ان کے سفر بغداد کا ذکر آیا ہے کہ حج کے سفر کے دوران انھوں نے وہاں ایک سال تک قیام کیا، امام دارقطنی نے اسی مدت میں ان سے حدیث کی روایت کی اور بغداد کے فقہا نے ان سے فیض حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کی، چنانچہ دوبار ان کے اعزاز میں خاص علمی مجلسیں منعقد کی گئیں، پہلی بار اس مجلس کا اہتمام ابو حامد اسفرائینی نے کیا اور دوسری بار امام دارکی کے جانشین اور امام ماوردی کے استاذ اور مشہور فقیہ امام ابو محمد باقی نے اس مجلس کا انتظام کیا، اسی مجلس کے لیے جب امام باقی نے قاضی معانی بن زکریا کو دعوت دی تو اپنے صاحبزادے ابوالفضل کے ہاتھوں یہ اشعار لکھ کر بھیجے:

---

(۱) طبقات شیرازی: ص ۱۰۰ (۲) طبقات ابن شہبہ: ج ۱ ص ۱۳۸ (۳) البدایہ والنہایہ: بحوالہ سابقہ

اذا اکــرم الــقــاضــی الجلیل ولیــه وصــاحبــه الــفــاه لــلشــکر موضعا

ولــی حــاجة یــاتــی بنی بذکرهــا ویســالــه فیهــا التطــول اجــمعا

تو قاضی جریری نے برجستہ جواب میں یہ اشعار لکھے(۱):

دعــا الشیــخ مــطــواعاً سمیعاً لامره نــواتیه طــوعــا حیــث یــرسم اصنعا

وهــا انــا غــادٍ فــی غدٍ نحو داره ابــادر مــا قــد حده لــی مسرعــاً

ابن حماد حنبلی نے لکھا کہ وہ صاحب فنون وتصانیف تھے مگر کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا البتہ قاضی ابن شہبہ نے لکھا کہ اصول فقہ میں ایک بڑی کتاب ان کی یادگار ہے لیکن اس کتاب کے نام اوراس کی اہمیت کے بارے میں ہم کواور کوئی تحریر نہیں ملی حتی کہ کشف الظنون کے صفحات بھی اس کے متعلق خاموش ہیں۔

وفات: ۳۹۶ھ کے ماہ ربیع الآخر میں ان کا انتقال ہوا، زندگی جتنی پاکیزہ اورقابل رشک گزاری موت بھی ویسی ہی پائی، جمعرات کا دن تھا، مغرب کی نماز ادا کررہے تھے، ابھی تلاوت شروع کی تھی اورآیت ایاك نعبدو ایاك نستعین پر پہنچے تھے کہ روح اپنے رب کے حضور میں پہنچ گئی، ۶۳ برس کی عمر پائی۔(۲) رحمه الله

---

(۱) تاریخ بغداد بحوالہ مذکورہ والبدایہ، البدایہ میں نواتیہ کے بجائے یواتیہ ہے۔

(۲) شذرات الذہب: ج۳

امام ابوحامد اسفرائینی

شیخ العراق، صدر فقہائے عراق، مرکز نجابت و شرافت اور یکتائے زمانہ امام ابوحامد اسفرائینی کی شان اسی سے ظاہر ہے کہ ان کو شافعی ثانی کہا گیا۔

نام ونسب: ان کا پورا نام ونسب اس طرح ہے، احمد بن ابی طاہر محمد بن احمد، ابوحامد کنیت ہے، شیخ ابوحامد اور ابن ابی طاہر کے نام سے مشہور ہوئے (۱)، اسفرائن میں پیدا ہوئے، تذکروں میں جب مطلق اسفرائنی لکھا جاتا ہے تو امام ابوحامد اسفرائینی ہی مراد ہوتے ہیں۔(۲)

ولادت اور تعلیم: ۳۴۴ھ (۹۵۵ء) میں اسفرائن میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بارے میں تفصیلات نہیں ہیں لیکن تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ انھوں نے سترہ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ دیا تھا (۳)، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم شروع سے عمدہ اور اعلیٰ خطوط پر ہوئی، اسفرائن کی بستی اہل علم وفضل سے معمور تھی، اس لیے حصول علم میں دشواریاں بھی حائل نہ رہی ہوں گی، مشہور محدث ابراہیم بن محمد بن عبدک (۴) کا قیام مستقلاً وہیں تھا، روایتوں سے ظاہر ہے کہ ان سے امام اسفرائینی نے سماعت وروایت حدیث کی۔(۵)

بغداد میں آمد: ابن اثیر نے لکھا کہ وہ کم عمری میں بغداد آئے (۶)، العبر کے الفاظ میں

---

(۱) تہذیب الاسماء واللغات: نووی ج۲ص ۲۰۸ (۲) روضات الجنات: محمد باقر موسوی خوانساری: ص ۴۸ (۳) طبقات: ابن شہبہ ج اص ۱۶۱ (۴) ابن خلکان نے عبدل لکھا ہے، وفیات: ج اص ۳۳ (۵) تاریخ بغداد: ج ۴ص ۳۶۸ (۶) البدایہ والنہایہ: ج ۱۲ص ۲

وہ بچپن میں بغداد آئے (۱)، یہی الفاظ ابن عماد کے بھی ہیں (۲)، سمعانی و ابن الجوزی کے بقول وہ نوجوانی میں آئے (۳) اور امام سبکی کے الفاظ میں وہ جوانی میں بغداد تشریف لائے (۴) اور یہی زیادہ واضح قول ہے کیوں کہ خود امام اسفرائینی نے ایک موقع پر کہا کہ ''میں ۳۴۴ھ میں پیدا ہوا اور ۳۶۴ھ میں بغداد آیا'' (۵) اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بیس برس کی عمر میں بغداد آگئے تھے۔

حصولِ تعلیم: ان کے خاص شاگرد امام سلیم بن ایوب رازی (۶) نے ان کے حالات کے متعلق لکھا کہ انھوں نے اپنی تعلیم پر بہت توجہ دی، شروع میں معاشی حالت سقیم تھی، اس لیے ایک گھر کی دربانی کی خدمت انجام دی اور اسی ملازمت کے دوران وہ اپنے شوق علم کی پاسبانی بھی کرتے رہے، راتوں کو وہ چوکیداری کرنے کے ساتھ دروازہ پر رکھے ہوئے چراغ کی روشنی میں اسباق کا مطالعہ کرتے اور پاسبانی کی اجرت سے ضروریاتِ زندگی کو پورا کرتے، و کان یحرس فی درب و کان یطالع الدرس علی زیت الحرس (۷) ویاکل من اجرت الحرس (۸)

اساتذہ: انھوں نے فقہ کی تعلیم مشہور فقیہ امام ابوالحسن علی بن احمد بن المرزبان بغدادی سے حاصل کی لیکن ان سے اکتسابِ فیض کی یہ مدت بڑی مختصر رہی کیوں کہ ۳۶۶ھ ہی میں شیخ ابن المرزبان کا انتقال ہوگیا، ان کے بعد انھوں نے دوسرے امام وقت ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ دارکی (م ۳۷۵) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کی منزلیں طے کیں، ولم یزل تترقی به الاحوال (۹) ان کے علاوہ انھوں نے بغداد کے اور فقہا اور ائمہ سے بھی تعلیم حاصل کی (۱۰)، علم کی جستجو اور ان میں

---

(۱) العبر فی خبر من غبر ج ۳ ص ۹۳ (۲) شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۷۸ (۳) انساب ج ۱ ص ۳۴

(۴) طبقات کبری ج ۳ ص ۲۵ (۵) معجم البلدان ج ۱ ص ۲۲۹، منتظم ج ۷ ص ۲۷۷ (۶) صاحب روضات الجنات نے سلیمان ابن ایوب لکھا جو صحیح نہیں ہے ص ۲۸ (۷) طبقات کبری ج ۳ ص ۲۶

(۸) تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۱۰ (۹) البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۲ (۱۰) طبقات ابن شہبہ ج ۱ ص ۱۶۱

انہماک ان کی زندگی تھی، وہ یکسو ہو کر اپنے شیوخ سے اس طرح استفادہ کرتے کہ تنگیٔ داماں کی شکایت نہ رہتی، وہ خود فرماتے تھے کہ جب بھی کسی علم و نظر کی مجلس سے اٹھا تو کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ جو کچھ مجھے یاد رکھنا چاہیے تھا وہ یاد نہ رکھ سکا (۱)، علوم حدیث میں انھوں نے امام ابن عبدک اسفرائینی کے علاوہ امام عبداللہ بن عدی، امام ابوبکر اسماعیلی جرجانی، امام ابوالحسن دارقطنی سے اکتسابِ فیض کیا، گو انھوں نے احادیث کی روایت کم کی (۲)، مگر علوم حدیث میں بھی اس درجہ کو پہنچے کہ امام اصحاب حدیث کہلائے۔ (۳)

جلالت شان: نامور محدثین و فقہا سے استفادہ کے بعد وہ علم و فضل کے اس مقام بلند پر فائز ہوئے کہ ان کو یکتائے روزگار کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا حتی صار اوحد وقتہ (۴) وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز اور سب کا مرجع و ماویٰ بن گئے (۵) شیخ ابواسحاق شیرازی نے لکھا کہ مکتب شافعی کی ریاست ان پر ختم تھی (۶)، دین و دنیا کی جامعیت و ریاست کا تذکرہ تقریباً سبھی تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، امام سبکی نے ان کے تذکرہ میں شیخ طریقۃ العراق، حافظ المذہب، امام مذہب، علم کا کوہ رفیع اور امت کا ایک جید ترین عالم وغیرہ تعبیریں ان کی شان میں نقل کی ہیں۔ (۷)

عوام و خواص اور علما و ملوک سب کی نظروں میں وہ صاحب وجاہت تھے بلکہ خطیب بغدادی کے الفاظ میں ان کا رعب و دبدبہ بڑی شان کا تھا (۸)، ان کی وجاہت اور دبدبہ و شان کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک بار انھوں نے خلیفہ وقت کو لکھا کہ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس منصب پر فائز کیا ہے، اس سے آپ مجھے معزول نہیں کر سکتے، جب کہ مجھے یہ طاقت بخشی گئی ہے کہ میں خراسان سے چند الفاظ لکھ کر آپ کو خلافت کے

---

(۱) وفیات الاعیان: ج ۱ ص ۳۳ (۲) تاریخ بغداد: ج ۴ ص ۳۶۹ (۳) روضات الجنات: ص ۴۸
(۴) انساب: ج ۱ ص ۳۴ (۵) روضات الجنات: ص ۴۸ (۶) طبقات شیرازی: ص ۱۰۳ (۷) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۴ (۸) تاریخ بغداد: ج ۴ ص ۳۶۸

عہدہ سے سبک دوش کرسکتا ہوں (۱)، ابن اثیر نے لکھا ہے کہ وہ جلیل و نبیل تھے (۲)، امام نووی کی رائے یہ ہے کہ امام اسفرائینی ہی سے عراق کے شوافع کے مسلک کو فروغ عام حاصل ہوا (۳)، امام یافعی نے امام الجلیل الفاضل کے الفاظ کے علاوہ مقر النجابة والفضائل (نجابت و شرافت اور خوبیوں کے مرکز) کے توصیفی الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کیا۔ (۴)

اپنے زمانہ کے احناف کے امام اور نامور فقیہ امام ابوالحسین قدوری ان کے ہم عصر تھے اور باوجود معاصرت اور اختلاف مسلک کے وہ امام اسفرائینی کی بہت تعظیم کرتے اور سارے فقہائے عصر پر ان کو فوقیت دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر شافعیہ میں اور کوئی فقیہ نہیں دیکھا (۵)، بلکہ ایک دوسرے قول میں انھوں نے فرمایا کہ امام ابوحامد میرے نزدیک امام شافعی سے بھی زیادہ صاحبِ فقہ اور صاحب نظر تھے (۶)، جب شیخ ابواسحاق شیرازی سے یہ سنا تو فرمایا کہ یہ امام قدوری کا اپنا خیال ہے، جس سے امام شافعی کی شخصیت سے احناف کے تعصب کا بھی اظہار ہوتا ہے، جہاں تک امام شافعی جیسا ہونے کی بات ہے تو بقول شاعر (۷):

نزلوا بمكة في قبائل نوفل ونزلت بالبيداء ابعد منزل

ممکن ہے کہ امام قدوری کے مذکورہ جملہ میں تعصب کی کارفرمائی کا شبہ ہوا ہو لیکن بعض دوسرے حضرات شوافع نے امام اسفرائن کو صاف شافعی ثانی لکھا ہے (۸)، یہ بھی لکھا گیا ہے کہ امام شافعی اگر ان کو دیکھتے تو خوش ہوتے۔ (۹)

ایک دوسرے نامور حنفی فقیہ امام عبداللہ صیمری نے بھی امام اسفرائنی کی جلالت علمی کے اعتراف میں کہا تھا کہ میں نے امام ابوحامد اور امام ابوالحسن خزری داؤدی سے بڑھ کر کسی

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۶ (۲) البدایہ والنہایہ: ج ۲ ص ۱۰ (۳) تہذیب الاسماء: ج ۲ ص ۲۱۰ (۴) مرأۃ الجنان: ج ۳ ص ۱۵ (۵) المنتظم: ج ۷ ص ۲۷۷ (۶) طبقات شیرازی: ص ۱۰۳ (۷) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۶ (۸) طبقات ابن شہبہ: ج ۱ ص ۱۶۱ (۹) تاریخ بغداد و وفیات: بحوالہ سابقہ

اور فقیہ کو نہیں دیکھا (۱)، امام نووی کے شیخ عمرو بن الصلاح نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی مشہور حدیث ہے۔

ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجددلھادینھا (کتاب الملاحم، سنن ابی داود)	بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی پر اس امت کے لیے ایسے شخص کو پیدا کرتا ہے جو اس کے لیے دین کی تجدید کرتا ہے۔

بعض علما نے لکھا کہ چوتھی صدی میں اس حدیث کا مصداق امام ابو حامد اسفرائینی ہیں، ان سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، امام شافعیؒ اور امام ابن سریج کو پہلی، دوسری اور تیسری صدیوں کا مجدد ملت قرار دیا گیا تھا۔ (۲)

ابن اثیر نے جامع الاصول میں اور زیادہ صراحت کے ساتھ لکھا کہ امام ابو حامد بقول شافعیہ چوتھی صدی کے مجدد ہیں، احناف ابوبکر محمد بن موسیٰ خوارزمی کو، مالکیہ، ابو محمد عبدالوہاب بن نصر کو، حنابلہ ابو عبداللہ حسین بن علی حامد کو اور فرقہ امامیہ کے لوگ شریف مرتضیٰ موسوی کو اپنے اپنے نقطۂ نظر سے چوتھی صدی کا مجدد مانتے ہیں۔ (۳)

بہر حال یہ طے ہے کہ ان کے تمام ہم عصروں کو ان کی جلالت علمی، فضیلت ذاتی اور نکتہ سنجی اور نکتہ آفرینی پر اتفاق تھا (۴)، شیخ شیرازی اور ابن خلکان نے لکھا کہ جودت فقہ، حسن نظر اور نظافت علم میں ان کے تقدم وفضیلت پر مخالف وموافق سب متفق تھے (۵)، امام ابن سبکی جن کے تبصرے اپنی جامعیت کے لحاظ سے بہت خوب ہوتے ہیں لکھتے ہیں کہ تصانیف کی شہرت، تلامذہ کی کثرت اور اقوال کی وسعت کے لحاظ سے فقہائے شافعیہ میں امام ابن سریج کے بعد امام ابو حامد جیسا کوئی اور نہ ہوا، بہت سے ائمہ مسلک ایسے ہیں جو ان سے زیادہ جلیل القدر ہیں مگر ان تین خوبیوں کے وہ بہ یک وقت ایسے جامع نہیں جیسے امام ابن سریج اور امام ابو حامد ہیں۔ (۶)

---

(۱) و (۲) تہذیب الاسماء: ج ۲ ص ۲۱۰ (۳) روضات الجنات: ص ۴۸ (۴) مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۱۵

(۵) طبقات شیرازی ووفیات بحوالہ سابقہ (۶) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۹

تقویٰ اور خدا ترسی: ان کی وجاہت دینی اور دنیوی کا ذکر خاص طور سے کیا جاتا ہے، علما وفضلا کے علاوہ اعیان سلطنت ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، فخر الملک ابو غالب ان کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے، مگر امام اسفرائنی کی زندگی تقویٰ، ورع اور زہد کا نمونہ تھی، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ درس وتدریس کے لیے وقف تھا مگر ہر آن وہ مواخذۂ نفس کا عمل پیش نظر رکھتے، کلام کی دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں وہ اس کا بڑا لحاظ رکھتے کہ کہیں کوئی نامناسب بات زبان سے سرزد نہ ہو، زبان کی لغزش پر خاص توجہ تھی، سبقت لسانی پر اپنا احتساب کرتے۔(۱)

ایک بار مناظرہ کے دوران زبان سے کوئی ایسی بات نکلی جو نامناسب تھی، بعد میں اس کا احساس ہوا تو اسی دن فریق مخالف کے پاس معذرت کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور یہ شعر پڑھے۔(۲)

جفاء حری جهراً لدی الناس وانبسط وعذراتی سرا فا کدما فرط
ومن ظن ان یمحو جلی جفاء خفی اعتذار فهو فی اعظم الغلط

دوسروں کو بھی ان ہی باتوں کی تلقین کرتے، چنانچہ ایک بار طاہر عبادانی سے یہ فرمایا کہ جدل ومناظرہ کی مجلسوں میں میری تمام باتوں کو زیادہ اہتمام سے نقل نہ کرو، اس لیے کہ اس قسم کی مجالس میں مقصد فریق مخالف کو قائل ومغلوب کرنا ہوتا ہے یا پھر اس کو مغالطہ وغلط فہمی میں مبتلا کرنا ہوتا ہے، خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت کم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہوتو ان چرب زبانیوں کے مقابلہ میں خاموشی وسکوت کہیں زیادہ بہتر ہے اور حق تو یہ ہے کہ اگر ہمارا زیادہ وقت ایسے مشغلوں میں صرف ہوتا رہا تو ہم اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوں گے اور یہ اور بات ہے کہ اس کی رحمت ہماری دست گیری کرے۔(۳)

امام سبکی نے اس قول پر بہت اچھا تبصرہ کیا ہے کہ امام ابو حامد اسفرائینی کے مذکورہ

(۱) طبقات کبریٰ: ج۳ص ۲۹ (۲) وفیات الاعیان: ج۱ص ۳۳، والبدایہ والنہایہ: ج ۱۲ص ۲-۳

(۳) طبقات کبریٰ: ج۳ص ۲۵-۲۴

قول سے خود ان کے اخلاص کا اظہار ہوتا ہے، وہ خدا کی رحمت کے آرزومند ہیں، یہ آرزو برحق ہے کیوں کہ ان کی مجالس بحث و جدل اور مناظروں کا مقصد، علم کی نشر و اشاعت، طلبِ علم کی تحریض اور اقامت حجت کی تعلیم ہے اور اہلِ حق کی نظر میں یہ قابل قدر ہے اور اس کی برکت اور اس کا نفع اور فیض جاری ہو کر رہتا ہے، بقول امام سبکی یہ امام ابو حامد اسفرائینی کے اخلاص اور پاکیزگی نیت کا ثمرہ تھا کہ جس قدر علم ان کی شخصیت کے ذریعہ عام ہوا، اتنا ان کے اور کسی ہم عصر یا بعد میں آنے والوں سے نہیں ہوا، انھوں نے اپنے علم سے ایک جہاں آباد کر دیا، امام سبکی کے الفاظ یہ ہیں (۱):

كتب عنه من العلم مالم يكتب نظيره عن احد بعده فلله هذا الاخلاص في هذه الكثرة فانه طبق الدنيا بعلمه	ان سے جتنا علم لکھا گیا اس کی نظیر ان کے بعد کسی اور سے نہیں مانی اس کثرت کی وجہ سے اللہ کے لیے ان کا اخلاص ہے جس نے ایک عالم کو ان کے علم سے معمور کیا۔

سخاوت: امام اسفرائینی کی یہ فیاضی اور سخاوت صرف علم کی دولت ہی سے خاص نہ تھی، ان کے پاس کثرت سے تحفے اور ہدیے آتے رہتے تھے اور یہ سب کے سب مستحق لوگوں میں تقسیم کر دئے جاتے۔(۲)

بعض نادار شاگردوں کو وہ ہر ماہ ۲۰؍ دینار دیتے تھے۔(۳)

ایک موقع پر انھوں نے حج کے ایک خواہش مند کو ۱۴؍ ہزار دینار دیے۔(۴)

ایک بار انھوں نے مشہور شاعر ابوالفرج دارمی صاحب استذکار کی عیادت کی تو دارمی نے یہ اشعار کہے، خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ دارمی نے مجھے یہ اشعار سنائے تھے۔(۵)

طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۵ (۲) المنتظم ج ۷ ص ۲۷۷ (۳) و (۴) ایضاً (۵) تہذیب الاسماء: ج ۲ ص ۲۰۹

مرضت فارتحت الی عائد فعادنی العالم فی واحد

ذاك الامام ابن ابی طاهر احمد ذوالفضل ابوحامد

ذکروشکر: جلوتوں کے علاوہ خلوت میں بھی زبان ذکرالٰہی میں مشغول رہتی، قلم ہاتھ سے رکھ دیتے تو قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگتے یا پھر تسبیح کا ورد کرتے، راستہ سے گزرتے وقت بھی تسبیح وتحمید سے زبان تر رکھتے۔(۱)

ایک وقت وہ تھا جب تلاش معاش میں وہ گھروں کی چوکیداری کرتے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے ان کونوازا تو انھوں نے مصر سے امام شافعی کی کتاب امالی سو دینار میں خریدی۔(۲)

عیسیٰ بن ملاس نے ان کوموسم حج میں مکہ میں دیکھا کہ شاہانہ پوشاک ان کے زیب تن ہے اوران کی سواری بھی نہایت قیمتی ہے، وہ طواف کرتے اورلوگ تعظیم میں ان کے جلو میں رہتے، ایک ایسے ہی موقع پر قاری نے یہ آیت تلاوت کی کہ:

تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لایریدون علواً فی الأرض ولافساداً

دارآخرت کوہم نے ان لوگوں کے لیے بنایا ہے جوزمین میں علووفسادنہیں چاہتے۔

اسے سن کر بہت روئے اور فرمایا کہ اے رب ہم تو علو وسربلندی چاہتے ہیں فسادنہیں چاہتے۔

اما العلو یارب فقد اردناہ واما الفساد فلم نردہ(۳)

اے رب ہم علوتو چاہتے ہیں، فساد ہم نہیں چاہتے۔

بعض مروی احادیث: اوپرگزرچکا ہے کہ انھوں نے نامورمحدثین سے سماعت وروایت حدیث کی، اگرچہ ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے، مگر وہ ثقہ تھے اورطبقہ محدثین میں بھی

(۱)روضات الجنات:ص۱۸(۲)طبقات کبریٰ:ج۳ص۲۶(۳)مرأۃ الجنان ج۳ص۱۵لیکن امام سبکی نے اس واقعہ کے متعلق حج کا ذکرنہیں کیا، صرف یہ لکھا ہے کہ ایک بار ان کی مجلس میں یہ آیت تلاوت کی گئی تو انھوں نے مذکورہ جملہ کہا، طبقات کبریٰ: ج۳ص۲۶

درجہ امامت رکھتے تھے، امام خطیب بغدادی نے محمد بن احمد بن شعیب رویانی کے سلسلہ سے ان سے یہ حدیث بیان کی:

لایومن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به۔(۱)

تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہوسکتا تا آں کہ اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائیں۔

امام سبکی نے بھی ان سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے، اس کے سلسلہ اسناد میں ان کے شیخ ابراہیم بن محمد بن عبدک وغیرہ ہیں، جنھوں نے حضرت نعمانؓ بن بشیر سے یہ روایت کی ہے:

سمعت رسول الله صلی الله علیه و سلم یقول الحلال بین و الحرام و بین ذالك امور مشتبه لایعلمها کثیر من الناس فمن اتقی الحرام کان اوفی لدینه وعرضه و من وقع فی الشبه وقع فی الحرام کالراتع یرتع حول الحمی وان حمی الله فی الارض محارمه و من یرتع حول الحمی یوشك ان یجر۔(۲)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے، ان دونوں کے درمیان مشتبہ باتیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے تو جو حرام سے بچتا ہے وہ اپنے دین وآبرو کو پورا کرنے والا ہے اور جو شبہ میں پڑتا ہے تو وہ حرام میں پڑ جاتا ہے، اس چرواہے کی طرح جو ممنوع چراگاہ کے قریب جانوروں کو چراتا ہے اور زمین میں یہ اس کے محارم ہیں اور جو ایسا کرتا ہے قریب ہے کہ وہ اس میں داخل ہو جائے۔

تلامذہ ورواۃ: وہ منارۂ علم تھے، ان سے روشنی حاصل کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے،

---

(۱) تاریخ بغداد: ج۴ص۳۶۹ (۲) طبقات کبریٰ: ج۳ص۲۷ (۳) طبقات شیرازی: ص۱۰۳

بقول امام شیرازی زمین ان کے شاگردوں سے معمور تھی طبق الارض بالاصحاب (۱)

ابن شہبہ نے لکھا کہ پورے عالم اسلام میں ان کے شاگرد موجود تھے لیکن بغداد کے فقہا اور ائمہ نے تو کثرت سے ان سے اکتسابِ فیض کیا (۲)، ان کی ایک ایک مجلس میں تین سو طالبین علم تو عام طور سے شریک ہوا کرتے، کبھی کبھی یہ تعداد سات سو تک پہنچ جاتی (۳)، وہ عام طور سے مسجد عبداللہ بن مبارک میں درس دیتے تھے، یہ مسجد قطیعۃ الربیع کے قلب میں واقع تھی (۴)، اوپر امام سبکی کا یہ قول گزر چکا ہے کہ شاگردوں کی کثرت میں امام ابن سریج کے بعد امام ابو حامد جیسا اور کوئی نہ ہوا، ان کے شاگردوں کی اس کثرت کو دیکھتے ہوئے ان کے نام شمار نہیں کیے جا سکتے، تاہم ان کے بعض شاگردوں کی جلالت علمی سے استاذ کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

فقہ کے علوم حاصل کرنے والوں میں اقضی القضاۃ امام ابوالحسن ماوردی صاحب الحاوی، قاضی ابوالطیب طبری، ابوعلی سنجی اور ایک روایت کے مطابق امام قفال مروزی اور ابوالحسن احمد محاملی اور سلیم بن ایوب رازی ہیں۔

قاضی ابوالطیب طبری برابر ان کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، انھوں نے بعض مسائل میں اپنے استاد کی تعقیب بھی کی۔ (۵)

ابوالحسن محاملی ان کے خاص شاگرد تھے، شریف مرتضیٰ موسوی کا قول ہے کہ ایک بار یہ دونوں استاد شاگرد میرے پاس آئے تو امام اسفرائینی نے فرمایا کہ یہ محاملی ہیں اور حفظ فقہ میں مجھ سے بہتر ہیں (۶)، لیکن جب محاملی نے اپنی مشہور کتاب المقنع لکھی تو امام اسفرائینی نے اس سے سخت اختلاف کیا، ان کا خیال تھا کہ اس کتاب میں بے اعتدالیاں ہیں اور اس کا نقطۂ نظر جمہور سے الگ ہے اور اس سے لوگوں کو خاصا نقصان پہنچنے کا اندیشہ

---

(۱) طبقات شیرازی: ص ۱۰۳ (۲) طبقات شہبہ: ج ۱ ص ۱۶۱ (۳) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۵، العبر ج ۳ ص ۹۲ (۴) المنتظم: ج ۷ ص ۲۷۷ (۵) طبقات کبریٰ: ج ۴ ص ۲۹ (۶) تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۲۱۰

ہے کیوں کہ وہ مسلک شافعی اور علم اختلاف الفقہا سے بے رغبت ہو جائیں گے، اسی لیے انھوں نے محاملی کو اپنی مجلس میں آنے سے روک دیا، چنانچہ وہ اگر چہ ان مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے، تاہم کوشش کرتے تھے کہ دوسرے ذرائع سے مجالس کی بحثوں سے واقف ہو جائیں (۱)، ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام اسفرائنی نے ناراض ہو کر بد دعا دی کہ محاملی نے میری کتابوں کو قطع کیا ہے، خدا ان کی عمر کو قطع کرے، بتر کتبی بتر الله عمره (۲)، کہا جاتا ہے کہ اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد محاملی کا انتقال ہو گیا۔

ان کے سب سے خاص اور عزیز شاگرد سلیم ابن ایوب رازی ہیں، ان کا ذکر امام سبکی نے شیخ فقیہ فاضل کے الفاظ سے کیا ہے، سلیم رازی نے امام اسفرائینی سے اپنے تعلق کا ذکر خاص انداز میں کیا ہے کہ وہ بغداد میں کسی بزرگ کی خدمت میں جا رہے تھے، راستہ میں امام اسفرائینی کی مجلس دیکھی تو سر راہ کچھ دیر کے لیے وہاں رک گئے، اس وقت کتاب الصیام کے مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی، ان کو یہ بحث اچھی لگی تو اسے قلم بند کر لیا، گھر آ کر جب پھر ان کو دیکھا تو ان کو یہ اقوال اس قدر پسند آئے کہ انھوں نے مستقل ان کی خدمت میں حاضری کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ امام اسفرائینی کے اقوال و تعلیقات کے سب سے بڑے راوی وہی ہیں۔ (۳)

ان حضرات کے علاوہ حدیث میں ان سے سماعت و روایت کرنے والوں میں ابو محمد حسن بن محمد الخلال، ابو القاسم عبدالعزیز بن علی الازجی، ابو منصور محمد بن احمد بن شعیب رویانی اور ابو الحسین احمد بن محمد النفو رنمایاں ہیں۔ (۴)

شعر و شاعری سے دلچسپی: ان کی شاعرانہ حیثیت کا کسی درجہ میں بھی ذکر نہیں آتا، تاہم چند واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مذاق شاعرانہ تھا۔

ایک موقع پر انھوں نے یہ اشعار پڑھے (۵):

---

(۱) تہذیب الاسماء واللغات: ج ۲ ص ۲۱۰ (۲) ایضاً (۳) روضات الجنات: ص ۴۸ (۴) انساب: ج ۱ ص ۳۴ (۵) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۶

لایغلونّ علیك الحمد فی ثمن فلیس حمد وان اثمنت بالغال

الحمد یبقی علی الایام مابقیت والدھر یذھب بالاحوال والمال

ایک دوسری روایت کے مطابق قاضی ترمذ نے ان کو یہ اشعار لکھ کر بھیجے تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ ایک اور موقع پر انھوں نے یہ اشعار پڑھے تھے:

جفاء جری جھر الدی الناس وانبسط وعذراتی سراً فاکدمافرط

ومن ظن ان یمحو جلی جفائه خفی اعتذار فھو فی اعظم الغلط

ایک اہم واقعہ: ۳۹۸ھ میں بغداد میں شیعہ اور اہل سنت کے درمیان سخت کشیدگی پیدا ہوئی، وجہ یہ تھی کہ بعض شیعہ نے قرآن مجید کے ایک نئے نسخہ کے متعلق کہا کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مصحف ہے اور یہی صحیح ہے، مذکورہ نسخہ قرآن مجید کے مروجہ نسخہ سے بالکل مختلف تھا، اہل سنت اسے دیکھ کر سخت ناراض ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ میں شدت آگئی، اس موقع پر تمام علما اور قضاۃ ایک مجلس میں جمع ہوئے، انھوں نے اس معاملہ کا جائزہ لیا اور پھر فیصلہ کے لیے امام ابو حامد کے سامنے مصحف شیعہ پیش کیا گیا، انھوں نے اسے دیکھ کر فیصلہ دیا کہ اسے جلا دیا جائے، چنانچہ تمام لوگوں کی موجودگی میں اسے نذر آتش کر دیا گیا، شیعہ یہ دیکھ کر مشتعل ہو گئے اور ان کے چند نوجوانوں نے امام ابو حامد کے گھر پر حملہ کر دیا، وہ اگرچہ بچ گئے لیکن کچھ عرصہ کے لیے ان کو گھر چھوڑنا پڑا، حکومت نے جب اس فتنہ کو پوری طرح فرو کیا تو پھر وہ واپس گھر تشریف لائے۔(۱)

ایک وہم کا ازالہ: علامہ شہرستانی نے کتاب الملل والنحل میں ان فلاسفہ اسلام کا ذکر کیا ہے جنھوں نے حکمت کی کتابوں کو یونانی سے عربی میں منتقل کیا ہے اور جن کی زیادہ تر رائیں ارسطا طالیس کی رایوں کے موافق ہیں، ان فلاسفہ اسلام میں حنین بن اسحاق، ابوالفرج المفسر، ابوسلیمان شجری، یحییٰ نحوی، یعقوب کندی، محمد بن معشر مقدسی، فارابی اور

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۶

ابن سیناوغیرہ کے ساتھ ابو حامد احمد بن محمد اسفز اری کا نام بھی ہے، امام سبکی کے سامنے ایک نسخہ میں بجائے اسفزاری کے اسفرائینی لکھا تھا، جس سے بہتوں کو یہ وہم ہوا کہ یہ امام ابوحامد اسفرائینی ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ ہمارے امام اسفرائینی کو فلسفہ سے کوئی مس نہ تھا، چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسفرائینی کی جگہ اسفزاری ہی صحیح ہے، یہ امام ابوحامد کے ہم نام شہر اسفزار سے تعلق رکھتے تھے، جو ہرات اور سجستان کے درمیان واقع ہے، اس وہم کے ازالہ کے محقق ہوجانے کے بعد امام سبکی کو اطمینان ہوا۔ (۱)

تقریباً چالیس سال تک علم وفضل کی روشنی سے ایک عالم کو منور کرنے کے بعد یہ آفتابِ علم قیامت تک کے لیے روپوش ہوگیا، ۱۷ر برس کی عمر سے انھوں نے اپنے علم کا فیضان عام کرنا شروع کیا اور تادم آخر یہ سلسلہ جاری رہا، پھر بھی جب وفات کا وقت قریب آیا تو یہ بلیغ جملہ ارشاد فرمایا کہ ہم تو ابھی متن بھی سمجھ نہ پائے تھے، ۱۹ر شوال ۴۰۶ھ سنیچر کی شب میں ان کا انتقال ہوا، اگلے روز باب حرب کے پیچھے ایک نہایت وسیع میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جنازہ میں شرکت کے لیے ایک خلقت امنڈ پڑی تھی، بے شمار لوگ تھے (۲) اور شدتِ غم سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے، بقول ابن ہدایہ تاریخ کے صفحات میں یہ دن لوگوں کی کثرت اور گریہ وبکا اور رنج والم کی شدت کی وجہ سے یاد کیا جائے گا (۳)، اسی سے امام اسفرائینی کی مقبولیت اور ان کی شخصیت کی محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم اور صفات حمیدہ کی بنا پر ہر خاص وعام کے دل میں جاگزیں تھے، امامت ابوعبداللہ بن مہتدی (مہدی) خطیب جامع منصور نے کی، امام خطیب بغدادی بھی اس نماز میں شریک ہوئے، تدفین بجائے قبرستان گھر ہی میں ہوئی لیکن وجہ نہ معلوم ہوسکی کہ ایسا کیوں ہوا پھر چار برس کے بعد ۴۱۰ھ میں مقبرہ باب حرب میں دوبارہ تدفین ہوئی، امام یافعی کہتے ہیں کہ چار برس کے بعد بھی ان کی میت پر کسی قسم کی بوسیدگی کے آثار نہیں تھے، بقول امام یافعی اسے ان کے حق میں کرامت کا ظہور ہی کہیں گے۔ (۴)

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۲۷ (۲) ایضاً (۳) طبقات ابن ہدایہ: ص ۴۲ (۴) مرآۃ الجنان: ج ۳ ص ۱۷

تصنیفات: ہم امام سبکی کا یہ قول اوپر نقل کر چکے ہیں کہ تلامذہ کی کثرت، اقوال کی وسعت اور تصنیفات کی شہرت کے لحاظ سے امام ابن سریج کے بعد سرفہرست امام ابو حامد اسفرائینی ہیں، ان کی تصنیفات تعداد میں گرچہ نسبتاً کم ہیں، تاہم شہرت اور قدر و قیمت کے لحاظ سے وہ نہایت اہم ہیں، امام ابن خلکان نے لکھا کہ انھوں نے مختصر المزنی پر ایک تعلیق مرتب کی ہے، اس کے علاوہ انھوں نے التعلیقۃ الکبری اور کتاب البستان کا ذکر کیا ہے(۱)، صاحب العبر نے لکھا کہ ان کی تعلیق ۵۰ جلدوں میں ہے(۲)، اصول فقہ میں بھی ان کا ایک رسالہ تھا۔(۳)

تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے ان ہی کتابوں کا ذکر کیا ہے، حاجی خلیفہ چلپی نے التعلیقۃ الکبری فی الفروع کے مکمل نام سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلک شافعی میں یہ عظیم کتاب ہے(۴)، اس اجمال کی شرح امام نووی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جمہور فقہا خصوصاً عراق وخراسان کے فقہائے شافعیہ کی کتابوں کا دارومدار امام اسفرائینی کی اسی تعلیق پر ہے، جو کم وبیش پچاس جلدوں پر محیط ہے، اس میں اصول وفروع، فقہا کے مسالک، ان کے مفصل دلائل اور اعتراضوں کے جواب پر مشتمل نہایت عمدہ بحثیں جمع کر دی گئی ہیں، بے شبہ اس جیسی اور کوئی کتاب نہیں ہے، یہ بے مثل ہے(۵)، البتہ اس کتاب کے چند نسخوں میں بعض مسائل کی عبارتوں میں باہم اختلاف تھا جن کو امام نووی نے شرح مہذب میں یکجا کر دیا تھا(۶)، یہی بات امام سبکی نے بھی لکھی ہے کہ انھوں نے دمشق کے مدرسہ ناصریہ کے کتب خانہ میں اس کتاب کے اکثر حصے سلیم رازی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دیکھے تھے، جن پر امام بندنیجی کے ہاتھ کے تعلیقات موجود تھے، کچھ اور نسخے بھی تھے جن میں قدرے تفاوت تھا(۷)، ابن شہبہ نے اس کتاب کی تعریف میں لکھا کہ اس میں فقہا کے اختلاف اور ان

---

(۱) وفیات الاعیان: ج ۱ ص ۳۳ (۲) العبر فی خبر من غبر: ج ۳ ص ۹۲ (۳) البدایہ والنہایہ: [illegible] (۴) کشف الظنون: ج ۱ ص ۴۲۹ (۵) تہذیب الاسماء: ج ۲ [illegible] (۶) ایضاً (۷) طبقات کبری. ج ۳ ص ۲۴

کے اقوال، مآخذ اور مناظرے جمع کیے گئے تھے۔(۱)

مختصر المزنی پر ان کی تعلیق کا ذکر کئی لوگوں نے کیا لیکن اس پر تبصرہ کسی نے نہیں کیا البتہ امام ابواسحاق شیرازی نے یہ ضرور لکھا کہ اس تعلیق پر بھی کئی اور تعلیقات لکھی گئیں۔(۲)

یہی حال کتاب البستان کا ہے جس کا پورا نام علامہ چلپی نے بستان فی النوادر والغرائب تحریر کیا ہے(۳)، صرف امام یافعی نے اتنا اور لکھا کہ یہ ایک مختصر حجم کی کتاب تھی جس میں غرائب اقوال و مسائل تھے۔(۴)

امام سبکی نے ایک کتاب رونق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ یہ کتاب بھی امام اسفرائینی سے منسوب ہے(۵)، علامہ چلپی نے مزید تصریح کرتے ہوئے لکھا کہ یہ امام محاملی کی مشہور کتاب الالباب کے طرز پر تھی، مختصر تھی اور اس میں فروع مسائل پر گفتگو تھی لیکن یقین سے انھوں نے بھی اس کتاب کو ان سے منسوب نہیں کیا اور یہ لکھا کہ یہ ابوحاتم قزوینی کی تصنیفات میں بھی شمار ہوتی ہے اور یہ بات یوں بھی زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ابوحاتم قزوینی، امام محاملی کے شاگرد تھے اور رونق کے مسائل میں امام محاملی کا رنگ صاف نمایاں ہے(۶)، صاحبِ اعلام نے البتہ مطلقاً اسے امام اسفرائینی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔(۷)

مسائل وفوائد وغیرہ: اس قدر اہم کتابوں کے مصنف ہونے کے باوجود ہم براہ راست ان کے علمی تبرکات کے استفادہ سے محروم ہیں کہ اب یہ کتابیں عموماً دستیاب نہیں، ممکن ہے کسی کتب خانہ میں ان کے نسخے محفوظ ہوں لیکن سردست وہ ہماری دسترس سے باہر ہیں، امام سبکی نے حسب عادت ان کے چند اقوال و مسائل کو نقل کیا ہے، جو زکوٰۃ، طلاق، عتاق اور باب الشہادت سے متعلق ہیں لیکن وہ مختصر اور غیر اہم ہیں، اس لیے ان کو یہاں نقل کرنا غیر ضروری ہے۔

(۱) طبقات ابن شہبہ: ج۱ص۱۶۱ (۲) طبقات شیرازی، ص۱۰۳ (۳) کشف الظنون: ج۱ص۱۹۷
(۴) مرآۃ الجنان: ج۳ص۱۵ (۵) طبقات ابن شہبہ: ج۱ص۱۶۲ و طبقات کبریٰ: ج۳ص۲۸
(۶) کشف الظنون: ج۱ص۹۱۸ (۷) اعلام: ج۱ص۱۵۱

امام ابوعلی الدقاق

لسان وقت، امام عصر، فقیہ زاہد و عارف اور شیخ الصوفیہ اور استاذ ابوالقاسم قشیری کے حالات ہمیں تلاش بسیار کے بعد بھی بہت کم ملے ہیں لیکن ہم ان کے ذکر سے گو وہ مختصر ہی کیوں نہ ہوں، ان صفحات کو خالی نہیں رکھنا چاہتے۔

نام ونسب: حسن بن علی بن محمد بن اسحاق بن عبدالرحیم بن احمد پورا نام ونسب ہے، ابوعلی کنیت اور دقاق نسبت ہے، وطن نیشاپور ہے، اس لیے نیشاپوری بھی کہلائے، شہرت ابوعلی دقاق کے نام سے ہوئی، دقاق کے متعلق سمعانی کی تحقیق یہ ہے کہ آٹے کی تجارت اور کاروبار کرنے والوں کو دقاق کہا جاتا تھا، اہل علم کی ایک جماعت اسی پیشہ سے متعلق رہی، جن میں محدث ابوالقاسم عیسی بن ابراہیم الدقاق زیادہ نامور ہیں۔(۱)

تعلیم: ابتدائی تعلیم اور خاندانی حالات کا ذکر نہیں ملتا، البتہ حدیث میں انھوں نے ابوعمرو بن حمدان، ابوالہیثم محمد بن مکی الکشمہینی، ابوعلی محمد بن عمر شبویی (۲) سے سماعت روایت کی، عربی زبان و ادب اور علم اصول کی تحصیل کی، امام عبدالغافر نے لکھا کہ اس کے بعد وہ مرو چلے گئے، جہاں انھوں نے امام ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نیشاپوری متوفی ۳۶۷ھ سے علم فقہ کی تحصیل کی (۳)، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے عربیت اور علم الاصول وغیرہ کے علوم اپنے وطن نیشاپور ہی میں حاصل کیے اور بعد میں انھوں نے فقہ شافعی کی تعلیم کے لیے مرو کا سفر کیا، جہاں امام قفال و امام خضری کے سے یگانہ روزگار فقہا موجود تھے اور ایک خلقت کو فیض یاب کر رہے ہیں۔

---

(۱) انساب: ج ۱ص ۲۲۸، اللباب: ج ۱ص ۴۲۱ (۲) بعض جگہ محمد بن عمرو النسوی بھی لکھا ہے مگر صحیح شبویی ہے (طبقات کبریٰ جدید: ۴ص ۳۲۹) (۳) طبقات کبریٰ: ایضاً

سب سے پہلے وہ امام قفال کی مجلس میں شامل ہوئے، بعد میں وہ امام خضری کے حلقہ درس میں شریک ہوتے جو اپنے زمانہ میں علم و حال دونوں کے لحاظ سے مشائخ میں شمار ہوتے تھے اور امام شبلی اور امام ابوعلی الروذباری جیسے اہل تقویٰ کے فیض یافتہ تھے۔(۱)

بعد میں وہ پھر امام قفال کے دامن علم سے وابستہ ہوئے، ان دونوں نامور فقہا سے استفادہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے فقہ میں اس درجہ تبحر حاصل کیا کہ طالبانِ علم کے قافلے ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔حتی شدت الیه الرحال فی ذلك(۲)

تصوف: ان کی علمی شہرت تو فقہ میں ان کے تبحر و مہارت کی رہین منت ہے لیکن اصل شہرت ان کو تصوف کے تعلق سے ملی، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شروع سے زہد و معرفت اور طریق صوفیہ سے رغبت رکھتے تھے، امام خضری سے تعلق کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ علم وحال دونوں کے جامع تھے اور شبلی وابوعلی روذباری شاگرد جنید بغدادی جیسے اکابر صوفیہ کے صحبت یافتہ تھے، حدیث وفقہ میں درجہ کمال کو پہنچنے کے بعد بقول ابن حماد حنبلی انھوں نے اپنی توجہ عمل پر مرکوز کی اور طریق تصوف کے سالک ہوئے (۳)، یہی رائے امام سبکی کی بھی ہے، وہ لکھتے ہیں: (۴)

ولما استمع ما یحتاج الیه من العلوم اخذ فی العمل و سلك طریق التصوف۔	جب اپنی ضرورت کے علوم کو سیکھ لیا تو وہ عمل میں لگ گئے اور طریق تصوف پر گامزن ہوئے۔

تصوف میں ان کے مرکز فیض اور شیخ طریقت امام ابوالقاسم نصرآبادی شاگرد شبلی تھے، ان کے طریق تصوف کو اختیار کیا اور پھر حال و مقال دونوں لحاظ سے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے، ان کا شہرہ دور دور تک عام ہوا اور ایک مخلوق خدا نے ان سے فیض اٹھایا، ان کی

(۱) طبقات ابن شہبہ: ج۱ص۱۶۹ (۲) شذرات الذہب: ج۳ص۱۸۰ (۳) ایضاً (۴) طبقات کبریٰ جدید: ج۴ص۳۲۹، یہی الفاظ حافظ ابن عساکر دمشقی کے بھی ہیں، دیکھیے تبیین کذب المفتری ص۲۲۶

مجلس ناموروں کے وجود سے معمور ہوئی، جن میں شیخ ابوالقاسم قشیری صاحب الرسالہ سب سے نمایاں ہوئے۔(۱)

امام قشیری کو اچانک ان کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا اور پہلی ہی مجلس میں ان کی باتوں سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار بھی کر دیا، امام ابوعلی دقاق نے ان کی اس خواہش کو قبول تو کر لیا لیکن یہ مشورہ دیا کہ ابھی وہ تعلیم میں اپنا وقت لگائیں، چنانچہ امام قشیری اکتساب علم کے لیے امام ابوبکر طوسی، امام ابوبکر بن فورک اور پھر امام ابواسحاق اسفرائینی کے حلقہ ہائے درس میں شریک ہوتے رہے لیکن ساتھ ہی وہ امام ابوعلی دقاق کی مجلسوں میں بھی برابر حاضر ہوتے رہے، ان کے آثار سعادت کو دیکھ کر امام ابوعلی دقاق نے اپنی صاحبزادی سے ان کا عقد کر دیا، اس طرح شیخ و مرید کا یہ رشتہ اور زیادہ مضبوط ہوا۔(۲)

جلالت شان: تذکرہ نگاروں نے ان کو الاستاذ، الزاہد العارف، شیخ کبیر(۳)، عارف باللہ، شہیر، وحید عصر، بے مثل(۴)، شیخ الاستاذ، لسان وقت اور امام عصر جیسے القاب و آداب سے یاد کیا ہے، ابن العماد حنبلی نے شیخ عبدالرءوف مناوی کے توصیفی کلمات نقل کیے ہیں، جنھوں نے لکھا ہے کہ وہ:

كان فارها في العلم، متوسطا في الحلم محمود السيرة، مجهود السريرة، جيدي الطريقة سري الحقيقة۔	وہ علم میں ماہر، حلم میں میانہ رو، سیر خوش خصال، صاف دل و پاک نیت تھے(۵) طریقت میں جنیدی، حقیقت کے سری سقطی تھے۔

امام غزالی نے لکھا کہ وہ زاہد زمانہ اور عالم وقت تھے۔(۶)

طبقات ابن شہبہ: ج۱ص۱۶۹، طبقات کبریٰ جدید: ج۴ص۳۲۹ (۲) تبیین کذب المفتری: ص۲۷۳ (۳) مرآۃ الجنان ج۳ص۱۷ (۴) العبر ج۲ص۹۳ (۵) شذرات الذہب: ج۳ص۱۸۰ (۶) ایضاً

ابن شہبہ نے لکھا کہ وہ صاحب کرامات ومکاشفات تھے (۱)، انھوں نے اگرچہ کسی کرامت کا ذکر نہیں کیا ہے، تاہم امام قشیری کی ایک روایت سے امام دقاق کی فراست بلکہ کشف صدر کا اندازہ ہوتا ہے، امام قشیری فرماتے ہیں کہ امام ابوعلی دقاق سے میرے تعلق کی ابتدا تھی، اس زمانہ میں مسجد مطرز میں درس دیا کرتا تھا، مجھے نسا (نیشاپور ومرو کے درمیان ایک بستی) جانا ہوتا تھا، ایک بار جب میں استاذ دقاق کے ساتھ چل رہا تھا تو دل میں خیال آیا کہ کاش میری غیر موجودگی میں وہ میری مجلس کو سرفراز کردیا کریں یہ بات ابھی میرے دل میں تھی کہ وہ میری جانب مڑے اور فرمایا کہ تمہاری غیر حاضری میں تمہاری قائم مقامی کردیا کروں گا، چند قدم چلنے کے بعد پھر مجھے خیال آیا کہ وہ علیل ہیں اور ہفتہ میں دو بار اگر وہ میری مجلس کو دیکھیں گے تو زحمت ہوگی، اس لیے اگر وہ ایک ہی بار آجائیں تو بہتر ہے، ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ پھر رکے اور فرمایا کہ اگر ہفتہ میں دو بار ممکن نہ ہوا تو میں ایک ہی بار آجایا کروں گا، اس کے بعد پھر میرے دل میں کوئی بات آئی اور انھوں نے ازخود اس کے متعلق جواب دے دیا۔ (۲)

اقوال واحوال: فقہ شافعی میں ان کو تبحر حاصل تھا اور ان کے درس سے بے شمار طالبان فقہ نے علم فقہ کو حاصل کیا تھا، مگر افسوس ہے کہ تذکرہ نگاروں نے ان کی کسی فقہی تصنیف یا مسائل وغرائب اقوال کا ذکر نہیں ہے، اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ ان کی فقہی حیثیت پر ان کی صوفیانہ شان غالب آگئی تھی، اسی لیے تذکرہ نگاروں نے ان کے جو چند اقوال نقل کیے ہیں، وہ حکمت ومعرفت کے موتی ہیں، قرآن مجید میں ہے اذکرونی اذکرکم (مجھے یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا) اس کی تشریح میں امام دقاق نے فرمایا کہ مجھے یاد کرو جب کہ تم زندہ ہو میں تمھیں اس وقت یاد رکھوں گا جب تم مرچکے ہوگے اور مٹی کے نیچے ہوگے اور تمہارے احباب واقارب اور دوست ساتھی سب تم سے چھوٹ چکے ہوں گے۔ (۳)

(۱) شذرات الذہب: ج ۳ ص ۱۸۰ وطبقات ابن شہبہ: ج ۱ ص ۱۶۹ (۲) تبیین کذب المفتری: ص ۲۲۷ (۳) البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۱۳ وتبیین کذب المفتری: ص ۳۳۰

حدیث شریف ہے کہ من اکرم غنیاً یغناہ ذھب ثلثادینہ (جس شخص نے کسی مالدار کی محض اس کی تونگری کی وجہ سے عزت وتکریم کی اس کا دو تہائی دین ضائع ہوگیا) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان تین حیثیتوں سے مانا جاتا ہے، ایک تو قلب، دوسرے زبان اور تیسرے نفس، تو ظاہر ہے کہ اگر کسی کی ثروت کے سامنے زبان ونفس سے خود کو حقیر ثابت کیا تو اس کا دو تہائی دین کا حصہ ضائع ہوگیا اور اگر مالدار کی مالداری کا زبان ونفس کے ساتھ دل سے بھی معترف ومقر ہوا تو پھر اس کا تمام کا تمام دین جاتا رہا۔(۱)

ایک دوسری مشہور حدیث شریف ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ (جنت کو مکروہات سے گھیر دیا گیا ہے) اس کی تشریح میں انھوں نے یہ نکتہ پیش کیا کہ جنت تو خالق کائنات کی قدرت خلق کا ایک مظہر ہے، جب اس کی رسائی، مشقتوں اور دشواریوں کے بعد ممکن ہے تو خدائے لم یزل کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس تک رسائی کیسی دشواریوں اور مشقتوں کے بعد ہوگی، ایک اور حدیث شریف کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں کہ "جبلت القلوب علی حب من احسن الیھا" (لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے طبعی محبت رکھ دی گئی ہے جو ان سے حسن سلوک کرتے ہیں) اس کے متعلق فرمایا کہ تعجب ان پر ہے جو اللہ کے علاوہ کسی اور کو محسن نہیں جانتے پھر بھی وہ کامل طور پر اس کی جانب متوجہ نہیں ہوتے، امام ابن اثیر نے اس قول کے متعلق لکھا کہ اس حدیث پر یہ کلام نہایت خوب ہے، گرچہ حدیث کی صحت میں کلام کیا گیا۔(۲)

ایک مرتبہ ان کی خدمت میں ایک بڑے صاحب ریاست امیر آئے اور ان کے سامنے دوزانو ہوکر عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجیے، انھوں نے فرمایا کہ میں کچھ دریافت کروں گا، اس کا جواب بغیر نفاق کے دیجیے، انھوں نے کہا: آپ دریافت فرمائیں، اس پر امام دقاق نے فرمایا کہ آپ کو دولت زیادہ محبوب ہے یا دشمن جواب دیا کہ دولت، فرمایا کہ:

---

(۱) البدایہ: ج ۱۲، ص ۱۲ (۲) البدایہ والنہایہ: بحوالہ مذکورہ

کیف تترك ما تحبه بعدك	کیسے جس سے تم کو محبت ہے اس کو اپنے
وتستصحب العدو الذی لاتحبه معك۔	بعد یہیں چھوڑ جاؤ گے، جب کہ تمہارا دشمن جس کو تم پسند نہیں کرتے ہو وہ تمہارے ساتھ رہے گا۔

یہ سن کر وہ امیر کبیر رو پڑے اور کہا کیا خوب نصیحت ہے۔(۱)

ایک بار فرمایا کہ جو شخص حق بات کے اظہار میں سکوت اختیار کرتا ہے وہ گونگا شیطان ہے۔(۲)

فرمایا کہ لقائے رب کے اشتیاق کی علامت یہ ہے کہ بساط نعمت وعشرت پر موت کی آرزو کی جائے مثلاً حضرت یوسف کو جب کنویں میں ڈھکیلا گیا اور جب داخل زنداں کیا گیا تو انھوں نے توفنی (اے اللہ مجھے موت دے) کی دعائیں کی لیکن جب عیش و عشرت کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے تو فرمایا توفنی مسلما۔(۳)

وہ یہ اشعار اکثر پڑھتے تھے.

احسنت ظنك بالایام اذ حسنت	ولم تخف شر ما یاتی به القدر
وسالمتك اللیالی فاغتردت بها	وعند صفو اللیالی بحدث الکدر

وقت اگر سازگار وخوشگوار ہے تو خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہو، حالاں کہ قضا وقدر کی ناگوار باتیں مخفی نہیں ہیں، شب و روز بے خطر ہیں تو تم کو ان سے دھوکا نہ ہوکر ہر صبح کی شام اور ہر چاندنی کے بعد اندھیری رات ہے۔

فرماتے تھے کہ صاحب الحزن (دل دردمند) ایک مہینہ میں طریق معرفت کی جو مسافت طے کر لیتا ہے وہ دوسرے ایک برس میں نہیں کر سکتے۔(۴)

فرمایا کہ جس نے آداب اسلام میں سے کسی کو بھی حقیر ومعمولی خیال کیا، اسے

---

(۱) شذرات الذہب: ج ۳ ص ۱۸۰ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) ایضاً

سنت سے محرومی کی سزادی گئی اور جس نے کسی سنت کو ترک کیا وہ ادائے فرض سے محروم ہوا اور جس نے فرائض کو اہمیت نہ دی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مبتدع کو مقرر کر دیتے ہیں جو اس کے پاس باطل کا ذکر کرتا ہے اور اس طرح وہ اس شخص کے قلب میں شک وریب کی تخم ریزی کرتا ہے، فرمایا کہ لوگ بحث کرتے ہیں کہ ثروت و علم میں کون افضل ہے، میرے نزدیک سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان کو بقدر کفاف مال حاصل ہو اور پھر وہ اسی میں محفوظ رہے۔(۱)

سماع سے متعلق ابن عماد حنبلی نے ان کا یہ قول نقل کیا کہ:

سماع عوام کے لیے حرام ہے کہ ان کے نفوس سیئہ کی بقا کا سامان ہے، زاہدوں کے لیے یہ مباح ہے کہ یہ ان کے مجاہدوں کے حصول میں مددگار ہے اور ہمارے اصحاب کے لیے یہ مستحب ہے کہ ان کے دلوں کی حیات کا سبب ہے۔

فرمایا کہ اگر کسی شہر سے کسی ولی اللہ کا گزر ہوتا ہے تو اہل بلدہ کو برکات حاصل ہوتے ہیں، یہاں تک کہ یہ برکتیں کسی جاہل و عامی شخص کے لیے مغفرت کا سبب بن جاتی ہیں۔(۲)

ایک بار فرمایا کہ کسی شخص نے جناب سہل سے عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں، اس درخواست کے جواب میں حضرت سہل نے فرمایا کہ جب ہم میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو باقی رہنے والے کے ساتھ کون رہتا ہے، اس شخص نے جواب دیا کہ اللہ، فرمایا بس اسی کی مصاحبت و رفاقت اختیار کرو۔(۳)

ایک مرتبہ فرمایا کہ سب سے بڑی آزمائش وابتلا یہ ہے کہ تم محض مرید بن کر رہو مراد نہ بن سکو، تم قربت کے آرزو مند ہو اور تم کو مبتلائے ہجر و فراق رکھا جائے۔

ایک بار جب اس آیت کریمہ کی تلاوت کر رہے تھے فتولی عنهم وقال

(۱) طبقات کبریٰ: جدید ج۳ ص۳۳۰ (۲) شذرات الذہب: بحوالہ مذکورہ (۳) شذرات الذہب: بحوالہ مذکورہ

یااسفی علی یوسف تو یہ شعر پڑھا:

حنبنا بليلى وهى جنت بغيرنا وازدی بنا مجنونه لا نریدها

ان کے اقوال کی تاثیر میں ان کے احوال کا بڑا دخل ہے، بقول امام قشیری ''استاذ محترم'' نے مسند وتکیہ کا کبھی سہارا نہیں لیتے تھے، وہ خود کو ترک رفاہیت کا عادی بنا چکے تھے۔(۱)

وفات: ذی الحجہ ۴۰۶ھ میں ان کا انتقال ہوا، ابن تفری بردی نے سال وفات ۴۱۲ھ لکھا ہے مگر دوسرے تمام تذکرہ نگاروں نے اول الذکر سن وفات ۴۰۶ھ کو ہی ترجیح دی ہے(۲)

☆☆☆

(۱) تبیین بحوالہ مذکورہ (۲) النجوم الزاہرہ بحوالہ طبقات کبریٰ جدید

امام ابواسحاق اسفرائینی

فقہ، اصول فقہ اور علم کلام میں امام زمانہ اور قاضی ابوالطیب طبری، امام ابوالقاسم قشیری اور امام بیہقی جیسے نادرۂ روزگار اہل علم وفضل کے استاد، امام ابواسحاق اسفرائینی کے سوانح کے بغیر فقہائے شافعیہ کا کوئی تذکرہ مکمل نہیں کہا جاسکتا۔

نام ونسب: ان کا پورا نام ونسب اس طرح ہے: ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن مہران، ابواسحاق کنیت اور رکن الدین لقب ہے اور اسفرائینی آبائی وطن اسفرائن (۱) کی نسبت ہے اور اسی سے وہ مشہور ہوئے۔

---

(۱) اسفرائن نیشاپور کے نواح میں صوبہ خراسان کی ایک بستی ہے، نیشاپور سے جرجان کے راستہ میں یہ ٹھیک نصف فاصلہ پر ہے، امام سمعانی نے لکھا ہے کہ یہ چھوٹا سا شہر ہے اور ہر دور میں یہ بڑا مردم خیز رہا ہے، یاقوت حموی نے لکھا کہ یہ چھوٹا مگر مضبوط شہر ہے، اس کا پرانا نام مہرجان تھا، کسی بادشاہ نے یہاں کی سرسبزی، شادابی اور تازگی کو دیکھ کر یہ نام رکھا تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو اسفندیار نے اپنے نام پر بسایا تھا جو بعد میں بدلتے بدلتے اسفرائن ہوگیا۔

ابوالحسن علی بن نصر فندورجی نے اسفرائن کے متعلق یہ اشعار کہے تھے:

سقی اللہ فی ارض اسفرائین عصبتی فما تنتھی عن العلیاء الا الیھم

وجربت کل الناس بعد فراقھم فما ازددت الا فرط فین علیھم

ائمہ اعیان میں ہمارے ابواسحاق اسفرائینی کے علاوہ ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق (۲۱۶) محمد بن علی ابوعلی ۳۷۲ھ اور ابوحامد اسفرائینی ۴۰۶ھ کے نام نمایاں ہیں، معجم البلدان ج ۱ ص ۲۲۸-۲۲۹، ان کے علاوہ دوسرے مشاہیر میں کہا جاتا ہے کہ نوشیرواں عادل بھی یہیں پیدا ہوا اور محمود غزنوی کے مربی ابوالعباس فضل بن احمد بھی اسی شہر کے فرزند ہیں، روضات الجنات ص ۴۷

تعلیم وتربیت: ابتدائی حالات کا ذکر تو نہیں ملتا، مگر گمان غالب ہے کہ وہ جلد ہی نیشاپور گئے اور وہاں امام ابوبکر اسماعیلی اور ان کے معاصر علمائے حدیث وفقہ سے تعلیم حاصل کی (۱) بعد میں مزید تعلیم کے لیے عراق کا سفر کیا اور وہاں امام ابوبکر محمد بن عبداللہ شافعی اور امام ابومحمد دعلج بن احمد سنجری اور ان کے ہم عصر علما وفقہا سے اکتسابِ فیض کیا، ان کے علاوہ جن دوسرے علما سے انھوں نے استفادہ کیا، ان میں ابوبکر محمد بن یزداد بن مسعود، ابوجعفر محمد بن علی جرسقانی، ابواحمد محمد بن احمد عطریسفی وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ (۲)

عراق میں انھوں نے طلب علم کے لیے جو وقت گزارا وہ اس درجہ کامیاب رہا کہ بقول سمعانی انھوں نے وہ سب کچھ حاصل کرلیا جو دوسرے حاصل نہ کرسکے تھے (۳)، چنانچہ جب وطن واپسی کا وقت آیا تو اس وقت عراق وخراسان دونوں علاقوں کے علما وفضلا ان کی فضیلت اور تقدم واولیت کے معترف ہوچکے تھے۔ (۴)

نیشاپور میں قیام: عراق سے واپسی پر وطن اسفرائن کو مستقل رہائش کے لیے پسند کیا، کچھ مدت وہ یہاں رہے، قاضی ابوالطیب طبری جو ان کے خاص شاگرد اور نہایت نامور فقیہ ہیں انھوں نے اسفرائن ہی میں ان سے اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی (۵) لیکن نیشاپور والے مصر تھے کہ وہ نیشاپور میں قیام کریں، وہ لوگ بار بار آئے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا، آخر جب اصرار زیادہ ہوا تو نیشاپور تشریف لے گئے اور پھر تادم آخر وہیں رہے۔

مدرسہ نیشاپور: ان کی سوانح میں یہ بات بڑے فخر کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کہ نیشاپور میں ان کے لیے خاص طور سے ایک مدرسہ بنایا گیا تھا، یہ اس شان کا تھا کہ کم از کم نیشاپور میں اس سے پہلے کوئی اور مدرسہ ایسا نہ بنا تھا، اسی میں انھوں نے حدیث وفقہ کے علوم کے چشمے جاری کیے، جن سے نیشاپور کے تقریباً تمام طالبین علم حدیث وفقہ سیراب ہوئے۔ (۶)

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۱۱۱ (۲) ایضاً وتہذیب الاسماء: ج ۲ ص ۱۶۹، انساب: ج ۱ ص ۳۴ (۳) انساب حوالہ سابقہ (۴) وفیات: ج ۱ ص ۶، تہذیب الاسماء: ج ۲ ص ۱۶۹ وطبقات شہبہ: ج ۱ ص ۱۵۸ (۵) طبقات شیرازی: ص ۱۰۹ (۶) طبقات ابن شہبہ: ج ۱ ص ۱۵۸

نیشاپور میں ایک مسجد 'مسجد عقیل' نامی تھی، اس میں ان کی خاص مجلس منعقد ہوتی، جس میں احادیث املا کرائی جاتیں (۱)، اس مسجد میں انھوں نے سب سے پہلے پنج شنبہ کے روز محرم ۴۱۱ھ میں حدیث کا املا شروع کیا، یہ ان کی زندگی میں املائے حدیث کا پہلا موقع تھا، انھوں نے سب سے پہلے جس حدیث کا املا کرایا وہ یہ ہے۔ (۲)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
بعثت على اثر ثمانية آلاف نبي،	کہ میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد بھیجا گیا، ان
منهم اربعة آلاف من بني اسرائيل۔	میں چار ہزار نبی بنی اسرائیل سے ہیں۔

اس کے علاوہ امام سبکی نے ان کے سلسلہ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے۔

مثل المومن كمثل الخامة من
الزرع يميلها الرياح مرة هكذا و
مثل المنافق كمثل الارزه المحدبة
على الارض حتى يكون انجعافها

تلامذہ اور رواۃ: ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں یوں تو خراسان اور خاص طور پر نیشاپور کے تقریباً تمام صاحبان علم شامل ہیں مگر جن شاگردوں کی وجہ سے ان کی اہمیت اور قدر و منزلت میں اضافہ ہوا، ان میں امام بیہقی، قاضی ابوالطیب طبری اور امام ابوالقاسم قشیری جیسے یگانہ روزگار اور فخر اماثل محدثین وفقہا شامل ہیں۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ان کی تصانیف کو زیادہ تر امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور امام ابوالقاسم قشیری ان کی مجلس میں برابر آتے جاتے تھے، امام ابواسحاق شیرازی نے لکھا کہ ہمارے شیخ ابوالطیب طاہر بن عبداللہ طبری نے ان سے علم وکلام واصولِ حدیث کا درس لیا، ان کے علاوہ ابوالسائب ہبۃ اللہ بن ابی الصہبا اور محمد بن ابی الحسن بالوی کا شمار بھی ان کے نمایاں تلامذہ میں ہوتا ہے۔

---

(۱) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۱۳-۱۲ (۲) ایضاً

منزلت علمی: علم وفضل میں وہ جس بلند مقام پر فائز تھے، اس کی بنا پر تمام تذکرہ نگاروں نے ان کا شاندار الفاظ میں ذکر کیا، ابن خلکان نے الاستاذ کے خاص لفظ سے ان کے ذکر کی ابتدا کی اور فقیہ، اصولی اور متکلم کے توصیفی الفاظ سے ان کو یاد کیا۔

سمعانی نے بھی استاذ امام سے ان کو تعبیر کیا، حاکم ابوعبداللہ نے اپنی تاریخ میں امام ابواسحاق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ وہ فقہ، اصول فقہ اور علم کلام کے عالم ہیں اور ان علوم میں ان کو دستِ سبقت حاصل ہے، حاکم ابوعبداللہ کا انتقال، امام اسفرائینی کی حیات ہی میں ہوگیا تھا لیکن یہ امام اسفرائینی کی جلالت شان تھی کہ ان کے معاصر بلکہ پیش رو نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا(۱)، امام ذہبی اور قاضی ابن شہبہ نے ان کو شیخ اہل خراسان لکھا(۲)، امام یافعی نے ان کی شان میں الامام الکبیر، الاستاذ الشہیر اور اسد الاعلام کے الفاظ استعمال کیے(۳)، امام نووی نے امام ابوالحسن عبدالغافر بن اسمٰعیل فارسی کا قول نقل کیا کہ استاذ ابواسحاق کا شمار ان علما میں ہے جو درجۂ اجتہاد پر فائز ہیں، علوم فقہیہ میں ان کو تبحر حاصل تھا اور ان میں امامت کی تمام شرطیں یعنی عربیت، فقہ، کلام، اصول اور معرفت کتاب وسنت وغیرہ موجود تھیں(۴)، امام نووی لکھتے ہیں کہ استاذ اسفرائینی ان تین ہم عصر علما میں ہیں، جنھوں نے حدیث وسنت کے کلامی مسائل میں مسلک اشعری کو تقویت پہنچائی، باقی دو حضرات امام ابوبکر باقلانی صاحب اعجاز القرآن واسرار الباطنیہ اور متکلم ابوبکر ابن فورک ہیں(۵)، صاحب ابن عباد معتزلی ہیں اور ان حضرات کے مخالف بھی ہیں، تاہم ان تینوں کی توصیف میں انھوں نے انصاف سے کام لیا، انھوں نے ان تینوں کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یہ کہہ کر کیا کہ ابن الباقلانی بحر مغرق (بحر بیکراں) اور ابن فورک صل مطرق (تیغ براں) ہیں اور اسفرائینی نار محرق (آتش سوزاں) ہیں۔(۶)

---

(۱) انساب سمعانی بحوالہ سابقہ (۲) طبقات ابن شہبہ وشذرات الذہب والعبر: ج ۳ ص ۱۲۸
(۳) مرأۃ الجنان: ج ۳ ص ۳۱ (۴) تہذیب الاسماء واللغات: ج ۲ ص ۱۶۹ (۵) تہذیب الاسماء: بحوالہ سابقہ (۶) طبقات ابن شہبہ وطبقات کبریٰ

امام سبکی نے بھی ان کو الاستاذ اور علم کلام واصول وفروع کے امام اور کئی علوم کے جامع کی حیثیت سے یاد کیا ہے، انھوں نے یہ بھی لکھا کہ تمام ائمہ ان کی تعظیم وتکریم پر متفق ہیں اور ان میں امام کی جملہ شرائط پائے جانے کے معترف ہیں (۱)، یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے (۲)، ابن ہدایہ نے ان کو صاحب الاجتہاد والورع والعلوم الشرعیہ والعقلیہ واللغویہ لکھا۔ (۳)

ابوعمرو بن الصلاح فرماتے تھے کہ استاذ ابواسحاق نے اصول فقہ میں فقہائے شافعیہ کے مسلک کو بڑی مدد دی، اصول فقہ کے بعض مسائل ایسے تھے جو بہت سے متکلمین فقہائے شافعیہ کے لیے پیچیدہ اور مشکل تھے اور اسی لیے ایسے مسائل میں ان متکلمین فقہاء نے امام شافعی کی موافقت اور تائید سے پہلوتہی کی تھی مگر ان مسائل کو استاذ ابواسحاق نے فقہائے شافعیہ کے اصولوں کی روشنی میں حل کیا، ان میں ایک مسئلہ یہ تھا کہ کیا قرآن کے حکم کو سنت کے ذریعہ منسوخ کیا جاسکتا ہے؟ ایک بحث یہ بھی تھی کہ جب اجتہاد کرنے والے متعدد ہوں گے تو راہ صواب پر ایک ہی ہوگا، کیوں کہ یہ قول ان فقہا میں بہت مشہور تھا کہ ہر مجتہد مصیب ہے (راہ صواب پر ہے) خواہ ان میں سے پہلا مجتہد غلط استدلال اور قیاس باطل پر ہو اور آخری زندیق ہو، لوگوں نے اس قول کی نسبت امام شافعی سے کی تھی، حالاں کہ یہ درست نہیں۔ (۴)

امام عبدالغافر کا یہ قول بھی نقل کرنے کے لائق ہے کہ امام ابواسحاق صرف نیشاپور نہیں بلکہ پورے مشرق کے لیے مایہ ناز وافتخار تھے۔ (۵)

عبادت وتقویٰ: علم کی دولت کے ساتھ ساتھ وہ عمل کی نعمت سے بھی سرفراز تھے، تذکرہ نگاروں نے ان کی عبادت وریاضت اور تقویٰ وانابت کا بھی ذکر کیا ہے، امام نووی نے ان کو زاہد لکھا یہ بھی لکھا کہ وہ نہایت عبادت گزار اور تقویٰ وورع میں حد کمال کو پہنچے

(۱) طبقات کبریٰ (۲) ایضاً (۳) طبقات ابن ہدایہ: ص ۱۴۵ (۴) تہذیب الاسماء واللغات: (۵) طبقات کبریٰ ووفیات الاعیان ج ۱ ص ۶

ہوئے تھے، (من المجتهدين في العبادة، المبالغين في الورع) یہی بات امام سبکی نے بھی لکھی ہے۔

سب سے عمدہ بات امام نووی کی ہے جنھوں نے لکھا کہ امام ابواسحاق کے فوائد و فضائل اور اقوال و تصانیف کے بیان کے لیے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے۔ (۱)

سفارت: ایک روایت کے مطابق عباسی خلیفہ نے ان کو ملک روم کے پاس بھیجا تھا لیکن اس واقعہ کی تفصیلات نہ معلوم ہو سکیں، اگر چہ صاحب روضات الجنات نے یہ اشارہ ضرور کیا کہ تاریخ کی کتابوں میں دیکھا جائے مگر ہماری نظر سے اور کہیں یہ واقعہ یا اس کے متعلق تفصیلات نہیں گزریں۔ (۲)

تصنیفات: امام ذہبی اور ابن عماد حنبلی نے لکھا کہ ان کی کئی تصانیف ہیں، ابن کثیر نے ان کو صاحب التصانیف فی الاصلین لکھا (۳)، قاضی ابن شہبہ نے ان کو کثیر التصانیف کے الفاظ سے یاد کیا، امام یافعی نے ان کو صاحب تصانیف جلیلہ لکھا اور ابن خلکان نے فرمایا کہ یہ کتابیں جلیل القدر ہیں اور امام سبکی نے لکھا کہ ان کی کتابیں اعلیٰ درجہ کی ہیں مگر ہم ان کی چند ہی کتابوں کے نام سے واقف ہو سکے، ان کی سب سے عمدہ کتاب جس کا ذکر تقریباً ہر تذکرہ نگار نے کیا ہے، وہ جامع الحلی فی اصول الدین والرد علی الملحدین ہے، ابن خلکان نے اسی نام کے ساتھ اس کا ذکر کیا اور لکھا کہ انھوں نے اس کی پانچ جلدیں دیکھی تھیں، مگر علامہ چلپی نے اس کا پورا نام جامع الجلی والخفی فی اصول الدین والرد علی الملحدین (۴) لکھا ہے، اس کتاب کے علاوہ اصول فقہ میں ان کے ایک رسالہ کا بھی ذکر ملتا ہے، جو دراصل امام ابن الحداد کی کتاب الفروع کی تعلیق اور شرح ہے، ان سے پہلے کتاب الفروع کی ایک شرح امام قفال شاشی نے لکھی تھی، بعد میں قاضی ابوالطیب طبری، امام فورانی اور امام جنید لانی نے بھی اس کی شرحیں لکھیں (۵)، اس کے علاوہ ان کی ایک اور

---

(۱) تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۶۹ (۲) روضات الجنات: ج ۷ ص ۴۷ (۳) البدایہ والنہایہ: ج ۱۲ ص ۲۴ (۴) کشف الظنون: ج ۱ ص ۳۶۱ (۵) ایضاً

کتاب تھی جس کی تخریج حاکم ابوعبداللہ نے دس حصوں میں کی تھی (۱)، مگر اس کتاب کا اصل نام کسی نے نہیں لکھا۔

مناظرے: ان کی علمی زندگی میں دوسرے علوم وفنون کے ساتھ مناظروں کا بھی ذکر ملتا ہے، دوسرے تذکرہ نویس تو یہ کہہ کر خاموش ہوگئے کہ معتزلہ سے ان کے مناظرے ہوئے (۲)، لیکن امام سبکی نے مشہور معتزلی قاضی عبدالجبار سے انکے ایک مناظرہ کا مختصر ذکر کیا ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خالص علم کلام کی بنیاد پر یہ مناظرہ ہوا تھا، مثلاً جب مناظرہ شروع ہوا تو قاضی عبدالجبار نے کہا کہ سبحان من تنزه عن الفحشاء (پاک ہے وہ ذات جو برائیوں سے منزہ ہے) جواب میں امام ابواسحاق نے فرمایا کہ سبحان من لايقع في ملكه الا مايشاء (پاک ہے وہ ذات جس کے جہاں میں اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا) یہ سن کر قاضی معتزلی نے کہا کہ افيشاء ربنا ان يعصى (تو کیا ہمارے رب کی مرضی یہ بھی ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے) تو امام اسفرائینی نے استفہامی جواب دیا کہ ايعصى ربنا قهراً (کیا خدا کی نافرمانی بجبر کی جاسکتی ہے) جواب میں قاضی صاحب نے کہا کہ افرأيت ان منعني الهدى وقضى على بالردى أحسن الي أم اساء؟ (کیا خیال ہے آپ کا اگر خدائے تعالیٰ مجھ کو ہدایت سے محروم کردے اور میرے لیے تباہی کا فیصلہ کردے تو میرے لیے یہ فیصلہ اچھا ہے یا برا) اس کا جواب امام صاحب نے کہا کہ ان كان منعك ماهو لك فقد اساء وان منعك ما هو له فيختص برحمته من يشاء (اگر خدا نے تم کو تمہارے اختیار کے استعمال سے روکا ہو تو برا کیا اور اگر اپنے فضل خاص سے محروم رکھا تو اپنی رحمت کا وہ خود مالک ہے جس کو چاہے دے) اس بلیغ اور مسکت جواب کے بعد قاضی عبدالجبار خاموش ہوگئے۔ (۳)

وفات: نیشاپور میں طویل قیام وسکونت کی وجہ سے ان کو اس شہر سے خاص الفت تھی، فرماتے تھے کہ میری خواہش ہے کہ آخری بار اپنی آنکھیں یہیں بند کروں، تاکہ یہاں کے

---

(۱) شذرات الذہب: ج ۳ ص ۲۰۹ (۲) اعلام: ج [illegible] ص ۲۰ (۳) طبقات کبریٰ: ج ۳ ص ۱۱۲

تمام باشندے میری نمازِ جنازہ میں شریک ہوں، ٹھیک پانچ مہینوں کے بعد ان کی یہ آرزو پوری ہوئی، عاشورا کے دن ۴۱۸ھ میں وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، اس دن بارش ہورہی تھی لیکن ظہر کے بعد سورج نکل آیا، ان کے جسدِ خاکی کو مقبرہ خیرہ لے جایا گیا، امام موفق نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر ابوبکر طرطوسی کے قبرستان میں تدفین ہوئی، بعد میں ان کے صاحبزادے اسفرائن سے آئے، ان کے ساتھ اسفرائن کے باشندوں کی ایک بڑی جمعیت تھی، ان لوگوں کا اصرار تھا کہ ان کی قبر اسفرائن ہی میں بنے، چنانچہ تین دنوں کے بعد میت کو قبر سے پھر نکالا گیا اور میدان حسین میں نماز جنازہ پڑھی گئی، اس کے بعد اسفرائن کے آبائی قبرستان میں دوبارہ تدفین ہوئی (۱)، امام سمعانی متوفی ۵۶۲ھ نے ان کی قبر کی زیارت کی تھی، مشہور تھا کہ امام ابواسحاق کی قبر کے پاس دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ (۲)

وفات کے وقت عمر تقریباً ۹۰ برس یا کچھ زیادہ کی تھی۔ (۳)

مسائل: امام سبکی نے ان کے بعض اقوال و مسائل نقل کیے ہیں، جن کا تعلق باب العتق سے ہے، امام نووی نے بھی ایک دو مسئلے نقل کیے ہیں۔

(۱) تہذیب الاسماء، وفیات، شذرات اور انساب بحوالہ سابقہ (۲) انساب بحوالہ سابقہ (۳) شذرات الذہب: ج ۳ ص ۲۱۰

کتابیات

تذکرۃ الفقہاء حصہ اول

۱-احمد بن حنبل والمحنۃ — والٹر، ایم پیٹن

۲-اختلاف الفقہاء — امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی ۳۲۱ھ تحقیق ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی، معہد البحوث الاسلامیہ پاکستان ۱۹۷۱ء

۳-اعلام — خیر الدین زرکلی، مطبعۃ العربیہ مصر ۱۹۲۷ء

۴-اللباب فی تہذیب الانساب — عز الدین ابوالحسن علی بن محمد ابن الاثیر م ۶۳۰ھ مکتبۃ القدسی قاہرہ، مصر ۱۹۲۷ء

۵-الانتقاء — امام ابوعمر بن عبدالبر قرطبی م ۴۶۳ھ، مکتبہ القدسی مصر ۱۳۵۰ھ

۶-الانساب — ابوسعید عبدالکریم سمعانی م ۵۴۲ھ طبع ۱۹۱۲ء

۷-البدایہ والنہایہ — ابوالفدا اسماعیل بن عمر ابن کثیر م ۷۷۴ھ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۴۸ھ

۸-بستان المحدثین — شاہ عبدالعزیز دہلوی

۹-تاریخ بغداد — حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی م ۴۶۴ھ مکتبہ خانجی قاہرہ مصر ۱۹۳۱ء

۱۰-تاریخ التراث العربی — فواد سزگین، الہیئۃ المصریہ العام، ۱۹۷۷ء

۱۱-تاریخ التشریع الاسلامی	محمد الخضری، دارالکتب مصر ۱۳۳۹ھ
۱۲-تاریخ جرجان	ابوالقاسم حمزہ بن یوسف السہمی م ۴۴۷ھ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۵۰ء
۱۳-تبیین کذب المفتری	ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر دمشقی م ۵۷۱ھ، مطبعۃ التوفیق، دمشق ۱۳۴۷ھ
۱۴-تذکرۃ الحفاظ	علامہ شمس الدین ذہبی م ۷۴۶ھ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن
۱۵-تقریب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ، دارنشر الکتب الاسلامیہ، پاکستان ۱۹۷۳ء
۱۶-توالی التاسیس	ابن حجر عسقلانی، مطبعہ المنیریہ مصر ۱۳۰۱ھ
۱۷-تہذیب الاسماء واللغات	ابوزکریا محی الدین بن شرف نووی م ۶۷۶ھ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر۔
۱۸-تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانی، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ
۱۹-الحاوی فی سیرۃ الطحاوی	محمد زاہد الکوثری، مطبع الانوار، مصر۔
۲۰-حسن المحاضرہ	شیخ جلال الدین ابوسعید بن السیوطی م ۹۱۱ھ مطبعہ شرقیہ، مصر ۱۳۲۷ھ
۲۱-خطط مقریزی	تقی الدین مقریزی م ۸۴۵ھ، مطبع النیل مصر ۱۳۲۴ھ
۲۲-روضات الجنات	محمد باقر بن زین الدین موسوی ۱۳۰۴ھ
۲۳-الشافعی حیاتہ وعصرہ	عبدالرزاق باشا
۲۴-شذرات الذہب	ابوالفلاح عبدالحئی بن العماد حنبلی م ۱۰۸۹ھ، مکتبہ القدسی مصر ۱۳۵۰ھ

۲۵- ضحیٰ الاسلام	احمد امین، مطبعۃ الاعتماد، ۱۳۵۲ھ
۲۶- طبقات ابن شہبہ	ابوبکر بن احمد تقی الدین ابن قاضی شہبہ دمشقی تصحیح و تعلیق ڈاکٹر حافظ عبدالعلیم خاں، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۷۸ء
۲۷- طبقات ابن ہدایہ	ابوبکر بن ہدایۃ اللہ الحسینی ملقب بالمصنف م ۱۰۱۴ھ مکتبہ بغداد ۱۳۵۶ھ
۲۸- طبقات اسنوی	مخطوطہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ
۲۹- طبقات سبکی	تاج الدین عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی مطبعۃ الحسینیہ مصر
۳۰- طبقات سبکی	تحقیق محمود محمد الطناحی، عبدالمفتاح محمد الحلو مطبعۃ عیسیٰ البابی ۱۹۶۴ء
۳۱- طبقات شیرازی	ابواسحاق ابراہیم بن علی شیرازی م ۴۷۶ھ مکتبہ العربیہ، بغداد ۱۳۵۶ھ
۳۲- العبر فی خبر من غبر	امام ذہبی م ۷۴۸ھ، دائرۃ المطبوعات والنشر کویت ۱۹۶۱ء
۳۳- العقد المذہب	مخطوطہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ
۳۴- الفہرست	ابوالفرج محمد بن اسحاق الندیم، م ۳۸۵ھ مطبعۃ الرحمانیہ، مصر
۳۵- کتاب الولاۃ والقضاۃ	ابوعمر محمد بن یوسف کندی مصری، مطبع اباء الیسوعین بیروت ۱۹۰۸ء

۳۶۔کشف الظنون	مصطفیٰ بن عبداللہ ملا کاتب چلپی حاجی خلیفہ،مطبعۃ العالم
۳۷۔لسان المیزان	ابن حجر عسقلانی ،م ۸۵۲ھ، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۰ھ
۳۸۔مدارک التنزیل	ابوالبرکات نسفی ،مطبعہ حسینیہ،مصر ۱۳۴۴ھ
۳۹۔مرأۃ الجنان	ابومحمد عبداللہ الیافعی م ۷۶۸ھ ، دائرۃ المعارف النظامیہ،حیدرآباد دکن ۱۳۳۸ھ
۴۰۔معجم البلدان	شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت حموی بغدادی م ۶۲۶ھ مطبعۃ سعادہ،مصر ۱۳۲۳ھ
۴۱۔معجم المصنفین	شیخ محمود حسن ٹونکی،مطبعہ وزنکوغراف طیرہ بیروت ۱۳۴۴ھ
۴۲۔معجم المطبوعات	جوزف ایلان،سرکیس،قاہرہ ۱۹۲۸ء
۴۳۔المغنی	فتنی،مطبع فاروقی الدھلوی
۴۴۔المنتظم	ابوالفرج ابن الجوزی،م ۵۹۷ھ، دائرۃ المعارف العثمانیہ،حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ
۴۵۔المنجد	دارالمشرق،بیروت ۱۹۷۳ء
۴۶۔میزان الاعتدال	امام ذہبی،مطبعۃ سعادہ،مصر ۱۳۲۵ھ
۴۷۔وفیات الاعیان	شمس الدین ابوالعباس احمد بن خلکان م ۶۸۲ھ

☆☆☆

TAZKIRAT-UL FUQAHA

VOL. 1

Mohammad Umair Siddique Daryabadi Nadvi

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
Azamgarh (U.P)

ISBN : 978-93-80104-80-5